مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی دینی و علمی خدمات

تحقیقی جائزہ

(مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی)

راحت جہاں

(شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی)

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

(رئیس، کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی)

شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ طالبہ **راحت جہاں** نے میری نگرانی میں اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی دینی و سیاسی خدمات کا تحقیقی جائزہ"، مکمل کرلیا ہے۔

لہٰذا طالبہ کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ سند کے حصول کیلئے یہ مقالہ جمع کرنے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری
رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

ابوابِ مقالہ

مُقدمہ

حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کے ایک جلیل القدر خلیفہ اور دسویں صدی کے بے مثال عالم بے بدل فقیہ، محدث، مفسر اور ماہر سیاست دان تھے، مذہب اور سیاست پر ان کی گہری نظر تھی۔ آپ کی علمی و تصنیفی میدان میں کئی کتابیں یادگار ہیں۔

اسلاف کے علمی و عملی تحریکی وجہادی، ادبی و دینی خدمات کو منظر عام پر لانا اور ان کے اثرات سے لوگوں کو باور کرانا کوئی آسان کام نہیں سمجھا گیا۔ میں نے اپنے اس تحقیقی مقالہ میں ان خدمات کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے جس پر اہل علم ودانش نے تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تحریک پاکستان کا ہیرو انہیں بنا کر پیش کیا گیا جن کا تحریک پاکستان میں کوئی کردار نہیں رہا۔ انہی اسلاف میں سے حضرت علامہ استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرارآبادی المعروف صدرالافاضل علیہ الرحمۃ بھی ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ، تلامذہ، خلفاء اور ہم عصر علماء کرام کی معیت میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اس حوالے سے آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد آپ کی اہم خدمات میں سے ایک ہے۔ اسی تحریک کے نتیجے میں بالآخر مملکت خداداد پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرض وجود میں آ گیا۔

میں نے اپنے اس مقالہ (برائے حصول پی ایچ ڈی، اسلام اسٹڈیز جامعہ کراچی) میں صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرارآبادی علیہ الرحمۃ کی دینی و علمی خدمات کو ترتیب دیا ہے اور مولانا موصوف کے حوالے سے تمام مراجع ومصادر کو تلاش کیا اور بس میں رقم کیا جو کہ اس مقالہ کیلئے ممکن ہو سکتے تھے۔

اس سلسلے میں میرے استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (رئیس کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی) کی رہنمائی حاصل رہی جن کی میں تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں اور جن احباب نے میری

دامے، درمے، سخنے مدد و رہنمائی کی جن میں مولانا سید رئیس احمد (سابق استاذ علوم اسلامی، جامعہ کراچی)، مولانا جمیل احمد نعیمی (ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ)، مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی (مفتی دارالعلوم نعیمیہ) اور مولانا محمد ناصر خان چشتی (منتظم اعلیٰ، الناصر ریسرچ اکیڈمی کراچی) شامل ہیں، میں ان تمام احباب کی بھی شکرگزار رہوں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

دعا گو

راحت جہاں

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

باب اول

خاندانی پس منظر اور ابتدائی تعلیمی و روحانی سفر

﴿بابِ اوّل﴾

خاندانی پس منظر اور ابتدائی تعلیمی وروحانی سفر

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے آباء واجداد، سادات مشہد (ایران) کے رہنے والے تھے اور ''اورنگ زیب عالمگیر'' کے عہد میں ''مشہد'' سے ہندوستان آئے اور بڑے بڑے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر مامور ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں حصے میں آئیں، جونسلاً بعد نسلٍ اس کا کچھ حصہ آپ کے ورثہ میں بھی آیا۔ خاندانی اعتبار سے یہ گھرانہ ہمیشہ ہی علم وفضل کا آفتاب، علوم وفنون کا ماہتاب رہا ہے۔ ہندوستان کے شمالی علاقے لکھنؤ، رام پور، بدایوں، متھرا، علی گڑھ، میرٹھ، آگرہ، کانپور اور بریلی کی طرح مرادآباد کو بھی بڑی دینی سیاسی تعلیمی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس شہر مرادآباد میں جہاں بڑے بڑے علماء کبار چمنستان علم کے مسند بچھائے بیٹھے تھے انہی میں حضرت مولانا سید معین الدین متخلص نزہت ملقب استاذ الشعراء بھی تھے۔ (ا)

مرادآباد کی نصف آبادی آپ سے شاگردی کا شرف رکھتی تھی اور حضرت موصوف نواب مہدی علی ذکی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ذکی کے شاگردوں میں حضرت مولانا کفایت علی کافیؔ شہید، مولانا محمد حسین تمنا، نواب شیر علی خان، تنہا بھی شہرت رکھتے تھے۔ واضح رہے کہ حضرت مولانا سید معین الدین نزہتؔ مرادآبادی ابتداً میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے تھے۔

مولانا قاسم نانوتوی نے مولانا سید معین الدین نزہت کو میلاد شریف پڑھنے، قیام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور میلاد شریف بہت برکت والا عمل بتایا تھا۔ ایک دن کسی نے مولانا معین الدین سے کہا کہ جناب آپ کا پیر مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی تو ''وہاں'' تھا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں کس طرح مانوں؟ مجھے خود انھوں نے میلاد شریف پڑھنے، قیام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی برکت سے

(ا) حیاتِ صدر الافاضل، ص 9 / تذکرہ علماء اہلسنت لاہور ص 120 مولفہ اقبال احمد فاروقی

خبردار کیا تھا اور اجازت دے رکھی تھی جب مولانا سید معین الدین نزہت کو حسام الحرمین اور تحذیر الناس، (مصنفہ مولانا قاسم نانوتوی) دکھائی گئی تھی۔ اسی وقت حضرت نزہت موصوف نانوتوی کی بیعت فسخ کر کے سیدھے بریلی پہنچے اور حضرت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ تحریر فرمایا:

پھرا ہوں میں اس گلی سے نزہتؔ ہوں جس میں گمراہ شیخ و قاضی
رضائے احمد اسی میں سمجھوں کہ مجھ سے احمد رضا ہوں راضی

واضح رہے کہ حضرت مولانا سید معین الدین نزہتؔ مرادآبادی کے کئی فرزند قرآن کریم کے حافظ ہو ہو کر زادِ آخرت ہو چکے تھے اور آخر عمر میں اولاد کا عظیم صدمہ بہ تقاضائے بشریت شامل رہا تھا۔ چنانچہ نذر مانی کہ مولیٰ تعالیٰ نے آئندہ کوئی بچہ عطا فرمایا تو اس کو خدمت دین کے لیے وقف کر دوں گا اور جہاد ہو گا تو اس فرزند کو اپنے آگے لے کر میدانِ جہاد میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ رحمت باری نے آپ کے گھر میں بچہ عطا فرمایا اور اس بچے کی ولادت باسعادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ (یکم جنوری ۱۸۸۳ء) ضلع مرادآباد یوپی۔ بھارت) میں ہوئی۔ جس کا تاریخی نام ''غلام مصطفیٰ'' تجویز ہوا جس کو دنیا صدر الافاضل بدر المماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کے نام سے جانتی ہے۔

خلافت کمیٹی کے دور میں علماء اہلسنّت پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے اور ہندو مسلم اتحاد زوروں پر تھا۔ حسبِ سابق مخالفین نے سنیوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکا رکھا تھا۔ دوسری طرف شہر مرادآباد میں مدرسہ شاہی کے زیر اہتمام ایک جلسہ کر کے صدر الافاضل کے خلاف نہ صرف زہر افشانی کی گئی بلکہ ایک پہلوان کو جس نے سرِ مجمع تلوار دکھا کر کہا تھا کہ اس میں اس کو قتل کر دوں گا، مقرر کر دیا گیا تھا۔ حضرت مولانا نزہتؔ نے اس نازک اور خطرناک موقع پر ایک قطعہ تحریر فرمایا جو کوئلہ سے لکھا گیا:

یا الٰہی بے خطا بے جرم ہے یہ میرا پسرؔ
دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر

تو برائے احمد مختار ابوبکر و عمر
دشمنان را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

رب کریم نے آپ کی دعاء قبول فرمائی اور اسی وقت سے آپ نے مولانا صدر الافاضل کو دفاع اسلام کے لیے وقف کر کے اپنی نذر پوری کردی۔

ابتدائی تعلیم، اساتذہ:

صدر الافاضل نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت مرادآبادی جو اپنے وقت کے ایک جید عالم بھی تھے ان سے پڑھیں۔ بعد ازاں ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۰ء میں مدرسہ امدادیہ (مرادآباد) سے دستار فضیلت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا شاہ محمد گل ایک عارف کامل اور فاضل اجل استاد تھے، جو نہ صرف علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے بلکہ فن حدیث واصول حدیث، علم التوقیت والافلاک میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی تعلیم پر توجہ فرمائی، یہاں سے فراغت کے بعد ''علمِ طب'' کی تعلیم حاصل کی اور آپ کو ''علم طب'' میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی اور اس فن میں حکیم شاہ فضل احمد امروہوی سے آپ کو شرف تلمذ تھا۔ شعر وادب میں اپنے والد ماجد، استاد الشعراء مولانا معین الدین نزہتؔ سے کمال حاصل کیا اور ''نعیم'' تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا دیوان ادب ''ریاض نعیم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اپنے استاد شاہ محمد گل سے بیعت:

ابتداء میں آپ اپنے استاد قدرۃ الفضلاء رئیس العلماء حضرت مولانا سید شاہ محمد گل کابلی مہتمم سے ہی ''سلسلہ قادریہ'' میں بیعت ہوئے، لیکن بیعت کے کچھ عرصہ بعد ہی حضرت شاہ گل نے آپ کو حضرت قطب العالم شیخ المشائخ ابو احمد الشاہ علی حسین الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کر دیا، جن سے آپ نے بھرپور روحانی استفادہ کیا۔ (۱)

---

(۱) مقدمہ سوانح کربلا اردو، مطبوعہ کراچی 1960 / مجلّہ معارف رضا کراچی 1990

سید شاہ اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے بیعت وخلافت:

آپ کو حضرت سید شاہ الاشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے خلافت واجازت بھی حاصل ہوئی۔

امام اہلسنّت فاضل بریلوی سے بیعت وخلافت:

کچھ عرصہ کے بعد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کے خدمت میں ''دارالعلوم منظر اسلام'' بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے آپ کو خلافت و اجازت اور اسناد حدیث سے سرفراز فرمایا اور اس طرح آپ کا شمار بھی ''مدرسہ منظر الاسلام'' کے فارغ شدہ طلباء میں ہونے لگا۔

واضح رہے کہ اس وقت کے رواج کے مطابق درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ہی اکثر اساتذہ کرام اپنے لائق تلامذہ کو ''اسناد فی الفنون العلوم'' تو دیتے ہی تھے، ساتھ ہی روحانی اسناد یعنی خلافت بھی عطاء فرماتے تھے۔ بعض تلامذہ علوم درس کسی اور استاد سے حاصل کرتے تھے اور خلافت کسی اور شیخ سے اور بعض تلامذہ کو تو کئی کئی مشائخ سلاسل سے خلافتیں عطا ہوئیں اور ہر دور میں خلافت کو ''اسناد ظاہری'' کا تتمّہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ آپ پہلے ''استاذ العلماء'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، لیکن جب سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کو ''صدر الافاضل'' کے لقب سے موسوم کیا، آپ اپنے مرشد کے اس عطا کردہ لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ فاضل بریلوی کے رازدار اور رمز شناس خلفاء و تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

مدرسہ انجمن اہلسنّت وجماعت مرادآباد کی تاسیس:

۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۰ء میں آپ نے مرادآباد میں ''دارالعلوم منظر اسلام'' کی ایک ذیلی برانچ بنام ''مدرسہ انجمن اہلسنّت وجماعت'' کی بنیاد رکھی۔ بعد میں ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں یہ مدرسہ آپ کے نام کی نسبت کی وجہ سے ''جامعہ نعیمیہ'' قرار پایا۔ اس جامعہ نعیمیہ اشرفیہ رضویہ سے دنیا کے گوشے گوشے سے طلباء تعلیم حاصل کر کے رخصت ہوئے اور انھوں نے دینی وسیاسی اور ملکی خدمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور آج بھی

ہندوستان کے مسلک اہلسنّت بریلی کے مرکزی درسگاہوں میں یہ ادارہ ایک بنیادی مرکزی علمی درس گاہ کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔(۱)

تبلیغ اسلام کا آغاز اور ماہنامہ "السواد الاعظم" کا اجراء:

حضرت "صدر الافاضل" اس درس گاہ کے ذریعے تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ آپ نے اپنے رسالہ "السواد الاعظم" میں جو ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں جامعہ نعیمیہ سے جاری کیا، اس کے ذریعے "پنڈت دیا نند سرسوتی" کی کتاب "ستیارتھ پرکاش کے اسلام اور شارع اسلام" پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جواب دیئے۔ تبلیغ اسلام کے لیے یوپی کے شہر الموڑہ، نینی تال، ہلدوانی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کا بھی دورہ کیا اور وہاں قیام فرمایا اور ایک رسالہ "پراچین کال" تحریر فرمایا جو غالبًا پہاڑی زبان میں تھا۔ اشاعت اسلام کے لیے آپ نے پھیری والوں کے روپ میں پورے ہندوستان میں اپنے نمائندے بھیجے جنھوں نے گھر گھر جا کر اسلام پھیلایا۔ دو قومی نظریہ کی بھرپور حمایت اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلعی کھولی۔

الہلال والبلاغ میں مستقل مضمون نگاری:

اس سے پہلے آپ مولانا ابوالکلام آزاد کے رسالہ "الہلال" میں علمی مقالات اور مضامین لکھ کر اہل علم میں اپنا مقام واضح کر چکے تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ آپ اکثر اوقات بریلی میں کئی کئی روز تک قیام فرماتے تھے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اکثر ہندوؤں، سدھیوں اور بدمذہبوں سے مناظرے کیلئے آپ کو بھیجا کرتے تھے۔ آپ کے مشورے اور ایما پر جہاں بڑے بڑے علماء و فضلاء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی ان میں حضرت علامہ السید شاہ دیدار علی الوری شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور بھی تھے۔

---

(۱) روئیداد جامعہ نعیمیہ مرادآباد، 1950ء

اس روحانی سفر کا ذکر جمیل مولانا صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہٗ لاہور تحریر کرتے ہیں کہ:

حضرت مرجع الفقہاء والمحدثین مولانا شاہ سید محمد دیوار علی شاہ ابن سید نجف علی شاہ الوری جو ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی کتب مولانا قمر الدین الوری سے پڑھنے کے بعد درس نظامی کی بقیہ کتب مولانا مفتی ارشاد حسین رام پوری المتوفی ۱۳۱۱ھ اور مولانا مفتی محمد کرامت اللہ دہلوی المتوفی ۱۹۲۸ء سے پڑھیں اور علم حدیث کی تعلیم مولانا احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ علیہم الرحمۃ سے حاصل کی۔(۱)

تحصیل علوم باطنی:

ظاہری علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ آپ روحانی تشنگی کا بھی سامان جمع کرنے کی فکر سے کبھی غافل نہ رہے تھے۔ آپ ہمیشہ کاملین وقت کی تلاش میں رہے اور آپ کے دل و روح کی دھڑکنیں برملا یہ پکارتیں ہیں:

پڑھ لئے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

چنانچہ آپ ابتداً تلاش حق میں انبالہ پہنچے اور وہاں کی عظیم شخصیت حضرت سائیں توکل انبالوی علیہ الرحمۃ کی وجود مسعود کی بدولت مہبط انوار روحانی بنا ہوا تھا۔ ان کی محفل متبرک میں شریک ہو کر آپ نے اپنا دامن امید دراز کر دیا۔ حضرت شاہ انبالوی کی نگاہ کیمیا نے اس امیدوار کی جوہر علم کو روحانیت کی آبداری سے چمکا دیا۔ خلعت و شال عطا فرماتے ہوئے فرمایا۔

''تم گنج مرادآباد چلے جاؤ تمہارا حصہ وہاں تمہارے لیے چشم براہ ہے''۔ آپ دوبارہ گنج مراد پہنچے اور حضرت گنج مرادآبادی کی خدمت میں سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔

ع دانہ می چیدیم ہر جائیکہ خرمن یافتیم

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، ص 120، صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی

سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت، وخلعت فاخرہ سے نوازے گئے۔ پھر سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید شاہ ابو احمد المدعو محمد علی حسین الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی خلیفہ سیدنا آل رسول الاحمدی المارہروی (علیہ الرحمۃ) المتوفی ۱۳۵۵ھ سے علم وکمال حاصل کیے۔ لیکن دل کو تشفی نہ ہوئی۔

نگاہِ رضا......ایک ایمان افروز واقعہ:

آپ کے اس دور میں مرادآباد سے بھی علم وادب فقہ اور حدیث علم وعرفان کے چشمہ ابل رہے تھے۔ آپ یہاں پہنچے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ اس شہر میں آپ کے علمی اور حقیقی روحانی ساتھی بنے۔(۱)

آپ نے اعتقادی رہنمائی اور پختگی کے لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کا نہ صرف ذکر کیا بلکہ مولانا سید دیدار علی شاہ کو آپ سے ملاقات کی ترغیب دی تو آپ نے کہا:

''بھائی! مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے، پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت کے درشت ہیں''۔

اس کے باوجود حضرت صدر الافاضل ہی آپ کو اپنے ہمراہ بریلی لے گئے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت مولانا شاہ دیدار علی علیہ الرحمۃ نے ازرہِ ادب عرض کی۔

''حضرت مزاج کیسے ہیں؟''

اعلیٰ حضرت فرمانے لگے! بھائی کیا پوچھتے ہو؟ پٹھان ذات ہوں، مزاج کا درشت ہوں'' یہ جواب سنتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور معذرت پیش کر کے سر عقیدت جھکا دیا اور پھر اعلیٰ حضرت نے نگاہ شفقت سے اعتقادی درشتگی کا وہ رنگ بھر دیا کہ مولوی ظفر علی خان کا قلم بھی اس رنگ کو پھیکا نہ کر سکا۔(۲)

واضح رہے کہ مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نے مولانا سید دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمۃ کو جب انھوں نے لاہور میں مدرسہ حزب الاحناف قائم کیا تھا تو اس وقت محض اعتقادی اختلاف کی بناء پر

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور، ص 120، صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی (۲) ایضاً

آپ کے خلاف اپنے اخبار میں سوقیانہ نظمیں لکھتے رہے تھے۔ مولانا ظفر علی، حضرت مولانا دیدار علی اور دیگر علماء اہلسنّت کے خلاف اکثر و بیشتر ہجوگوئی سے کام لیتے اور اپنے اخبار میں چھاپتے رہتے تھے لیکن مولانا اس ہجوگوئی کا جواب اپنے راسخ الاعتقادی سے دیتے رہے اور کچھ عرصے بعد ہی مولانا ظفر علی خان کا اخبار تو بند ہوگیا مگر مولانا سید دیدار علی کا لگایا ہوا پودا ''دارالعلوم حزب الاحناف' لاہور آج بھی دین کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے نہ صرف آپ کو خلافت و خلعت رضویہ فکریہ سے مزین کیا بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری الوری علیہ الرحمۃ کو بھی سند خلافت کے ساتھ تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ آپ نے اعلیٰ حضرت سے یہ سند ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۶ء میں حاصل کی اور کئی سال تک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں فتویٰ نویسی کے علاوہ علم التصوف والاخلاق وعلم المناظرہ کا درس لیتے رہے تھے۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد اول حسنی پریس بریلی سے آپ ہی کی سرپرستی میں شائع ہوئی۔

آپ اور آپ کے والد ماجد ۱۹۲۳ء میں لاہور آگئے اور یہاں ۵۰ سال تک لاہور اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ متعدد بالخصوص تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور دیگر تحاریک دینیہ و سیاسیہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ آپ کا وصال ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۰ء لاہور میں ہوا اور مدرسہ حزب الاحناف کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

فاضل بریلوی کا سفر آخرت اور صدر الافاضل

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ ؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ دن ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر ایک طرف حی علی الفلاح کی آواز سنی، ادھر روح فتوح نے داعی الی اللہ لبیک کہا۔ حضرت علامہ الحاج حسنین رضا خان بریلوی ابن حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی خلیفہ اعلیٰ حضرت اور شاگرد بھی اس وقت بہ نفس نفیس اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ تحریر کرتے ہیں کہ:

آپ نے دنیا سے روانگی کے وقت وصیت نامہ تحریر کرایا۔ پھر اس پر خود عمل کرایا، اپنے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان بریلوی سے کہا کہ وضو کر آؤ اور قرآن عظیم لاؤ۔ پھر برادرم مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی سے ارشاد فرمایا کہ سورہ یٰسین شریف اور سورۃ الرعد شریف کی تلاوت کرو۔ حسب الحکم دونوں سورتیں پڑھی گئیں۔ آپ نے دونوں سورتوں کی تلاوت سنی اور اپنی زبان سے اعادہ کرتے رہے۔ پھر کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پورا پڑھا، ادھر ہونٹوں کی حرکت و ذکر کا ختم ہونا تھا کہ آپ کے چہرہ مبارکہ پر ایک لمحہ نور کا چمکا جس میں جنبش تھی، جس طرح آئینہ میں لمعانِ خورشید جنبش کرتا ہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی وہ جانِ نور جسم اطہر اعلیٰ حضرت البرکت سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۱)

غسل شریف اور تدفین:

اس وقت سینکڑوں لوگ علماء کرام، مشائخ عظام، سادات عظام اور حفاظ موجود تھے۔ جناب مولانا الحاج سید اظہر علی صاحب نے لحد کھودی۔ حسبِ وصیت حضرت صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے غسل دیا جب کہ حضرت مولانا حافظ سید امیر حسن مرادآبادی نے مدد دی۔

اس وقت حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا محمد رضا خان بریلوی، مولانا حسنین رضا خان بریلوی، مولانا سید محمود جان جودھپوری اور دیگر علماء ربانی وغیرہ مدد دینے میں مصروف تھے۔ جب کہ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی وقت غسل کی دعائیں پڑھاتے رہے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے مواضع سجود پر کافور لگایا۔

اور حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے کفن شریف بچھایا۔ الغرض غسل و تکفین سے فراغت کے بعد خواتین اہل خانہ کو زیارت کا موقع دیا گیا۔ جنازے کو کاندھا دینے کی آرزو میں وجد شوق نے لوگوں کو از حد خود رفتہ و بے خود بنا دیا تھا۔ ہر شخص یہی خواہش رکھتا تھا کہ یہ

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنّت، ص 250، مولفہ محمود احمد قادری، لاہور

امام اہلسنّت مجدد اعظم کا یہ آخری جلوس ہے لاؤ نظارہ کرلیں۔ الغرض تدفین کے بعد بھی حضرت صدر الافاضل بریلی میں کئی دن تک مقیم رہے۔ (۱)

صدر الافاضل پر اعلیٰ حضرت کا اعتماد کامل:

ماہنامہ ''ضیاء حرم'' لاہور ۱۹۷۴ء کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو آپ پر بے حد اعتماد تھا جہاں کہیں بھی مناظرہ ہوتا۔ آپ حضرت صدر الافاضل کو بھیج دیتے تھے، چوں کہ صدر الافاضل کو فن مناظرہ میں خاصا عبور حاصل تھا، عیسائی آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین کو تو آپ نے بارہا شکست فاش دی اور ہر میدان میں بفضلِ خدا فتح ونصرت نے ان کے قدم چومے، آپ میں اپنے مدمقابل کو لاجواب کردینے کی اچھی صلاحیت تھی۔

ایک پنڈت سے مناظرہ:

آپ کے دور طالب علمی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک آریہ نے دوران مناظرہ اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا بھی متبنّیٰ بیٹا ہی ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا یہ کیونکر جائز تھا؟ آپ نے ہر چند دلائل عقلیہ سے ثابت کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، مگر وہ پنڈت نہ مانا، آپ نے فرمایا تم ابھی مان جاؤ گے۔ چنانچہ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پنڈت میرا بیٹا ہے اور چوں کہ یہ میرا بیٹا ہے لہٰذا اسی کے قول کے مطابق یہ میرا حقیقی بیٹا بن گیا اور حقیقی بیٹے کی بیوی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے تو ان پنڈت جی کی ماں مجھ پر حلال ہوگئی۔

پنڈت یہ جواب سن کر چلا اٹھا کہ تم مجھے گالی دیتے ہو؟ حضرت صدر الافاضل نے فرمایا کہ اب تو ثابت ہوگیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوا کرتا۔ پنڈت کہنے لگا کہ پہلے تمہارا مولوی یعنی مولوی قدرت اللہ مدرس شاہی مسجد مرادآباد چلا گیا تھا اور اب میں چلتا ہوں۔

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنّت، ص 251، مولفہ محمود احمد قادری، لاہور

اللہ تعالیٰ نے صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کو علم مناظرہ میں ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ تمام کفار، ہندو بے دینوں سے مناظرہ کیے اور غالب رہے، آپ کے طالب علمی کا ہی دوسرا واقعہ ہے۔ مرادآباد کے محلّہ گل مشہد میں قبرستان کے قریب ایک آریہ رہتا تھا اور جو شخص فاتحہ پڑھنے جاتا اس سے بلا کر کہتا کہ روح تو کسی دوسرے جسم میں داخل ہوگئی۔ بے کار فاتحہ پڑھتے ہو، اس کا کوئی فائدہ نہیں، یہ جاہل مسلمانوں کو بہکاتا، حاجی محمد اشرف جو حضرت صدرالافاضل کے معتقدین میں سے ہیں، انھوں نے آکر عرض حال بیان کیا۔ اس آریہ نے آئندہ صدرالافاضل سے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا۔ حضرت صدرالافاضل اسی روز اس کے یہاں پہنچے اور کہا کہ وہی تقریر میرے سامنے بھی کرو جو تم نے پہلے کی تھی۔ اس نے جیسے ہی تقریر کا آغاز کیا۔ صدرالافاضل نے روح کے متعلق اس سے کئی سوالات کیے اور دو دلیلیں قائم کر کے تناسخ ارواح کے باطل ہونے پر کئی دلائل پیش کیے۔ اور وہ آریہ لاجواب ہو کر کہنے لگا کہ اب میں آئندہ کسی کو فاتحہ پڑھنے سے نہیں روکوں گا۔ اب میری تسلی ہوگئی۔

ایک اور پنڈت سے مناظرہ:

دہلی میں ایک خوش آواز رام چندر نامی آریا رہتا تھا اور بہت ہی دریدہ دین واقع ہوا تھا۔ بریلی میں آکر سارے شہر کے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج کرتا تھا۔ ایک روز مسلمانوں نے اس کا چیلنج قبول کرلیا اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی کو آگاہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے حوالے سے مرادآباد حضرت مولانا نعیم الدین کو تار دو تار کسی قدر تاخیر سے مرادآباد پہنچا اور صبح کو صدرالافاضل بریلی نہ پہنچ سکے تو حضرت حجۃ الاسلام نے حضرت مولانا ظہورالحسن صاحب رام پوری کو جو ایک بڑے جلیل القدر عالم دین و مناظر تھے۔ مناظرہ کے لیے پیش کردیا۔ بس کیا تھا رام چندر سے روح و مادہ کے حوالے سے گفتگو جاری تھی۔ عوام کا سمندر تھا جو دونوں طرف آوازیں لگا رہا تھا۔ اسی اثناء میں اعلان ہوا کہ مرادآباد سے حضرت صدرالافاضل آگئے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل نے جلسہ گاہ میں پہنچتے ہی حضرت حجۃ الاسلام سے فرمایا کہ اگر میں کلام شروع

کرتا ہوں تو آریہ یہ کہے گا کہ آپ کے مولوی صاحب ہار گئے، اسی لیے تو دوسرے مولوی صاحب کو کھڑا کیا گیا ہے۔لہٰذا آپ صدر جلسہ ہیں اعلان کر دیجئے کہ گرمی کا وقت ہے صبح کے گیارہ بجے ہیں، باقی بحث رات کو ہوگی۔ حضرت حجۃ الاسلام نے اعلان فرمایا کہ سب لوگ اور دونوں مناظر بھی صرف دو منٹ کے لیے ٹھہر جائیں۔ میں مجمع کو بتادوں کہ پنڈت جی اور مولانا صاحب کی گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟ چنانچہ سب ہی لوگ ٹھہر گئے۔اب صدرالافاضل نے رام چندر سے فرمایا کہ پنڈت جی آپ یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی وحیوانی ایک ہے،صرف نوعیت کا فرق ہے، پنڈت جی نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کہ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ فقط صورت ہی کا فرق نہیں بلکہ روئے حیوانی اور روح انسانی میں بہت فرق ہے۔ مولانا ظہور الحسن رام پوری نے فرمایا کہ صحیح ہے۔صدرالافاضل نے مجمع سے دریافت کیا۔ آپ لوگ کچھ سمجھے؟ مجمع نے کہا کچھ نہیں،صدرالافاضل نے کہا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ آدمی اور گدھے میں روحانی کچھ فرق نہیں گدھا اور آدمی ایک ہیں۔ فقط صورت میں فرق ہے۔تمہارے سامنے انھوں نے اقرار کیا کہ روح حیوانی اور انسانی ایک ہے۔ یہ سن کر تمام مجمع قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ پنڈت جی اور گدھے میں فقط صورت کا فرق ہے ورنہ دونوں ہی ایک ہیں اور مجمع عام سے آواز آنے لگی کہ اللہ صدرالافاضل کو زندہ وسلامت رکھے،جنھوں نے دو لفظوں میں ہی سارے مناظرے کا نچوڑ ہمیں سنا دیا۔ یہ جلسہ کامیابی سے ختم ہوا اور رام چندر کو بھاگنا پڑا۔

صدرالافاضل کے اوصاف...... بزبان ڈاکٹر محمد مسعود احمد:

عصر حاضر کے جلیل القدر محقق و مدقق اور کتب کثیرہ کے مصنف و مرتب ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ میں اپنی نوعمری میں کئی بار حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ آپ تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ اس سلسلہ میں آپ نے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ کامیاب مناظرے فرمائے۔ آپ نے اپنے رسالہ ''السواد الاعظم'' میں بھی ان کا مدلل رد کیا۔ پنڈت رام چندر کے علاوہ دیانند سرسوتی اور دیانند سرسوتی کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے اسلام پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات دیئے۔ مگر

تحریر وتقریر میں کسی مقام پر بھی تہذیب وشائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء کے درمیان شدھی کی تحریک چلی تو اس کی مدافعت کیلئے صدر الافاضل نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ابتداء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی قائم کی، جس کے تحت اس فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا گیا۔ صدر الافاضل نے آگرہ کو اپنا ہیڈ کواٹر بنایا اور بالآخر پنڈت شردھانند کے اس فتنے کا خاتمہ کیا۔

آپ مزید کہتے ہیں کہ مجھے صدر الافاضل کی کئی مرتبہ تقاریر سننے کا اتفاق ہوا۔ آپ ۱۹۳۴ء سے قبل جامع مسجد فتح پوری دہلی کی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲/ربیع الاول کی شب کو ہر سال خصوصی خطاب فرمایا کرتے تھے۔ اس محفل کے بانی میرے والد ماجد حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۶۶ء) ہوا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ حضرت صدر الافاضل اور آپ کے درمیان نہایت ہی برادرانہ ومخلصانہ تعلقات تھے اور انہی تعلقات کی بناء پر آپ ہی ۱۲/ربیع الاول کی شب مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (۱)

---

(۱) السواد اعظم اور تحریک آزادی ہند، ص 50، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی

حضرت صدرالافاضل کی ادبی وصحافتی خدمات

﴿باب دوم﴾

حضرت صدرالافاضل کی ادبی وصحافتی خدمات

آپ کی ایک اور اہم خصوصیت جو عام نگاہوں سے اوجھل ہے وہ یہ ہے کہ آپ ایک خوش فکر و خوش کلام شاعر و ادیب بھی تھے۔ یہ محتاج وضاحت نہیں کہ آپ کو شعر کا ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید معین الدین نزہتؔ مرادآباد کے بڑے پرگو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ (۱)

جہاں تک ''صدرالافاضل'' کی شاعرانہ دلچسپیوں اور کارگزاریوں کا تعلق ہے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی حیثیت آپ کے دیگر کارناموں کے تقابل میں ضمنی اور ثانوی تھا۔ آپ کی زندگی پاک کا اصل مقصد مشن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت کا پرچم بلند کرنا اور ان کے گستاخوں کی سرکوبی کرنا تھا...... اس لیے آپ تصنیفی وتحریکی سرگرمیوں میں زیادہ مصروف ومنہمک رہے اور شعر گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ''ریاضِ نعیم'' میں شامل آپ کا کلام جو مختلف اصناف وموضوعات پر ہے اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ اگر آپ نے تھوڑی سی توجہ اور فرمائی ہوتی تو آپ کی شاعرانہ عظمت کا کچھ اور ہی عالم ہوتا۔

''ریاضِ نعیم'' مرتبہ حضرت مولانا معین الدین نعیمی ایک ایسا حسین شعری گلدستہ ہے جس میں ہر رنگ وبو کے پھول موجود ہیں، حمد، نعت، منقبت، غزل اور مناجات وغیرہ۔ بظاہر یہ بہت مختصر شعری مجموعہ ہے جس میں صرف ایک حمد، ۱۷ نعتیں، (۱۵ اردو اور ۲ فارسی)، ۳ منقبت (۲ اردو اور ایک فارسی)، ۱۴ غزلیں (۱۲ اردو ۲ فارسی) ایک قطع اور کچھ مخمس اور تضمین ہیں۔

مجموعہ کا آغاز خدائے پاک کی حمد سے ہوتا ہے۔ اس میں حضرت صدرالافاضل نے خدائے قدیر کی عظمت وتقدیس بیان کرتے ہوئے اس کی تمام صفتوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک ایک لفظ سے

---

(۱) ازمقالہ پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، بہار یونیورسٹی انڈیا، مطبوعہ کراچی 1999ء

کمالِ عبودیت اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ پیرایہ زبان میں بڑی پاکیزگی، طہارت اور نفاست ہے۔ عربی وفارسی کے بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرنے کے بجائے روزمرہ کی ٹکسالی زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ہندی کے آسان عام فہم اور خوبصورت الفاظ بھی آپ نے بڑی چابکدستی سے موتی کی طرح پروئے ہیں۔اس لیے سادگی زبان اور پاکیزگی بیان دونوں کا حسین امتزاج یہاں نظر آتا ہے۔ردیف میں ''میرا مولیٰ'' کی تکرار حرفِ میم پاک کی حلاوت وشیرینی سے زبان کو طراوت بخشتی ہے۔مثلاً حسب ذیل تین اشعار ملاحظہ ہوں:

سب کا پیدا کرنے والا میرا مولیٰ میرا مولے
سب سے افضل سب سے اعلیٰ میرا مولیٰ میرا مولے

جگ کا خالق، سب کا مال، وہ ہی باقی مالک
سچا مالک، سچا آقا، میرا مولیٰ میرا مولے
رازق داتا پالن ہارا، میرا مولیٰ میرا مولے (۱)

جہاں تک ان کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے وہ عشق و وارفتگی کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جو ہماری مسرت وبصیرت میں خوبصورت اضافے کرتا ہے اس میں خلوص کی خوشبو بھی ہے اور عقیدت کی روشنی بھی، ایمان کی لذت وحلاوت بھی ہے اور بیان کی نفاست و پاکیزگی بھی، یعنی ایک حیات آفریں اور روح پرور فضا نے ان کی نعتوں کو دلکشی ورعنائی کا مرقع بنا دیا ہے۔انھوں نے نعتیہ شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے بلکہ جذبۂ بے اختیار شوق کے تحت کی ہے۔مثال کے طور پر ان کی ایک نعت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

شبِ غم بھی آخر بسر ہو گئی
تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

مرے دردِ دل کی خبر ہو گئی
جو چشم کرامت ادھر ہو گئی

(۱) حوالہ بالا صفحہ نمبر 25

مدینہ کا دیدار مشکل نہیں
نگاہِ عنایت اگر ہو گئی

دیارِ نبی میں گزر ہو گئی
یہ تقدیر کس اوج پر ہو گئی

مواجہ میں عرضِ صلوٰۃ و سلام
مری آبرو اس قدر ہو گئی

ان اشعار میں عقیدت کی فراوانی تو ہے ہی آسان اور سادہ الفاظ نے حد درجہ دلکشی پیدا کر دی ہے۔ الفاظ و خیالات میں اک سیل سبک کی کیفیت نظر آتی ہے۔ اسلوب میں روانی، برجستگی اور حیرت انگیز تسلسل کا احساس ہوتا ہے۔ پوری نعت بحر متقارب میں کہی گئی ہے جس سے اس کی نغمگی و ترنم دوبالا ہے۔

نعتیہ شاعری کا ایک اہم موضوع حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ پاک کی زیارت کی آرزو اور اشتیاق ہے۔ میرے خیال میں کوئی ایسا مداحِ رسول نہیں جس نے اس نفیس موضوع پر ایک دو اشعار نہیں کہے ہوں، حضرت صدر الافاضل جیسا عاشقِ رسول بھلا کیسے اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتا؟ دیکھئے ایک عاشق صادق زیارتِ محبوب کے لیے کس طرح مچل رہا ہے؟

چہرہ پاک سے نقاب آپ ذرا اٹھائیں تو
حسن خدا نما کی شان، شان خدا دکھائیں تو

کشتہ عشق سیدی آپ کے نام پر مرے
جلوہ انھیں دکھایئے آپ اگر جلائیں تو

کرنے کو جان و دل فدا روضۂ پاک پر شہا
پہنچے نعیم بے نوا آپ اگر بلائیں تو

طلبِ صادق تھی اس لیے واقعی آقائے دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے نعیم کو اپنے روضۂ پاک

پر بلا کراں کی شفاعت اپنے ذمے کر لی:

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

قرآن و حدیث سے ہمیں جو عقیدہ ملا ہے اس کے مطابق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے اور ساری کائنات کے ملجا و ماویٰ ہیں۔ وہی جانِ ایمان اور مدارِ نجات ہیں۔ ان کے آستانہ کرم سے دور رہنے والے کے لیے نہ کہیں مفر ہے نہ مقر، اس لیے حضرت ''صدر الافاضل'' ایمان و عقیدت کی توانائی کے ساتھ فرماتے ہیں:

درد و الم کے مبتلا، جن کی کہیں نہ ہو دوا
دیکھیں وہ شانِ کبریا آپ کے در پہ آئیں تو

بد ہیں اگر چہ ہم، حضور آپ کے ہیں مگر ضرور
سامنے کس کے سر جھکائیں؟ آپ ہمیں بتائیں تو

آخری شعر کے دوسرے مصرعہ میں ''آپ ہمیں بتائیں تو'' لب و لہجہ کی شائستگی و شستگی برجستگی و اثر آفرینی پر دال ہے یقین کی کیفیت عقیدت کی پختگی عشق کا والہانہ دین اور اظہار کی بے ساختگی نمایاں ہے۔ عشق صادق کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ اس کی منزل و قیام گاہ، در و دیوار، گنبد و مینار، گلی کوچے بلکہ اس کے ذرے ذرے سے عقیدت و محبت آشکار ہو، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

فی مذهبی حب الدیار لا هلها
و للناس مما یعشقون مذاهب

ترجمہ: ''میرے مذہب میں دیار سے محبت کرنا صاحبِ دیار کی وجہ سے ہے اور عشق میں لوگوں کے الگ الگ مذہب ہوا کرتے ہیں۔

چناں چہ حضرت صدر الافاضل نے جلوہ گاہ محبوب مدینہ طیبہ اس کے اطراف و اکناف صحرا و گلزار اور خاک و ذرات سے بھی گہری عقیدت کا اظہار فرمایا ہے، وہ اس ارض مقدس کی ہواؤں کو صحت بخش ہی نہیں زندگی بخش قرار دیتے ہیں۔ وہاں کے چمن کی بہار تو جانِ بہار ہے، صحرائے مدینہ کی ہواؤں میں اتنی قوتِ نمو و

تاثیر ہے کہ اس سے دل کی مرجھائی ہوئی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں۔

آپ کس سرشاری و وارفتگی سے فرماتے ہیں:

اے بہارِ زندگی بخش مدینہ مرحبا
اے فضائے جانفزائے باغِ طیبہ مرحبا

غنچہ پژمردۂ دل کو شگفتہ کر دیا
مرحبا اے باد صحرائے مدینہ مرحبا

سرمۂ نور بسر ہو آ کے میری آنکھ میں
مرحبا صد مرحبا اے خاکِ بطحا مرحبا

ایمان تو یہ ہے کہ جس طرح ذکرِ الٰہی سے دلوں کو اطمینان اور چین نصیب ہوتا ہے اسی طرح یادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی روح افزا ہوتی ہے کہ عاشقِ صادق سانس لیتا ہے تو جنت کی ہوا آتی ہے اور قلب فرحت انبساط سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صدرالافاضل نے کیا خوب کہا ہے:

کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو تمہارا نام لینے سے
محمد مصطفیٰ تم ہو، حبیب دو جہاں تم ہو

حضرت صدرالافاضل کی نعتوں میں ایک واضح فکری عنصر یہ نظر آتا ہے کہ آپ عالمِ اسلام کے آلام و اضطراب اور باہمی نفاق و انتشار کو دیکھ کر حد درجہ دل شکستہ اور محزون ہیں۔ مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ اور ان کا وقار مجروح دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور خاص طور پر اخوتِ اسلامی کا پیرہن تار تار دیکھ کر وہ بے حد مضطرب ہیں۔ چناں چہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں استغاثہ فرماتے ہیں:

اب کیجیے ایسا کرم، ہو دین کا اونچا علم
کفار کی گردن ہو خم، ان کے مٹے نام و نشان

اسلام کی لیجیے خبر اور کفر کو پہنچے ضرر
کفار ہوں زیر و زبر، سب بھول جائیں مستیاں

مسلم کو پھر شوکت ملے، اسلام کو قوت ملے

بد خواہ کو ذلت ملے، اے دینِ حق کے پاسباں

مسلم ہوں باہم متحد، بھائی کا بھائی ہو مُمِدُ

مٹ جائے سب آپس کی ضد، رشک وحسد سے ہواماں

مذہبی شاعری کے بارے میں ایک عام خیال یہ ہے کہ وہاں فکر بلند تو ملتی ہے لیکن فنِ لطیف کی کمی شدت سے کھٹکتی ہے یعنی شاعری فکر منظوم کا نمونہ بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط تو نہیں ہے لیکن اردو کے نعت گوشاعروں میں کم از کم حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضرت محسن کاکوروی، علامہ حسن بریلوی پر اس کا انطباق ہرگز نہیں ہوتا اور حضرت صدر الافاضل نے بھی اپنے اکثر اشعار میں شعری لطافت قائم رکھنے میں حیرت انگیز فن کارانہ مہارت دکھائی ہے۔ بطور مثال یہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں:

سراپا نور ہیں وہ نورِ حق نور علی نور

کمشکوۃِ ہے شان ان کی انھیں کیا واسطہ ظل سے

بفضل اللہ نابینا نہیں ہوں کیسے نسبت دوں

کفِ پائے حبیب حق کو روئے ماہِ کامل سے

☆

دیکھئے وہ عارض اور وہ زلف مشکیں دیکھئے

صبحِ روشن دیکھئے، شامِ غریباں دیکھئے

جلوہ فرما ہیں جبین پاک میں آیات حق

مصحفِ رخ دیکھئے، تفسیر قراں دیکھئے

☆

تمنائیں مچلتی ہوں عطائیں لطف کرتی ہوں

دعاؤں کی اجابت کر رہی ہو ناز برداری

''ریاضِ نعیم'' میں حضرت صدر الافاضل کی تین منقبتیں بھی ملتی ہیں۔ ایک امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی شان میں، دوسری حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں اور تیسری شبیہ غوثِ اعظم حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی رحمتہ علیہ کی شان میں (یہ بزبان فارسی ہے) تینوں منقبتیں عقیدت واحترام کے بے پایاں جذبات سے لبریز ہیں لیکن میں یہاں حضرت علی اکبر کی منقبت کے کچھ اشعار پیش کروں گی کہ ان میں شعریت اپنے عروج پر ہے اور فکر کی قامت پر فن کی قبا بالکل چست و درست نظر آتی ہے۔ یوں کہئے'' آبگینہ تندئی صہبا سے پگھلا جائے'' ہے۔ سراپا نگاری کا ایسا حسین و مصور نمونہ انیس جیسے مسلم الثبوت اساتذہ کے یہاں ہی ممکن ہے:

صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لا جواب
گیسو تھے مشک ناب، تو چہرہ تھا آفتاب

چہرہ سے شاہزادہ کے اٹھا ہی تھا نقاب
مہر سپہر ہوگیا خجلت سے آب آب

کا کل کی شام، رخ کی سحر، موسمِ شباب
سنبل نثار شام فدائے سحر گلاب

شہزادہ جلیل علی اکبر جمیل
بستان حسن میں گل خوش منظر شباب

پالا تھا اہل بیت نے آغوشِ ناز میں
شرمندہ اس کی ناز کی سے شیشۂ حباب

خورشید جلوہ گر ہوا پشت سمبذ پر
یا ہاشمی جو ان کے رخ سے اٹھا نقاب

صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواب
جرأت نے باگ تھامی شجاعت نے لی رکاب

یہ رواں دواں انداز، یہ زور بیان، تشبیہات کی تازگی، استعاروں کی ندرت، شاعر کا مقام و مرتبہ صف اول میں محفوظ کر لی جائے۔

اس منقبت میں ۲۱ اشعار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست کا حامل ہے۔ حضرت صدر الافاضل نے ایک نظم قاتلانِ اہل بیت کی مذمت میں بھی کہی ہے اس میں جذبات کا سیدھا سادہ بیان اور عبرت کی کھلی تصویر ہے۔

اے ابن سعد رے کی حکومت تو کیا ملی
ظلم و جفا کی جلد ہی تجھ کو سزا ملی

اے شمر نابکار شہیدوں کے خون کی
کیسی سزا تجھے ابھی اے نا سزا ملی

دنیا پرستو دین سے منہ موڑ کر تمہیں
دنیا ملی نہ عیش و طرف کی ہوا ملی

''ریاضِ نعیم'' میں تقریباً ۱۶ غزلیں ہیں۔ صنف غزل جس رندی اور بوالہوسی کے لیے بدنام ہے۔ حضرت صدر الافاضل کی غزلوں کا ان سے دور کا بھی لگاؤ نہیں۔ یہاں عروسِ غزل نامحرم نہیں بلکہ محرم بن کر ان کے حریم فکر میں آتی ہے اور نہایت ادب سے ان کی قلم بوس ہے۔ ان کی غزلیں ہوں یا ان کی فارسی شاعری (جو نعت و غزل اور منقبت پر مشتمل ہے) دونوں علیحدہ اور مستقل مطالعے اور مقالے کی متقاضی ہے۔

صنفِ غزل معنوی طور پر جس شاہد بازی اور کنگھی چوٹی کے لیے مطعون ہے اس کا ''ریاضِ نعیم'' کی غزلوں میں دور دور تک سایہ نہیں۔ پاکیزہ تغزل فکر کی طہارت جذبات کی تہذیب صنف غزل کی نزاکت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ (۱)

---

(۱) مجلّہ معارف رضا کراچی، 1999ء

(ب)

صدرالافاضل اور صحافتی خدمات

حضرت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمۃ) اپنے خیالات وافکار دوسروں تک پہنچانے کے لیے صحافتی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لیے انھوں نے ۱۹۰۵ء میں بریلی سے بنام ''الرضا'' ایک ماہنامہ بھی جاری فرمایا تھا اور ابتداء میں اس رسالے کے لیے مضامین اور دیگر کام خود ہی انجام دیتے تھے، لیکن درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء کے علاوہ دیگر کثرت اعمال کی وجہ سے آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی حجۃ الاسلام حامد رضا بریلوی کو اس رسالے کی ذمہ داری سپرد فرمادی تھی۔

حضرت صدرالافاضل (علیہ الرحمۃ) نے اس محاذ کو مزید طاقت ور بنانے کے لیے ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد سے بھی ایک ماہنامہ بنام ''السوادالاعظم'' کا اجراء فرمایا تاکہ مخالفین اسلام بالخصوص وہابیوں انگریزوں اور ہندوؤں کا صحافتی پلیٹ فارم سے بھی بھرپور اور مدلل جواب دیا جاسکے اور آپ نے اس ماہنامہ کے ذریعے اپنے مشن کو بھرپور طریقہ سے جاری وساری بھی رکھا۔ (۱)

چنانچہ ماہنامہ ''سوادالاعظم'' کے مختلف شماروں کے بعض مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا اسلام اور مسلمانوں سے کس قدر گہرا لگاؤ اور تعلق تھا؟ اور مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لیے آپ کتنا درد رکھتے تھے؟ اور ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے اہلسنت و جماعت کے اتحاد کو آپس کس قدر اہم اور ضروری سمجھتے تھے؟ اور آپ فکر رضا کو فروغ دینے کے لیے کس قدر بے چین رہا کرتے تھے؟ اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار اپنے ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ آپ نے اس ماہنامہ کے ذریعہ دوقومی نظریہ کی بھرپور حمایت کی اور ہندوؤں کی عیاریوں کا خوب پردہ

---

(۱) ماہنامہ السوادالاعظم، مرادآباد، 1930ء

چاک کیا۔ آپ ''نعرہ حق'' کے عنوان سے ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ ''سوادالاعظم'' میں مذہب اسلام کے ساتھ عقیدت و محبت کے حوالے سے ایک ادارتی مضمون میں لکھتے ہیں:

''اسلام اے پیارے اسلام! اے دل کے نگیں، کشور بدن کے سلطان'' تجھ پر دل فدا، جان قربان۔ اے میری آنکھ کی ٹھنڈک، میرے آرام جاں، میرے دل کے چین، میرے درد کے درماں، اے میرے محسن، مہربان۔ میری کشتی کے محافظ و نگہبان، تو نے میری خستہ حالی میں دست گیری کی، جس مصیبت سے میرے عزیز و اقارب، دوست و احباب، مجھے نہیں بچا سکتے تھے، تو نے بچایا، جہاں میرا مال میری دولت، میرے اعضاء، میری قوت، میرے کام نہ آسکتے تھے تو کام آیا، میں بھٹکتا تھا تو نے راہ دکھائی، میں ڈرتا تھا تو نے میری کشتی پار لگائی، میں اندھیرے میں ٹکراتا پھر رہا تھا تو نے روشنی پھیلائی۔

اے حق کے آفتاب، تو نے ناحق رات کے کالے پردے چاک کر کے منہ نکالا۔ اے نور کے نیر اعظم تو نے ضلالت کی بھیانک تاریکیاں دور کر کے حق و ہدایت کا روز روشن رکھا، اے اندھوں کو بینائی دینے والے، تو نے بگڑی دنیا کو درست کیا، انسان کی کھوئی ہوئی استعدادیں پھر عنایت فرمائیں، میری زباں، تیری ثناء سے قاصر، میرا بیاں تیری مدح سے کوتاہ ہے، تیرے مرتبے کی بلندی، میرے ادراک کی رسائیت سے بہت اونچی ہے، میرے دل میں قرار بن کے رہ، میرے جسم میں جان بن کر جلوہ گر ہو، میرے قالب میں تیرے ہی احکام جاری ہوں اور میرے جوارح تیرے کارگزار میں مصروف رہیں۔

اے ظاہر و باطن کے حسن، اے زندگی کے مقصود، دنیا تیرے فیض سے آراستہ ہوئی، مسموم ہواؤں کو تو نے صاف کیا، زہریلے مواد کی تو نے اصلاح کی، امن و امان کی ہوائیں تو نے چلائیں، باطنی امراض اور خلقی بیماریاں تیرے دست شفا سے دور ہوئیں، تہذیب و تمدن کے پودوں نے تیری نسیم لطف سے تربیت پائی، خداشناسی کے انوار تو نے چمکائے، طہارت و پاکیزگی کے اصول تو نے جاری کیے، عدل و انصاف کی بنیاد تو نے مستحکم کیں، جذبات فاسدہ کے طوفان خیز سمندر میں تو نے

سکون پیدا کیا، حرص وہوا، شہوت وغضب کے دشمن انسانی درندوں سے تو نے نجات دلائی، مخلوق پرستی کی وبا کا تو نے علاج کیا، مسجدیں تیرے بدولت آباد ہوئیں، عبادت خانوں میں تیرے طفیل یاد الٰہی کے نعرے بلند ہوئے، خانقاہوں میں ذکر کی صدائیں تو نے بلند کرائیں، زاہدوں کے خلوت خانے زہد وریاضت کے برکات سے تو نے معمور کیے، ظلم وتعدی کے قلعے تو نے مسمار کیے، اسبیعت وبہمیت کی قیدوں سے تو نے رہائی دی، ملکی صفات تو نے رائج کیے، خاک نشینوں کو افلاک وطنوں پر تو نے فضیلت دی، ابلیسی حکومت کو تیری سطوت سے زوال ہوا، قلوب کا نور، بدن کا مصلح، خاندان کا منتظم، ملک وسلطنت کا عادل و دادگر تو ہے۔ جہاں تیرے فیض سے معمور ہے دنیا تیرے صدقے سے آباد ہے۔

آہ اے محسن! آج تو اعدا کے نرغے میں ہیں، بدنصیب قومیں محسن کشی پر آمادہ ہیں، بے دینی فریب کاری کی چالیں چل رہے ہیں، بے قیدی اور فسق وفجور کی تند وتیز باد خزاں، تیرے لہلہاتے چمن کو غارت کرنا چاہتی ہے، ضلالت وگمراہی کی بجلی تیرے خرمن صدق وصفا کی تاک میں ہے۔ اے مشفق ناصح، اے مہربان مصلح، تیرے پروردے ناسپاسی کر رہے ہیں، ہر بدعقل بد دماغ، تیرا دشمن ہو رہا ہے، دنیا اندھی ہو رہی ہے، سیاہ باطن نہیں دیکھتے تھے کہ ان پر تیرے کتنے احسان ہیں؟ اور تیرے وجود سے ان کو کس قدر فائدے؟ خدا نہ کرے تیرے ظل حمایت وسایہ کرم اٹھے تو وہ ہلاک ہو جائیں، تیری عداوت اپنی ہلاکت کی دعوت ہے۔ بدقسمت بدحواس ہو کر اپنے انجام سے غافل ہیں، اور تجھے ضرر پہنچانے کی تدبیروں میں رات دن سرگرم ہیں، چاروں طرف بدخواہی کی آندھیاں چل رہی ہیں اور تیرے قدموں سے اپنے سر ٹکرا رہی ہیں۔

اے بہادر! دشمن تو کبھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے، انھیں دشمنی کرتے صدیاں گزر گئیں، وہ تیری مخالفت کے جوش میں خود برباد ہو گئے، ان کے نام ونشان مٹ گئے اور تیری شوکت اور اقبال کا پرچم لہراتا رہا، اب پھر مخالفت کی گھٹائیں گھر کی آئیں ہیں، دشمنوں نے ہر طرف سے حملے شروع کیے ہیں، تمام قسم کے اسلحہ اور جنگی سامان سے لیس ہو کر دشمن گھاتیں لگے ہوئے ہیں، تیرے

بہادروں کی قربان، تیری پیشانی پر شکن نہیں، تو نے ان فوجوں کو خیال میں نہیں لاتا، مگر رنج وافسوس یہ ہے کہ آج خود تیرے لشکر میں بغاوت شروع ہوگئی ہے، تیری فوجیں دشمنوں سے ساز کرگئی ہیں، تیرے سپاہی غدار ہوگئے، موافقت کے لباس میں بدخواہیاں کرنے لگے، مسلمان کہنے والے اسلامی نام رکھنے والے، اسلام کے دعویدار اسلام کی بیخ کنی پر تل گئے، یہ سخت خطرہ کا وقت ہے۔(۱)

آپ ایک اور جگہ ''دعوت عمل'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہوئے علماء کرام ومشائخ کو بالخصوص اور مسلمانوں کو بالعموم، خواب غفلت سے بیدار کررہے ہیں اور علماء ومشائخ کو یہ بتارہے ہیں کہ انھیں سیاست حاضرہ میں کردار ادا کرنا کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

علماء کو اسمبلیوں میں جانا کیوں ضروری ہے؟

علماء دین و پیشوایان اسلام! اب قدم اٹھائیں۔ گوشہ تنہائی سے نکلیں، اس لیے نہیں کہ آپ کو جاہ ملے، منصب ملے، اس لیے نہیں کہ آپ حکومت کا مزہ حاصل کریں، فقط اس لیے کہ دین کی حفاظت ہو، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف پیش ہونے والی تجاویز کو روک سکیں اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرے سے محفوظ رکھ سکیں، جو قانون ایک دفعہ پاس ہوجاتا ہے پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔ اگر اسمبلی میں علماء کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ''ساردا کا قانون'' پاس نہ ہوسکتا تھا اور مسلمانوں کے ممبر پہلے روز بیدار کردیے جاتے۔ لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوشش کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں، طبقہ علماء کا سیاسیات اور ملکی نظم وضبط کی طرف سے اغماض کرنا، مسلمانوں کو بہت سخت ضرر پہنچتا ہے۔ اس وقت حکومت ہند ''گول میز کانفرنس'' اجلاس کررہی ہے۔ ہندوستان کے لیے دستورِ حکومت تجویز ہے، ہر فرقے کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں، سب نے اپنے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کرلیا ہے، ہر

---

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاول ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء

ایک اپنے اپنے مقاصد کا ایک ایک نقشہ نظر کے سامنے رکھتا ہے، لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہمارے طبقہ، علماء اہلسنت اور مشائخ، نے آج تک اس کی طرف التفات ہی نہیں کیا، جو جو مسودے تجویز ہوئے ان پر نہ نظر ڈالی اور نہ دیکھا کہ اسلام اور مسلمین پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفظ اور حرمت کے لیے کیا کیا امور ضروری ہیں؟ جن کا موجودہ تجویزوں میں اضافہ ہونا چاہیے اور کون کون سی چیزیں ہماری نظر میں قابل احتراز ہیں جن کی مدافعت لازم ہے؟ ہندوستان کا تمام طبقۂ علماء اس سرے سے اس سرے تک ساکت وخاموش ہے، انھوں نے اس پر نظر ہی نہیں ڈالی کہ کیا حیثیت دین سے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے؟ گذشتہ کو چھوڑیے خدارا آئندہ کے لیے ہی مستعد ہو جائیے اور جلد تر ایک نظر ڈالیے کہ دنیا کیا کر رہی ہے؟ اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے کیا تجویزیں درپیش ہیں ان کے کیا نتائج ہوں گے؟ ضروریات کا اقتضا کیا ہے؟ پہلے جو کچھ رائے ہو اس سے ایک اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں کو باخبر کیجیے، پچھلی غفلت قابل افسوس ہے، لیکن ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضے سے باہر ہو جائے گا، جس طرح ممکن ہے صورت حالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودہ تجاویز مرتب کی جائے اور خواہ جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعے سے اس پر دوسرے علماء کی رائیں حاصل کر کے ایک نقشۂ عمل مرتب فرمائیے اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دلانے کی ضرورت ہو انھیں زور کے ساتھ توجہ دلائیے یہ بھی دیکھیے کہ ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈوں میں یا کیا ہو رہا ہے؟ آپ کو جلد سے جلد مستعد ہو جانا چاہیے اور اگر سنی جمعیۃ العلماء اس طرح عمل میں آ گئی تو ان شاء اللہ العزیز اسلام اور مسلمین کی بہت بڑی حمایت ہو سکے گی۔

ستم ہے کہ جاہل عالم بن کر میدان میں آئیں اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکہ دیا جائے اور ان کی خود ستائی ونفس پرستی کو علماء کی رائے قرار دیا جائے اور علماء کا پورا طبقہ کا طبقہ ساکت وخاموش بیٹھا یہ سب کچھ نہ دیکھے، نہ اس کے منہ میں زبان ہو، نہ زبان میں حرکت، نہ ہاتھ میں قلم، نہ قلم میں جنبش، اب آپ کا یہ تقاعد زہد انکسار کی حد سے گزر کر غفلت وکسل کے دائرے میں آ گیا ہے اور اس اندازِ سکوت سے اسلام ومسلمانوں کو جو نقصان پہنچ رہا ہے شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں، اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجیے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر، ایک حلقہ میں درس دے کر یا خلوت خانہ میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر

نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور بدخواہِ اسلام تخریب کے لیے کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں؟ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے بروز حشر اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اٹھئے اٹھئے اور اپنے فرض کو ادا کیجیے۔

جب حقیقت کی نظر سے ہم ماہنامہ ''السواد الاعظم'' کے اس عنوان پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، حضرت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی کی طرح ایک بے مثال ادیب اور سیاسی سصیرت سے بہرور تھے اور ایسی سیاسی بصیرت ان کے معاصر مسلمان قائدین میں بھی ناپید تھی، ایسا لگتا ہے کہ آپ نے حال کے ساتھ ساتھ ماضی پر نظر رکھتے اور آپ ایک باخبر، باریک بین اور دوراندیش عالم دین وسیاست دان تھے۔ آئیے ماضی وحال کے تناظر میں ان کے ایک اور سیاسی تاثرات کا مختصر جائزہ لیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ ہندو مورخوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے ایسا بنا دیا جائے کہ پڑھنے والا نفرت کرنے لگے اور تابناک ماضی نہایت گھناؤنا نظر آنے لگے، اسی قسم کی ایک کوشش پنڈت ''شیام لال'' نے مختصر تاریخ اہل ہند مطبوعہ متھرا میں کی تھی جس کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل نے تاریخی حقائق وشواہد سے ہندو ذہنیت کا خوب آشکارا کیا اور ساتھ ہی تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا:

''دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالنے سے اسلام کے سوا اور کوئی مذہب ایسا نہیں معلوم ہوتا جو دریادلی سے انسانی عزت دے سکے، اسلام بے شک اپنے پیروؤں کو بے دریغ عزت دیتا ہے، قومی اور نسلی تفرقوں کو مٹا کر سچی یگانگت اور پر لطف کا مزہ اسلام ہی میں ملتا ہے، آج ایک شودر اسلام لا کر شیخ کا معزز لقب پا سکتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر بلکہ ایک پیالہ میں پانی پی اور کھانا کھا سکتا ہے۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج دیار ہند میں غریب الوطن اسلام کو کن مشکلات کا سامنا پڑا رہا ہے اور پردیس میں اس کو کیسی کیسی دشواریاں پیش آئیں ہیں؟ یہ غریب ہر طرف سے دشمنوں کے سفاکانہ حملوں کا نشانہ بن رہا ہے اس کو ہر فرقہ گروہ آزاد دینے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا ہے، جلسوں میں بازاروں

میں، پرچوں، رسالوں اخباروں، میں ہر طرح ہر وقت، بے موقع، بے محل اس پر بہتان اڑائے جاتے ہیں اور اس کی دل آزادی اور ایذا ارسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا، ایسے ایسے مذاہب جن کو تہذیب و متانت سے کوئی واسطہ نہیں آج اسلام کے منہ آ رہے ہیں۔

خار اور گل پہ ہنسے! وہ خدا کی قدرت
زاغ بلبل پہ ہنسے! واہ خدا کی قدرت!

ان زوال پذیر حالات میں اہلسنّت کی بے حسی کو دیکھ کر حضرت صدرالافاضل کو افسوس ہوتا تھا، چناں چہ انھوں نے بار بار اہلسنت کو بیدار کرنے کی کوشش فرمائی، اور دوسروں کی مثالیں دے دے کر انھیں غیرت دلائی، چنانچہ ایک جگہ ہمت افزائی کرتے ہوئے یہ تحریر فرماتے ہیں:

بیداری اہلسنّت اور صدرالافاضل:

پھر سب کے حملے اہلسنت پر ہی کیوں ہیں؟ کہ یہی بڑا گروہ ہے اس کے پاس عظیم سرمایہ ہے، اس وقت الحمدللہ مسلمانوں کے تمام تر فرقوں کے مجموعوں سے اہلسنت ہی تعداد میں زیادہ ہیں اور جو کوئی حملہ آور ہوتا ہے انھیں پر۔ مگر افسوس کہ اہلسنت کی آرام و راحت والی رات ابھی ختم نہیں ہوئی، ان کی صبح ابھی نہیں چمکی، ان کی قسمت کا ستارہ اب تک اوج پر نہیں آیا، یہ آج تک اسی غفلت میں ہیں۔ (۱)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بالکل صاف صاف عیاں اور ظاہر ہے کہ حضرت صدرالافاضل مسلمانوں کے عروج و زوال اور ہندوستان میں ان کی غفلت و بے حسی خصوصاً اہلسنت کی بے حسی کا شدید احساس رکھتے تھے اور وہ یہ مشن لے کر اٹھے تھے کہ ہمیں سواد اعظم یعنی اہلسنّت و جماعت کو ہر صورت جگانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔

آپ ایک مرتبہ علماء سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر آپ کا علوم دینیہ سے متعلق ہوگا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے جن کی طرف آپ رہنمائی کرتے ہیں جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس

---

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ

جائے گی تو آپ کے پسینہ کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرمادے گا، آپ کے افعال واعمال اور طریقۂ زندگی میں اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے۔

آپ شریعت طاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجیے، کسب معاش اور مصارف میں اس کی منشاء کے مطابق عمل کیجیے، پھر دیکھئے آپ کے مشکلات کیسے کافور ہوتے جاتے ہیں؟ اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا ارتباط ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آجائے۔

حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہا محض نظری نہیں بلکہ میری عملی زندگی سے اس کا پورا پورا تعلق ہے۔

ماہنامہ السواد الاعظم سے یہاں ایک دو مزید مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ دین دار طبقہ دنیاداری کے مقابلے میں کتنا مخلص تھا؟

''ساردا بل'' پیش ہوا تو علماء حق نے اس کی شدید تر مخالفت فرمائی تھی، اس پر خواجہ حسن نظامی نے طنزاً کہا تھا کہ خود غرض ''ملا'' لالچی اس قانون کی مخالفت کرتے ہیں اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ اس پر حضرت صدر الافاضل نے اس طنز کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ علماء کے طرز عمل سے آپ اس قدر ناواقف کیوں ہیں؟ آپ کو خبر نہیں کہ مسائل بتانے اور فتوے لکھنے پر علماء دین کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

غریب سے غریب نادار سے نادار عالم بھی یہ حمایت اپنے دل میں رکھتا ہے کہ عمر بھر مسائل بتاتا ہے، فتوے لکھتا ہے اور کبھی معاوضہ طلب کرنے کا وہم بھی اس کے دل میں نہیں آتا۔

خواجہ صاحب!

دین داروں کے اخلاص کا عالم آپ دیکھ چکے، اب دنیاداروں کی خود غرضیوں کا بھی تو عالم دیکھئے انتخابات کے وقت ان حضرات کی وارفتگی وسراسیمگی قابل دیدنی ہوتی ہے۔

ملت کیلئے، قوم کیلئے، اپنے اعزہ واقارب کے لیے، اس کا ہزاروں درجہ بھی محنت کوشش نہ ہوگی جو ووٹ حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے، ہر شخص کی خوشامد ہے، سفارشیں لائی جارہی ہیں، روپے صرف کر

رہے ہیں، رات دن دوڑے پھر رہے ہیں، مقابل اگر کوئی دوست ہے تو پاس دستی نہیں، اگر کوئی عزیز ہے تو پروائے قربت نہیں، خانہ مروت کو پہلے ہی آگ لگا دی جاتی ہے، اس بات پر نظر نہیں کہ دوسرا مجھ سے زیادہ لائق ہے، زیادہ تجربہ کار ہے، کام کا زیادہ اہل ہے، قوم کو اس سے نفع پہنچنے کی امید ہے، اس لیے اس کے واسطے جگہ خالی کردیں یہ کہاں؟...... پمفلٹ بازی ہوتی ہے اور واقعی اور غیر واقعی مصائب کے طور پر مارشائع کے ایک عزت دار آدمی کو مطعون کیا جاتا ہے، حرص جاہ کا یہ جوش راست سازی وراست پسندی اور انسانی شرافت کو فنا کردیتا ہے اور آدمی دوسروں کی خوبیوں سے دیدہ دانستہ منکر ہوکر خودستائی کرتا پھرتا ہے، کرایہ کے مداح تلاش کیے جاتے ہیں اور طبقہ علماء کی نسبت تو انھوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ سیاسیات سے محض نابلد ہوتے ہیں اور ان کو نظم ونسق کے کسی کام میں دخل دینا بھی نہ چاہیے یہ بھی اس جذبہ حرص وجاہ اور شوق جاہ کا ایک چٹکلا ہے کہ علم وفضل والا طبقہ اگر اس طرف متوجہ ہوگیا تو بہت سی نشستیں لے جائے گا اور یار لوگوں کے لیے کرسیاں کم رہ جائیں گی، طبقہ علماء میں جو علمی وحقائق کو حل کرنے میں مشاق اور جس کا دماغ بہترین معلومات سے روشن ہو رہا ہے اگر وہ دنیاوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے تو بے کوفت وکلفت ان سے بدر جہاں بہتر کام انجام دے سکتا ہے، مگر وہ طبقہ انکسار، تواضع وایثار کا عادی ہے، خودنمائی اور جاہ طلبی سے متنفرہ، اس لیے کبھی اس میدان میں قدم نہیں رکھتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ملکی قیادت کا اہل نہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس میں صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) نے اہل ظاہر یعنی دنیادار اور اہل باطن یعنی علماء کے سیاسی طرز عمل کو کسی امور خانہ دیانت داری اور حقیقت پسندانہ انداز میں بیان فرمایا ہے اور نظامی صاحب کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ واضح رہے کہ ہر دور میں ملکی سطح پر علماء اہلسنت، شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے اسی وجہ سے کوشاں رہے ہیں کہ اس سے دنیا و دین، دونوں ہی سنور جاتے ہیں اور اسی مقصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لیے حصول پاکستان کے لیے علماء ومشائخ کی طرف سے انتھک جدوجہد کی گئی اور بالآخر اس مقصد کو پالیا گیا، لیکن جس مقصد اور جس نظریہ کے تحت اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا اس کی چنداں حفاظت نہ کی گئی حالاں کہ نظریاتی مملکتوں میں نظریہ کی حفاظت اور نشو ونما اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ (۱)

(۱) السواد الاعظم اور تحریک آزادی ہند، ص 122، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

صدرالافاضل کی دینی وسیاسی اور تنظیمی خدمات پر مولانا عبدالحامد بدایونی کے تاثرات:

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی ایک شخص میں تمام خصوصیات یکجا نہیں ہوتیں اگر ایک شخص بہتر معلم ہے تو عمدہ خطیب نہیں ہوسکتا، اگر بولتا اچھا ہے تو انشاء پرداز نہیں، پھر اسی طرح علماء میں بہت کم ایسے بزرگ ہیں جو تمام علوم وفنون میں یکساں مہارت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی فقہ وحدیث اچھا پڑھاتا ہے تو ادب و منطق میں رواں دواں ممکن نہیں۔

لیکن حضرت استاذ العلماء صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ علماء میں ایک ایسے فرد کامل تھے کہ تقریر وتحریر، درس وتدریس، صرف ونحو، تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، فلسفہ و منطق، ریاضی واقلیدس وغیرہ علوم وفنون میں اس درجہ مہارت رکھتے تھے کہ ہرفن کی اوسط واعلیٰ کتابیں بیسویں بار پڑھائیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہرفن کی کتاب کا پہلے نفسِ مضمون ادافرماتے پھر اس کی تشریحات کرتے، اپنی طرف سے اعتراض قائم کرکے جوابات بھی دیتے کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑتے نہ کسی اعتراض کی کوئی بات باقی رہ جاتی۔ ذہین وفطین طلباء مطالعہ میں بہت سے اعتراضات وابہامات لے کر جاتے مگر حضرت اپنے علمی تبحر اور ذکاوت سے کسی اعتراض کا موقع ہی باقی نہیں رہنے دیتے۔ طلباء پر ان کی شفقت بزرگانہ اس درجہ تھی کہ ہرایک طالب علم یہی سمجھتا تھا کہ مجھے زیادہ چاہتے ہیں طلباء کی علمی رہائشی اور دیگر ضروریات پر نظر رکھتے طلباء کو محنت وسادگی اور اخلاقِ نبوی کا خصوصی درس دیا جاتا۔

حضرت مولانا مرحوم حلقہ درس کے علاوہ اپنے مکان میں جس قدر قیام فرماتے اور ملاقاتیوں سے ملتے ہرایک ملاقات میں ان کی زبان سے اصلاحِ سخن درستی اخلاق محبت نبوی کا زیادہ سے زیادہ درس ملتا اور اکابر علماء واتقیاء اولیاء اللہ کی مجلسوں کا رنگ نمایاں رہتا۔

بدایوں، بریلی، مرادآباد کے خانوادوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا کہ ان کے مدارس وخانقاہوں میں طلباء اور حاضر باشوں کو متبع دین بنایا جاتا، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، محبتِ حضراتِ اصحاب کرام واہل بیت، اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء اللہ رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی پیروی رگ وپے میں بٹھائی جاتی۔

☆تنظیمی کوشش:

حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ہندوستان کے طبقہ اہل سنت اوراس کے علماء ومشائخ کی تنظیم واتحاد کی علمبردارتھی ان کا عرصہ سے خیال تھا کہ جس طرح ہوسکے حضرات علماء اہل سنت اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجمع کریں۔ان کا ایک متحدہ پلیٹ فارم ہوجس پر تمام عناصر اہلسنّت یکجا ہوکر کام کریں۔تنظیم ویکجہتی اتحادویگانگت رسمی طور پر وبہت اچھے الفاظ ونام ہیں لیکن ان عنادین پرعمل کرانا شدید مشکل کام ہے۔خصوصاایسی فضا میں جبکہ بعض بعض مسائل میں باہم دگراختلافات حد کو پہنچ گئے ہوں اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا بھی ناگوار ہو چکا ہو،ایسے ماحول میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا علماء ومشائخ اہل سنت کو یکجا اور متحد کرنا وقت کا نازک ترین مسئلہ تھا پھر سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور تحریکات قومیہ نے نظریاتی اور اساسی حیثیت سے باہمی خلیج پیدا کردی تھی بہت سے علماء اہل سنت جو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے تھے اور علماء بریلی ومرادآباد سے ان کے علائق ظاہری میں بہت بُعد پیدا ہو چکا تھا۔

سنی کانفرنس بنارس:

ایسی نازک ترین فضا میں جبکہ باہمی علائق کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں،حضرت ابوالمحامد مولانا سید محمد صاحب اشرفی محدث کچھوچھوی مدظلہ العالی اور حضرت استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے اپنے اخلاص اور جماعتی مفادات کی خاطر علماء بدایون وبریلی کے دیرینہ اختلافات کے مٹانے اور ایک نقطہ نظر پر لانے کی تحریک شروع فرمائی۔ ہردو بزرگوں کی مخلصانہ جدوجہد نے عرصہ دراز کے افتراق و اختلافات کو مٹایا۔علماء بدایوں،جماعتی تنظیم اہلسنّت کی ترقی وسربلندی کی تحریک کے موید ہوگئے اور شانہ بشانہ تنظیم اہلسنّت کی تحریکات میں شامل ہوکر متحرک ہوگئے۔

اجلاسِ بنارس:

میں نے اپنی چالیس (۴۰) سالہ قومیات کی زندگی میں صدہا کانفرنسیں دیکھیں اور بیسیوں خود

منعقد کیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ بنارس کی سنی کانفرنس کی طرح گزشتہ چالیس سالوں میں کوئی ایک کانفرنس بھی نہ ہو سکی، ہندوستان کے ہر صوبہ کے علماء و مشائخ جس کثیر تعداد کے ساتھ بنارس میں تشریف لائے، کسی اور مقام و شہر میں اس نوعیت کا کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

کانفرنس، خطبات، مقالات، تجاویز اور مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے فقید المثال کانفرنس تھی۔ کاش کانفرنس کے اختتام کے بعد ہمارے علماء و مشائخ اپنے اپنے علاقہ جات میں کانفرنس کے اختتام کے بعد ہمارے علماء و مشائخ اپنے اپنے علاقہ جات میں کانفرنس کے لائحہ عمل کو روبکار لاتے تو وہ چند اجلاس اہلسنّت مذہبی و سیاسی و علمی زندگی کو استوار کر دیتے۔

ادھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل علالتِ طبع مانع رہی، مگر علالت کے باوجود زندگی کے آخری لمحات تک مولانا سرگرم عمل رہے ان کی زندگی تالیفات و مضامین، بیانات و نصائح آج بھی ہم سب کے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے اندر جو حالات ہو رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے پاک مشن کو زندہ کیا جائے جماعت اہلسنّت مشائخ و علماء کرام کی تنظیمات کو از سر نو قائم کیا جائے جائزہ لیا جائے کہ ہماری جماعت تعمیری لحاظ سے کن کن چیزوں کی محتاج ہے؟

بہتر سے بہتر مدرس، واعظ، مفسر، محدث، فقیہ، قاری و امام کافی تعداد میں تیار کیے جائیں۔ حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ علیہ کی صحیح یادگار کے یہی امور اور سبق ہیں۔ (۱)

فقیر محمد عبد الحامد القادری البدایونی

(کراچی)

---

(۱) حیات صدر الافاضل، ص 201، مطبوعہ لاہور

﴿باب سوم﴾

صدرالافاضل کی علمی و مناظرانہ خدمات

﴿باب سوم﴾

صدر الافاضل بحیثیت مناظر (۱)

مخالفین کے اعتراضات اور ان کے شبہات کے ازالہ کے سلسلہ میں آپ کے جوابات نہایت متین اور سنجیدہ ہوتے تھے، تضحیک وتمسخر سے آپ کا جواب بالکل مبرا ہوتا تھا۔ طرز استدلال اتنا عجیب اور انوکھا ہوتا کہ اہلِ علم عش عش کر اٹھتے تھے، اور مخالفین کو ذرہ بھر مزید اعتراض وشبہ کا موقعہ نہ رہتا تھا، اس کے لیے آپ کی تمام تصانیف شاہد وناطق ہیں، تاہم اس جگہ ہم نموناً آپ کے ایک مقالہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں، جو علمِ غیبِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے اثبات میں ہے اور مخالفین ومعاندین کے جس قدر شبہات اور اعتراضات آج تک ان کی جھولی میں رہے ہیں ان سب کا آپ نے شافی اور مسکت جواب دیا ہے، اگر مخالفین ان ہی اقتباسات کو صحیح طریقہ سے پڑھ لیں اور مقالہ کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں تو انھیں مزید کسی کدوکاوش کی ضرورت نہ رہے گی۔

سیدی صدر الافاضل قدس سرہ، نے شبہات اول سے گفتگو کا آغاز فرمایا ہے۔

شبہ اوّل:

قرآن شریف کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب نہ تھا۔

۱) قل لا اقول لکم عندی خزائن الله ولا اعلم الغیب.

ترجمہ: کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہیں کہ میں غیب جانتا ہوں۔

۲) ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ۔

ترجمہ: اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر زیادہ کرلیتا۔

---

(۱) حیاتِ صدر الافاضل، ص 56 / مجلّہ معارف رضا کراچی

جواب:

ان آیتوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم نہ ہونے پر دلیل لانا خود قرآن سے جاہل ہونے کی دلیل ہے، یہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میں غیب جاننے کا مدعی نہیں تواضع ہے۔ جمل حاشیہ جلالین جلد۲، صفحہ ۲۵۸ میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے:

فان قلت قد اخبر صلی الله علیه وسلم عن المغیبات وقد جاء ت احادیث فی الصحیح بذالک وهو من اعظم معجزاته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فکیف الجمع بینه وبین قوله ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر قلت یحتمل ان یکون قاله علی سبیل التواضع والا دب المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی الله علیه ویقدره لی ویحتمل ان یکون قال ذالک قبل ان یطلعه الله عزو جل علی علم الغیب.

اس عبارت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے بکثرت مغیبات کی خبریں دیں اور یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور غیب کا علم حضور کے اعظم معجزات میں سے ہے پھر آیہ: **وکنت اعلم الغیب، الخ**۔ کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نے اپنی ذات جامع کمالات سے علم کی نفی تواضعاً فرمائی اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے اور اس کے مقدر کرنے سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علم غیب عطا ہونے سے پہلے **لو کنت.... الا یہ**. فرمایا ہو اور علم اس کے بعد عطا ہوا۔ غرض کہ یہ آیات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے غیب نہ جاننے پر دلیل نہیں، یا آیاتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ بالذات اور بالاستقلال غیب کا علم کسی کو نہیں، ہمارے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ تو بہ تعلیم الٰہی ہے، چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں ہے: **ای قل لا اعلم الغیب فیکون فیه دلالة علی ان ا لغیب بالا ستقلال لا یعلمه الا الله** ...... خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ بالاستقلال کوئی غیب کا عالم نہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے، علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: **وقوله لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر فان**

المنفی علمه من غير واسطةٍ واما اطلاعه عليه باعلام الله تعالىٰ فامر متحقق قال الله تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احد الامن ارتضى من رسول ۔یعنی آیہ لو کنت ،الخ میں اس علم کی نفی ہے جو بیواسطہ ہو لیکن بواسطہ تعلیمِ الٰہی کے پس بیشک ہمارے حضرت کے لیے ثابت ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا: عالم الغيب فلا يظهر ۔ الايه۔

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ آیہ شریفہ میں لفظ لو کنت اعلم اور لا ستکثرت اور ما مسنی سب صیغہ ماضی کے ہیں جو زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتے ہیں، آیت شریفہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر میں زمانہ گزشتہ میں غیب کو جانتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی نہ پہنچتی ،اگر جملہ عبارت مسطورۂ بالا سے قطع نظر کر کے حسبِ مدعائے مخالف یہ فرض کر لیا جائے کہ اس آیہ شریفہ سے انکار ہے کہ اگر میں پہلے غیب جانتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور برائی مجھے نہ پہنچتی ،اس آیت میں اس امر پر دلالت نہیں کہ میں اب بھی غیب نہیں جانتا یا آئندہ بھی مجھے اس کا علم نہ ہوگا، پس اگر آیت میں بیان ہے تو اس وقت کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب پر اطلاع نہ دی گئی تھی ، نہ اس کے بعد کا جیسا کہ اوپر حاشیہ جمل کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔(۱)

شبہ دوم:

قرآن شریف میں ہے: منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم يقصص عليك ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعضے انبیاء کا قصہ نہیں بیان کیا۔ پھر وہ تمام چیزوں کے عالم کیونکر ہوئے؟

جواب:

آیہ شریفہ کی یہ مراد ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی کے قصہ نہیں کہا، یہ علم نہ ہونے کی دلیل نہیں اس لیے

---

(۱) حوالہ بالا،ص40

کہ حق سبحانہ وعالی نے حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بواسطہ وحی خفی کے اس پر مطلع فرمایا ہے چنانچہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد صفحہ ۵۰ میں فرماتے ہیں: هذا لا ینافی قوله تعالیٰ ولقد ارسلنا رسلا من قبلک منهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک لان المنفی هو التفصیل والثابت هو الا جمال او النفیُ مقید بالوحی الجلی والثبوت متحقق بالو حی الخفی۔ ہمارے حضرت سیدنا مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اوران میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں، پس ہمارے حضرت کا انبیاء کی تعداد بتانا آیت کے منافی نہیں اس لیے کہ آیت میں نفی تفصیل کی ہے اور اجمال ثابت ہے، یا آیت کی نفی وحی جلی کے ساتھ مقید ہے اور ثبوت وحی خفی سے متعلق ہے۔

شبہ سوم:

کلام اللہ میں ہے: لا تعلمهم نحن نعلمهم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منافقین کے حال کی خبر نہیں۔

جواب:

اوّل تو اس آیت سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ سردار اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہ تعلیم الٰہی بھی منافقین کے حال کا علم نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تم منافقین کے حال کو اپنی فراست اور دانائی سے نہیں جانتے چنانچہ بیضاوی میں ہے: خفی علیک حالهم مع کمال فطنتک و صدق فراستک مگر حضرت بہ تعلیم الٰہی ضرور جانتے ہیں چنانچہ جمل جلد ۴ صفحہ ۱۷۸ میں ہے: معنی آیۃ وانک یا محمد التعرفن المنافقین فیما یعرضون به من القول من نهجین امرک وامر المسلمین تقبیحه والا ستهزأء به وکان بعد هذا لا یتکلم منافق عنادا النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الا عرف ، بقوله ویستدل بفحوی کلامه علی فساد باطنه و نفاقه۔ دوم یہ کہ یہ آیت پہلے نازل ہوئی اس کے بعد علم عطا فرمایا گیا، چنانچہ اسی جمل میں تحت آیہ لا علمهم کے مسطور

ہے:فان قلت کیف نفی عنه علمه بحال المنافقین و اثبته فی قوله تعالیٰ ولتعر فنهم فی الحسن القولِ فالجواب ان اية النفی نزلت قبل آية الاثبات فلا منافی کرخی ۔پس اب ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منافقین کے حال کے بھی عالم ہیں۔

شبہ چہارم:

ویَسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی ،الخ مخالفین کی خوش فہمیوں نے انھیں اس امر پرآمادہ کردیا کہ وہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ حضرت سراپارحمت صلی اللہ علیہ وسلم کورُوح کاعلم نہ تھا۔

جواب:

سبحان اللہ جانبِ مخالف کس درجہ عقیل ہیں بھلا یہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کورُوح کا علم نہ تھا، آیت کا ترجمہ یہ ہے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے رُوح کی نسبت سوال کرتے ہیں تو کہہ دو کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے، اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت کو اس کا علم نہ تھا، اب محققین کا فیصلہ اس امر میں کیا ہے وہ ملاحظہ فرمایئے۔

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، ولا تظن ان ذالک لم یکن مکشوفا لرسول الله صلی الله علیه وسلم فان من لم یعرف نفسه فکیف یعرف الله سبحانه والا یبعدان یکون ذالک مکشوفا لبعض الا ولیاء والعلماء ۔یعنی گمان نہ کر کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ظاہر نہ تھا، اس لیے کہ جو شخص رُوح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانتا اور جو اپنے نفس کو نہیں پہچانتا وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کیونکر پہچان سکتا ہے اور بعید نہیں ہے کہ بعض اولیاء اور علماء کو بھی اس کا علم ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدارج النبوۃ جلد دوم میں فرماتے ہیں: چگونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بہ حقیقتِ رُوح از سید المرسلین وامام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کند وداده ست اوراحق سبحانہ تعالیٰ علمِ ذات وصفات خود وفتح کردہ بروئے فتح مبین از علوم اولین وآخرین رُوح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا وذرہ ایست از بیدا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ رُوح کا علم حضرت

کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور حق تعالیٰ نے حضرت کو مرحمت فرمایا۔

شبہ پنجم:

کافروں نے حضرت عائشہ پر تہمت باندھی تھی حضرت کو نہایت رنج ہوا تھا، جب بہت روزوں کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ عائشہ پاک ہے، کافر جھوٹے ہیں، تب حضرت کو خبر ہوئی، اگر آگے سے معلوم ہوتا تو کیوں غم ہوتا؟۔

(از نصیحت المسلمین خرم علی بلہوری)

جواب:

سرمایہ ناز مخالفین کا یہی شبہ ہے جو ہر چھوٹے بڑے کو یاد کرادیا گیا ہے اور اس بے باکی سے زبان پر آتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ پھر اگر انصاف سے غور فرمایئے تو کھل جائے کہ بجز ابلہ فریبی کے اور کچھ نہیں، اللہ ہوش درست نصیب فرمادے تو یہ سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے کہ بدنامی ہر شخص کو غم کا باعث ہوتی ہے۔ اور پھر جھوٹی بدنامی، اگر اپنی بدنامی ہوتے دیکھیں اور لوگوں کے طعن سنیں اور یقیناً جانیں کہ جو ہم کو کہا جاتا ہے بالکل غلط اور سراسر بہتان ہے تو کیا حیاداروں کو رنج نہ ہوگا؟ اور جو ہوگا تو ان کی بدگمانی کی دلیل ہو جائے گا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم، حضرت سراپا رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہ تھی، پھر غم کیوں تھا؟ صرف اس وجہ سے کہ کافروں کی یہ حرکت یعنی تہمت اس کی شہرت پریشانی کا باعث ہوگئی تھی۔ یہ وجہ غم کی تھی نہ اصل واقعہ کی ناواقفیت جیسا کہ سفہاء زمانہ کا خیال ہے تفسیر کبیر جلد ۶ مطبوعہ مصر میں ہے:

فان قیل کیف جاز ان تکون امرءة النبی کافرة کامراة نوح ولوط ولم یجز ان تکون فاجرةً وایضافلولم یجز ذالک لکان الرسول اعراف الناس بامتناعِہ ولو عرف ذالک لما ضاق قلبه ولما سأل عَائشة کیفیه الواقعة قلنا

الجواب عن الاول ان الکفر لیس من المنفرات ماکونها فاجرة فمن المنفرات والجواب عن الثانی انه علیه السلام کثیرا ما کان یضیق قلبه من اقوال الکفار مع علمه بفاسدتلک الاقوال قال الله تعالی ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فکان هذا من هذا الباب۔

پس اگر کہا جاوے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں کافر تو ہوں جیسے کہ حضرت لوط اور نوح علیہما السلام کی مگر فاجر اور بدکار نہ ہوں اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں فاجرہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور معلوم ہوتا اور جب حضرت کو یہ معلوم ہوتا کہ نبیوں کی بیبیاں فاجرہ ہو ہی نہیں سکتیں تو حضور تنگ دل نہ ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ کی کیفیت دریافت نہ فرماتے۔ تو پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ کفر نفرت دینے والی چیز نہیں مگر بی بی کا فاجرہ (بدکار) ہونا نفرت دلانے والی چیز ہے لہٰذا ممکن نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں فاجرہ (بدکار) ہوں، دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے اقوال سے تنگ دل اور مغموم ہو جایا کرتے تھے باوجود یکہ حضور کو یہ معلوم ہوتا کہ کفار کے یہ اقوال بالکل فاسد ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون.

یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہوتے ہیں۔

تو یہ واقعہ بھی ایسا ہے یعنی حضور کا تنگ دل ہونا محض کفار کی بے ہودہ گوئی پر تھا باوجود یکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بے ہودہ بکواس کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں کے مفسدانہ اقوال سے تنگ دل ہوتے تھے جس کو خود حق سبحانہ تعالیٰ فرمایا ہے: ولقد نعلم انک یضیق ،الایہ اور ان مفسدوں کے اقوال کے فساد کو جانتے بھی تھے، اس طرح اس موقع پر بھی کفار کی جھوٹی تہمت سے مغموم تھے وہ یہ جانتے تھے کہ کافر جھوٹے ہیں۔

صاحبِ تفسیرِ کبیر کی یہ تقریر نہایت معقول ہے ہر شخص جس کو زنا وغیرہ کی تہمت سے متہم کریں اور ہر جگہ اسی کا چرچا اسی کا ذکر ہو تو وہ شخص اور نیز اس کے اقارب باوجود اس کی پاکی کے اعتقاد کے بھی سخت مغموم و پریشان ہوں گے، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نہ لگائے، ایک عدمِ علم کا اور ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بدگمانی کی، جو شرعاً ناجائز ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تقویٰ اور متہمین کے منافق ہونے کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ چاہیے تو تھا گمان نیک، اور کی بدگمانی معاذ اللہ! تفسیر کبیر جلد ۶ میں ہے:

وثانيها ان المعروف من حال عائشه قبل تلك الواقعة انما هو الصوت والبعد عن مقدمات الفجور من كان كذالك كان الائق احسان الظن به وثالثها ان القاذفين كانوا من المنافقين واتباعهم وقد عرف ان الكلام العدو المفترى ضرب من الهذيان فلمجموع هذا القرائن كان ذالك القول معلوم الفساد قبل نزول الوحى۔

اگرچہ تفسیر کبیر کی عبارتوں سے یہ بات یقینی ہو چکی ہے کہ اس قصہ افک سے عدم علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال کرنا سخت بے حیائی ہے اور حضرت کو قبل از نزولِ وحی علم تھا کہ صدیقہ پاک ہیں پھر حضرت کا ظاہر نہ فرمانا بالکل عقل کے موافق کہ کوئی اپنے قضیہ اور معاملہ کا خود فیصلہ نہیں کر لیتا دوسرے وحی کا انتظار کہ فضیلت اور برأت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرآن پاک سے ثابت ہوتا کہ اس تہمت کا جتنا رنج ہوا ہے، وہ سب کالعدم ہو کر مسرت تازہ حاصل ہو۔

اب ہم ایک ایسی مضبوط دلیل لائیں گے جس کے بعد مجال گفتگو نہ ہو۔ حدیث افک جو بخاری کتاب الشہادات باب تعديل النساء بعضهن عن بعض میں ہے:

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يعذرنى من رجل بلغنى اذاه فى اهلى فوالله ماعلمت على اهلى الا خير او قد ذكروا رجلا ماعلمت عليه الا خيرا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی پر

یقین تھا اور کفار کی تہمت سے شبہ تک نہیں ہوا اسی واسطے آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے اپنی اہل پر خیر کا یقین ہے۔ اب بھی اگر کوئی انکار کرے اور کہے کہ نہیں حضرت کو علم نہ تھا تو اس منکر متعصب کا دنیا میں تو کیا علاج مگر میدانِ حشر میں انشاء اللہ اس بے باک کو ضرور بے باکی کی سزا ملے گی کہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز پر قسم کھا کر فرما دیا کہ میں خیر جانتا ہوں، یہ دشمنِ دین اسی کو کہے کہ وہ نہیں جانتے تھے معاذ اللہ۔ مومن کامل کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ جب بدگمانی شرعاً جائز نہیں تو سرور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہرگز شبہ بھی نہ تھا اس لیے کہ آپ معصوم ہیں کہ آپ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یا کسی پر بدگمانی کریں مگر اب تو معاند کے لیے بھی بحمد اللہ تعالیٰ حدیث وتفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت کو اس واقعہ سے ناواقفیت نہ تھی نہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت کوئی بدگمانی اور آپ کے پرتو فیض سے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں میں جلوے نظر آئے اور انھوں نے بوقتِ مشاورت بیان فرمائے۔ اس مختصر میں گنجائش نہیں کہ مذکور ہوسکیں اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف ایک مدت تک توجہ نہ فرمانا بھی ان کی طرف بدگمانی کی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ حالتِ غم کا منشا بے التفاتی ہے اور اگر خدا حق بین آنکھ عطا فرمائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف چند روز توجہ نہ فرمانے میں وہ بھید نظر آئیں جو مومن کی رُوح کے لیے راحت بے نہایت ہوں۔ انتظار وحی میں محبوبہ کی طرف توجہ نہ فرمانا، وحی دیر میں آئی اگر فوراً آجاتی تو کافروں کی اتنی شورش نہ ہوتی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صبر پر ثواب زیادہ ہوتا رہا اور امتحان بھی ہوگیا کہ کیسی صابرہ ہیں؟۔ ادھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان کہ علم سے سینہ بھر دیا، واقعہ سامنے کر دیا، جملہ حالات حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت کے پیشِ نظر فرما دیئے۔ ادھر کافروں نے جھوٹی تہمت لگائی۔ اب دیکھنا ہے کہ محبوبِ رب اپنی محبوبہ یعنی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت پر باوجود علم کے صبر کر کے اللہ جل شانہ پر معاملہ تفویض کرتے ہیں جو لائق شان کامل کے ہے یا کفار کے طعن سے بے قرار ہو کر سینہ کا خزانہ کھول ڈالتے ہیں شاید تھوڑی دیر صبر ہونا ممکن ہو اور زیادہ دیر تک صبر نہ کرسکیں اس واسطے عرصہ تک تو وحی ہی نہیں آئی کہ اس میں ایک دوسرا امتحان تھا کہ ان کی محبوبہ پریشان ہیں ان کی تسکین فرماتے ہیں یا وحی کلام محبوب حقیقی میں دیر ہونے سے بے قرار ہوئے جاتے ہیں۔ اگر حضرت کے معاملہ ظاہر نہ

فرمانے اور وحی دیر میں آنے کی حکمتوں پر غور کر کے لکھا جائے تو بڑے بڑے دفتر ناکافی ہیں اس لیے اس مختصر میں اسی پر اکتفا کیا گیا۔ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو برأت صدیقہ کا یقین ہونا ثابت ہوا مگر اب ان حضرات کا مرتبہ دریافت کیجیے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو بدگمانیاں کیں: ایک یہ کہ ان کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ پر بدگمانی تھی اور ایک یہ کہ آپ کو واقعہ کا علم نہ تھا۔ عینی شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۸۴ میں ہے:

فی التلویح ظن السوء بالا نبیاء کفر۔

یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ السلام پر بدگمانی کرنا کفر ہے۔

جس نے دو بدگمانیاں کیں اس کا کیا حال ہوگا؟ چاہیے کہ وہ توبہ کرے۔

شبہ ششم:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی یہ کہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا کسی علم کو چھپایا یا ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے: ان اللہ عندہ علم الساعۃ. الخ تو وہ شخص بڑا جھوٹا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث یہ ہے:

عن مسروق قال قالت عائشۃ من اخبر کان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ او کتم شیئا مما امربہ او یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث فقد اعظم الفریۃ۔ (رواہ الترمذی)

جواب:

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تین باتیں فرمائیں، ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا یہ بات ہرگز قابلِ قبول نہیں، یہ صرف رائے تھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے نہیں مانی، نہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی حدیث مرفوع ذکر کی بلکہ صحابہ کرام نے حضرت صدیقہ اللہ تعالیٰ عنہا کے مخالف وقوعِ رویت

کا اثبات کیا اور اب تک جمہور علماء اسلام اس کو مانتے چلے آتے ہیں چونکہ مبحث سے خارج ہے اس لیے اس کی بحث نہیں کی جاتی۔ دوم یہ کہ آپ نے کسی علم کو نہیں چھپایا، اور جن کے چھپانے کا حکم تھا وہ بے شک چھپائے۔انوار التنزیل میں ہے:

قوله تعالیٰ بلغ مانزل الیک المراد تبلیغ ما یتعلق بماصلاح العباد و قصد یانزاله اطلاعهم علیه فان من الاسرار الا لهیة مایحرم ا فشائه۔

رُوح البیان جلد۳ میں ہے:

وفی الحدیث سالنی ربی ای لیلة المعراج فلم استطع ان اجیبه فوضع یده بین کتفی بلا تکییف ولا تحدید ای ید قدرته' لانه سبحانه منزه'' عن الجارحة فوجدت بردها فاورثنی علم الاولین والا خرین وعلمنی علو ماشتی فعلم اخذ عهداً علی کتِمهٖ اذهوعلم لا یقدر علی حمله غیری وعلم خیرنی فیه وعلم امرنی بتبلیغه الی الخاص العام من امتی وهی الانس والجن والملک کمافی انسان العیون.

خلاصہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے شبِ معراج میں کچھ پوچھا میں جواب نہ دے سکا پس اس نے اپنا دستِ رحمت وقدرت بےتکیف وتحدید میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی سردی پائی پس مجھے علم اولین وآخرین کے دیئے اور کئی قسم کے علوم تعلیم فرمائے ،ایک علم تو ایسا ہے جس کے چھپانے پر مجھ سے عہد لے لیا کہ میں کسی سے نہ کہوں اور میرے سوا کسی کو اس کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور ایک ایسا علم جس کے چھپانے اور سکھانے کا مجھے اختیار دیا اور ایک ایسا علم جس کے سکھانے کا ہر خاص وعام امتی کی نسبت حکم فرمایا اور انسان اور جن اور فرشتے یہ سب حضرت کے امتی ہیں،هذا فی مدارج النبوة ۔ اب حدیث وتفسیر سے ثابت ہوا کہ امر محقق یہی ہے کہ اسرار الٰہی کا جو علم حضرت کو مرحمت ہوا ہے اس کا افشاء حرام ہے۔

سوم یہ کہ ان الله عنده علم الساعة وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری

نفس ماذا تکسبُ غدًا وماَ تدری نفس'' بایِّ ارضٍ تموت میں جن پانچ چیزوں کا ذکر ہے انہیں حضرت نہیں جانتے اس سے یہی مراد ہے کہ خود بخود نہیں جانتے مگر یہ تعلیمِ الٰہیٰ جانتے ہیں۔ چنانچہ اس کا بیان گزر چکا مگر یہاں بھی کچھ ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے:

وقوله لایعلمها الاهوای لا یعلم الاولون والا حزون قبلَ اظهاره تعالیٰ ذالک لهم ولم یعلم حقائق اقدار ها الا هو ،لانه تعالیٰ عرفَ قدره' بالحقیقةِ لا غیر وایضالا یعرف طریق وجدانها والو سیله الیها الا هو بذاته تعالیٰ عرف طرقها لا هلها قال تعالیٰ عالم الغیب فلا یظهرُ علی غیبهٖ احد الا من ارتضی من رسولٍ.

اس سے ظاہر ہے کہ مفاتیح غیب کو نہ جاننا قبل اظہار اللہ جل شانہ کے ہے پس روشن ہو گیا کہ نفی علم ذاتی کی ہے۔

علمِ قیامت شرح مقاصد صفحہ ۲۵۰ جلد ثانی:

ان الغیب ههنالیس علی العموم بل مطلق اومعین هو وقت وقوع القیامة بقرینة السباق ولا یبعدان یطلع علیه بعض الرسول من الملائکةِ والبشر۔

اس سے ظاہر کہ علم قیامت کی اطلاع محال نہیں نہ آیت میں اس کی تعلیم کا انکار بلکہ علم ذاتی کا انکار ہے۔

هکذافی التفسیر الکبیر الامام الرازی تحت قوله تعالیٰ عالم الغیب فلایظهر علی غیبه احدالا من ارتضی من رسول۔

رہا مینہ برسنے کا علم کہ کب برسے گا؟ تو اس کا ذکر بالتفصیل ماسبق میں گزرا اور کتابُ الابریز میں اس شبہ کے جواب میں لکھتے ہیں:

وکیف یخفی علیه ذالک والا قطاب السبعه من امه الشریفه یعلمو نها

وھم دون الغوثِ فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والا خرین؟ الذی ھو سبب کل شی و منه کل شئٍ.

یعنی علمِ قیامت سرور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیونکر مخفی رہ سکتا ہے جبکہ آپ کی امت شریفہ کے ساتوں قطب اس کے عالم ہیں اور غوثوں کا مرتبہ قطبوں سے بھی بالاتر ہے پھر وہ کس طرح اس کے عالم نہ ہوں گے؟ اور سیّد الاولین والآخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہر چیز کا سبب ہیں اور عالم کی ہر شے کا وجود حضور کی بدولت اور حضور ہی سے ہے۔

علم مافی الارحام اگر یہ معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کسی کو معلوم نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی ؟ جب تو کچھ کلام ہی نہیں اور واقعی آیت شریفہ کا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مطلب ہے لیکن اگر حسبِ فہم منکرین علم نبی یہ مراد ہو کہ بہ تعلیم الٰہی بھی کسی کو علم نہیں یا اللہ جل شانہ کسی کو اس پر اطلاع نہیں دیتا تو قطعاً غلط کثرت سے احادیث میں آیا ہے کہ ہر شخص کا مادہ پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں بصورت نطفہ جمع ہوتا ہے پھر وہ علقہ یعنی خون بستہ ہو جاتا ہے پھر مضغہ یعنی پارۂ گوشت کی شکل میں رہتا ہے اور شقی ہے یا سعید، چنانچہ الفاظ حدیث کے جو مشکوۃ شریف باب ایمان بالقدر میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ ۲۰ پر موجود ہے یہ ہیں:

ثم یبعث الله ملکا باربع کلمات فیکتب عمله واجله ورزقه وشقی او سعید''۔

اس سے ثابت کہ فرشتہ کو معلوم ہوتا ہے کہ کب تک زندہ رہے گا؟ اور عمل کیا کرے گا؟ کل تو درکنار تمام عمر کے احوال سے خبردار ہوتا ہے۔

طرفہ تر یہ کہ خود حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت انہیں بتادیا کہ بنت خارجہ حاملہ ہیں اور میں ان کے پیٹ میں لڑکی دیکھتا ہوں، چنانچہ تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۶۱ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

واخرج مالک عن عائشة ان ابابکر نحلها جداد عشرین وسقاً من مالِهٖ بالغابه فلما حضرت الوفاة قال یابنية ؟ولله ما من الناس احدا احب الی عنی

منک ولا اغر علی فقرا بعدی منک و انی کنت تحلتک جداد عشرین وسقا فلو کنت جددته واحترذته کان لک وانماهو الیوم مال وارث وانما هو اخواک واختاک فاقسموه' علی کتابِ الله فقالت یا ابت لو کان کذا وکذا لترکته' انما هی اسماء فمن الاخری قال ذو بطن ابنة خارجة اراها جاریة (واخرجه ابن سعد) وقال فی اخره قال ذو بطن انبةخارجة اراها جاریة واخرجه ابن سعد وقال فی اخره قال ذات بطن ابنه خارجة قدالقی فی روعی انها جاریه فاستوصی بها خیر افولدت ام کلثوم.

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر نے ان کو ایک درخت کھجور کا دے دیا تھا جس سے بیس وسق کھجوریں حاصل ہوتی تھیں، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا اے بیٹی! خدا کی قسم مجھے تیرا غنی ہونا بہت پسند ہے اور غریب ہونا بہت ناگوار، اس درخت سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا وہ تمھارا تھا، لیکن میرے بعد یہ مال وارثوں کا ہے۔ تمہارے صرف دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، اس ترکہ کو موافق حکم شرع کے تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ایسا ہوسکتا ہے لیکن میری تو صرف ایک بہن اسماء ہی ہیں، آپ نے دوسری کون سی بتادی۔ فرمایا حضرت صدیقِ اکبر نے ایک تو اسماء ہیں دوسری بہن اپنی ماں کے پیٹ میں ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی ہے، پس ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

علامہ کمال الدین دمیزی حیوۃ الحیوان میں بیان فرماتے ہیں:

وعن ابی لهیعة عن ابی الاسود عن عروة قال لقی رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلا من اهل البادیة وهو متوجه الی بدر لقیه' بالروحاء فسالَه القوم عن الناس فلم یجدوا عنده خبر فقالو اله سلم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال افیکم رسول الله؟ فقالو انعم اِفجاء وسلم علیه ثم

قال ان کنت رسول الله فاخبرنی عما فی بطنِ فاقتی هذه فقال له سلمه بن سلامة بن وقش وکان غلاما حدثا لا تسئل رسول الله صلی الله علیه وسلم واقبل علی فانا اخبرک عن ذلک نزرت علیها ففی بطنها سحلة منک فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم افحشت الرجل ثم اعرض عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یکلم بکلمة واحدة حتی قفلوا واستقبلهم المسلمون بالروحاء یهنونهم فقال سلمة یا رسول الله ماالذی یهنوک الله ان راوا الا عجائز صلعا کالبدن المتعقلة فنحرنها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لکل قوم فراست وانما یعرفها الاشراف رواه الحاکم فی المستدرک وقال هذا صحیح مرسل وحکاه ابن هشام فی سیرته.

خلاصہ یہ کہ ایک اعرابی نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ سلمہ نے کہا کہ ایسی بات رسول اللہ سے نہ پوچھو میری طرف متوجہ ہو میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں تیری حرکت نالائق کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاموش۔ اور وہ اعرابی حیرت میں رہ گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور کے صحابۂ کرام میں سے نوعمر صحابی نے پیٹ کا حال بتادیا، اب جو کوئی کہے کہ مافی الارحام کا علم کسی کو تعلیمِ الٰہی سے بھی نہیں تو وہ بے چارہ ان عبارات مذکورہ کا کیا جواب دے گا؟۔

علم مافی غد:

رسالہ ہذا میں بہت سی ایسی عبارتیں گزر چکی ہیں جن سے واقعات مافی غد یعنی کل ہونے والی باتیں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کو معلوم ہونا ثابت ہوتا ہے مگر پھر ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۲ میں ہے:

قال عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرینا مصارع اهل

بدربالا مس یقول ھذا مصرع فلان غدا انشاء اللہ وھذا مصرع فلان غدا انشاء اللہ قال عمر والذی بعثه بالحق ما اخطئن الحدو دالتی حدھارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ، (الحدیث).

خلاصہ یہ ہے کہ بدر میں حضرت نے دست مبارک سے بتادیا کہ کل کو یہاں فلاں شخص مرا پڑا ہوگا اور یہاں فلاں شخص اس سے دوباتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت کو معلوم تھا کہ کل کو کیا ہوگا؟ دوسرے یہ کہ حضور کو یہ بھی معلوم تھا کہ کون کہاں مرے گا؟ یعنی مافی غداور بای ارض تموت کا علم اللہ جل شانہ نے مرحمت فرمایا۔

یہ شبہ کہ ان جواری کو جودف بجا کر گانے میں یہ کہتی تھیں کہ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں، حضرت نے منع فرمادیا اور کہہ دیا کہ پہلے جو کہتی تھیں کہے جاؤ، چنانچہ صاحب تقویۃ الایمان نے اس سے استدلال کیا ہے مگر اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت کو مافی غد ثابت کرنا شرک ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور سرا کرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جواری سے توبہ بلکہ تجدید ایمان کراتے، پس جب حضرت نے تجدید اسلام نہ کرائی تو اس سے خود ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد ہرگز شرک نہیں اور اس کا جواب ماسبق میں بوضاحت گزر چکا ہے۔ زرقانی جلد ۶ صفحہ ۲۲۹ میں حضرت حسان کا ارشاد موجود ہے:

نبی یری مالا یری الناس حوله‘

ویتلو کتاب اللہ فی کل مشھد

فان قال فی یوم مقالة غائب

فتصدیقھا فی ضحوۃ الیوم او غدا

اس کو حضرت حسان سے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا اور جس طرح لڑکیوں کو منع فرمایا تھا نہ فرمانا صحت پر دال ہے۔ علم مافی غد کا تو اس میں بھی اثبات ہے جیسا کہ جواری کے کلام میں تھا کہ صاف فرمارہے ہیں۔ فان قال فی یوم الخ یعنی وہ اگر کوئی غیب کی بات فرمائیں تو اس کی تصدیق کل ہوجائے گی، یعنی حضور آج اور کل کے آنے والے واقعات قبل از وقت بتادیتے ہیں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے منع نہ فرمایا۔ اگر یہ مضمون صحیح نہ ہوتا یا حسبِ مزعومِ مخالف شرک ہوتا تو حضور کیوں سنتے اور منع نہ فرماتے۔

اس کا علم کہ کہاں مرے گا اور کب مرے گا؟ ما ثبت بالسنہ میں ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین میری ہجرت کے ساٹھویں سال قتل کیے جائیں گے۔ عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقتل الحسین عل راس ستین سنه من مهاجری رواه الطبرانی فی الکبیر ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب سن کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں حضور کے بعد اڑھائی برس زندہ رہوں گا۔

واخرج ابن سعد عن ابن شهاب قال رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم رویا فقصها علی ابی بکر فقال رایتُ کانی استبقتُ اناوانت درجة فسبقتک بمرقاتین ونصف قال یارسول الله یقبضک الله الی مغفرة ورحمة واعیش بعدک سنتین وصفا۔

(از تاریخ الخلفاء ص ۷۶)

حضرت نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے زمین پر پھر نکاح کریں گے اولاد ہوگی پینتالیس برس ٹھہر کر انتقال کریں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کیے جائیں گے پس میں اور وہ ایک قبر سے اٹھیں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان میں جنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے:

عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج یولدله و یمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فید فن معی فی قبری فاقوم اناوعیسی بن مریم فی قبرواحد بین ابی بکر و عمر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ ان کے گھر میں تین چاند گر پڑے ہیں۔ یہ خواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ فرمایا کہ آپ کے گھر میں ایسے تین شخص دفن ہوں گے جو تمام زمین والوں سے بہتر ہیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کہا کہ اے عائشہ یہ تیرے

سب چاندوں میں بہتر ہیں۔ یہ حدیث تاریخ الخلفا صفحہ ۷۶ میں ہے۔

اخرج سعيد بن منصور عن سعيد ابن المسيب قال رات عائشة رضى الله عنها كانه وقع فى بيتها ثلاثه اقمار فقصها على ابى بكر و كان من اعبر الناس فقال ان صدقت روياک ليد فنن فى بيتک خير اهل الارض ثلاثا فلما قبض النبى صلى الله عليه وسلم قال يا عائشة هذا خير اقمارک.

اب جو بات یقینی اور بدیہی ہوگئی کہ امور خمسہ مذکورہ آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیہ کا علم بہ تعلیم الٰہی انبیاء اور صحابہ اور اولیاء کو حاصل ہے تو یہ کہنے والا کہ حضرت کو بہ تعلیم الٰہی بھی امور خمسہ کا علم نہ تھا یا کسی کو مخلوقات میں سے ان امور خمسہ کا علم نہیں دیا جاتا، جاہل اور مخبوط الحواس اور دین سے بے بہرہ اور بدنصیب ہے کہ اپنی من گھڑت کے آگے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول گیا!۔ پس اس آیت سے یہ مراد لینے والا کہ امور خمسہ کا علم کسی کو نہیں نہ ذاتا نہ بواسطہ تعلیم الٰہی، آیت کی تفسیر بداہت کے خلاف کرتا ہے اور بہ ضلال، چنانچہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۶ مطبوعہ مصریہ (میریہ) صفحہ ۳۸۰ پر فرماتے ہیں:

واذا كان كذالک مشاهداً محسوساً فالقول بان القران فدل على خلافه مما ويجر الطعن الى القرآن و ذالک باطل۔

پس یہ کہہ دینا کہ خدا کے سوا کوئی غیب کی بات نہیں جانتا نہ خود بخود نہ تعلیم الٰہی سے اور اس کو قرآن سے ثابت کہنا کفر ہے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی کے کلام سے ثابت ہوا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے باوجود ٹھیک معنی بننے کے یہ مراد لینا باطنی ہے مگر مولوی رشید احمد گنگوہی نے بے دھڑک لکھ دیا کہ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ ہے، اس لفظ کو تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔ فقط والسلام! مورخہ ۴ ذی الحجہ بروز جمعہ۔

رشید احمد، ۱۳۰۱

(از فتاویٰ رشیدیہ حصہ حول صفحہ ۱۲۳)

اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

قطع نظر اس سے کہ ان صاحبوں کے اس حکم شرک سے اسلام کا کوئی بزرگ اور امت کا کوئی عالم نہیں بچتا اور تمام دنیائے اسماعیلی اور رشیدی شرک میں مبتلا نظر آتی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ اس شرک کے پٹہ سے اپنوں کی گردنیں بھی نہ بچ سکیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی اور مرتضی حسن چاند پوری بھی پھنس گئے کیوں کہ وہ علم غیب کو نبی کے لیے لازم بتاتے ہیں، چنانچہ توضیح البیان صفحہ ۴ میں ہے حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب باعطائے الٰہی حاصل ہے چنانچہ اس عبارت سے کہ نبوۃ کے لیے جو علوم لازم اور ضروری ہیں وہ آپ کو بتمامہا حاصل ہو گئے تھے، اب مولوی مرتضی حسن اور مولوی اشرف علی تھانوی دونوں مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے فتوے سے مشرک ثابت ہوئے اور ممکن نہیں کہ وہ اس شرک کو اٹھا سکیں، الحاصل اگر ان غیوب خمسہ کے باب میں بسط کیا جاوے تو غالبا دس گیارہ جزو کا ایک اور رسالہ خاص، اسی بحث میں مرتب ہو جائے گا اس لیے تطویل سے اعراض کیا، اللہ جل شانہ اسی مختصر کو باعثِ ہدایت مخالفین فرمادے۔ (آمین)

شبہ ہفتم:

سفر میں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا ہار گم ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہار ڈھونڈا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا تو کیوں نہ بتاتے؟

جواب:

مخالفین کے دلائل کا دارومدار باطل وغلط قیاسوں پر رہ گیا ہے کسی آیت وحدیث سے وہ اپنا دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے تو مجبوری وناچاری اپنی غلط رایوں کو بجائے دلیل کے پیش کر دیتے ہیں نہ معلوم انہوں نے اپنی رائے کو دلائل شرعیہ سے کون سی دلیل قرار دے رکھا ہے۔ یہ دینی مسائل اور حضور اقدس علیہ الصلوۃ السلام کے اوصاف زید وعمر اور ہر ماوشما کے منتشر خیالات پر موقوف ہیں جب آیات واحادیث اور کتب

معتبرہ سے حضور اقدس علیہ الصلوۃ کا عالم جمیع اشیاء ہونا ثابت ہوا تو مخالفین کا وہم کس شمار وقطار میں ہے۔ اپنے خیالات واہیہ کو آیات وحدیثہ کے مقابلہ میں ان کارد کرنے کے لیے پیش کرنا مخالفین ہی کی جرأت ہے، اس سوال کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ حضرت نے بتایا، اول تو اس میں کلام ہے مخالف کو اس پر دلیل لانا تھا کوئی عبارت پیش کرنا تھی مگر وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں جو بات منہ میں آئی کہہ دی۔ حضور کی جس فضیلت کا چاہا محض بزور زبان انکار کردیا۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہے: فبعث رسول الله علیه وسلم رجلا فوجدها۔ امام نووی فرماتے ہیں: ان یکون فاعل وجدها النبی صلی الله علیه وسلم ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور خود اس کے واجد ہیں وہ ہار خود حضور نے پایا؟ پھر نہ بتایا کہ کیا معنی اور فرض کیجیے کہ نہ بتایا تو نہ بتانا کسی عالم کا نہ جاننے کو کب مستلزم۔ یہ کہاں کی منطق ہے؟ اگر یہی قیاس ہے تو خدا خیر کرے، کہیں آپ علم الہی کا اسی قیاس سے انکار نہ کر بیٹھیں کہ کفار نے وقت قیامت کا بہیترا سوال کیا اور ایان یوم القیمۃ کہا کیے مگر اللہ سبحانہ نے نہ بتایا معلوم ہوتا تو کیوں نہ بتاتا معاذ اللہ نہ بتانا کسی حکمت سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے لیے عدمِ علم ضروری ہو۔

اس نہ بتانے میں جو حکمتیں ہیں وہ آپ کو تو کیا نظر آئیں گی؟ آنکھ والوں سے پوچھیے شیخ المشائخ قاضی القضاۃ اوحد الحفاظ والرواۃ شہاب الدین ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: واستدل بذالک علی جواز الاقامه فی المکان الذی لا مَــاء فِیهــا یعنی اس اقامت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس جگہ پانی نہ ہو وہاں ٹھہرنے کا جواز معلوم ہوا اگر حضور فوراً ہی بتادیتے تو یہ مسائل کیونکہ معلوم ہوسکتے لہذا یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو سفر میں ہو مگر اس کو مسلمانوں کے حفظ حقوق کا لحاظ کرنا چاہیے، فتح الباری میں ہے: وفیہ اعتناء الامام لحفظ حقوق المسلمین وان قلت۔ اس سے علماء نے کتنے مسائل نکالے کہ دفن میت کے لیے اس کے مثل رعیت کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے امام کو قیام کرنا چاہیے۔

فتح الباری میں ہے: ویلحق بتحصیل الضائع الاقامة اللحقوق المنقطع و دفن ا لمیت ونحو ذالک من مصالح الرعیه۔ اس میں یہ بھی اشارہ فرمایا کہ مال کو ضائع کرنا نہ چاہیے۔ وفیہ

اشارۃ الی ترک اضاعۃ المال۔ (فتح الباری (اور یہ کیا مزے کی بات معلوم ہوئی کہ اس اقامۃ کی وجہ سے جب پانی نہ ملا اور صحابہ کو نماز کی فکر ہوئی کہ کہاں سے وضو کیا جائے گا؟ کس طرح وضو کیا جائے گا؟ تو وہ بے چین ہوئے لامحالہ ان کو سوال کرنا پڑا تو حضرت صدیق اکبر سے سوال کیا اور حضور اقدس علیہ الصلوۃ والتسلیمات کو ایسے ضروری سوال کے لیے بھی بیدار کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور کسی نے گوارہ نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو خواب سے بیدار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ **انما شکوا الی ابی بکرٍ لکون النبی دلی اللہ علیہ وسلم کان نائما و کانو الا یوقظونہ** ۔(فتح الباری) حضرت صدیق اکبر نے اسی فکر میں کہ نماز کس طرح پڑھیں گے؟ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوکھ (کمر میں) انگلیاں ماریں۔ یہ ضرب ایسی ہے کہ انسان بے اختیار اچھل پڑتا ہے مگر حضور ان کے زانوں پر آرام کر رہے تھے اس وجہ سے انہیں جنبش نہ ہونے پائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا ادب اس درجہ ہونا چاہیے کہ ایسی طبعی حرکات بھی نہ ہونے پائیں جن سے خوابِ ناز میں فرق آنے کا اندیشہ ہو۔ **فیہ استحباب الصبر لمن نالہ مایوجب الحرکۃ ویحصل** بہ تشویش النائم (فتح الباری) فضیلت حضرت صدیقہ کی کیسی فضیلت و برکت ظاہر ہوئی۔ عمر بن حارث کی روایت میں وارد ہوا: **لقد بارک اللہ لناس فیکم** ۔ ابن ابی ملکیہ کی راویت میں خود جناب سید عالم علیہ السلام نے فرمایا: **ما کان اعظم برکۃ قلا دتک** کہ اے صدیقہ! تمہارے ہار کی کیسی عظیم الشان برکت ہے، قیامت تک کے مسلمان ان کے صدقہ میں سفر اور بیماری اور مجبوری کی حالتوں میں تیمّم سے طہارت حاصل کرتے رہیں گے۔ بخاری میں بروایت عروہ وارد ہے: **فواللہ مانزل بک من امر تکر ھینہ الا جعل اللہ ذالک لک وللمسلمین فیہ خیرا** ۔ اسید ابن حضیر نے فرمایا کے اے صدیقہ! بخدا آپ پر کوئی امر پیش آتا ہے اور آپ پر گراں گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں آپ کے اور مسلمانوں کے لیے بہتری فرماتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن ابن قاسم والی روایت میں ہے: **مَا ھِیَ باول برکتکم یاآل ابی بکر** ۔ کہ اے آل ابوبکر! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے آیت تیمّم نازل ہونے کے بعد تین مرتبہ فرمایا: **انک لمبارکۃ** ۔ اے صدیقہ! تم یقیناً بے شک بڑی برکت والی ہو۔ اہل ایمان کو تو نظر آتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ہار کی وجہ سے لشکر اسلام کو اقامت کرنا پڑے اور پانی نہ ملے تو ان کی برکت سے اللہ

تبارک وتعالیٰ تیمّم کو جائز فرمائے اور مٹی کو مطہر کردے، لیکن جہاں آنکھیں بند ہوں اور بصیرت کا نُور جاتا رہا ہو، وہاں سوائے اس کے کچھ نہ معلوم ہو کہ حضرت کو علم نہ تھا۔

چشم بداندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کا یہ قیاس فاسد باطل کو کسی طرح کوئی تائید نہیں پہنچ سکتی۔

شبہ ہشتم:

قاضی خان میں ہے:

رجل تزوج امراءة بغير مشهودٍ فقال الرجل و المراة (خدائے را و پیغمبر را گواہ کردیم) قالوا يكون كفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت.

ترجمہ: ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا پس مرد اور عورت نے کہا خدا اور رسول۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم نے گواہ کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اور حال یہ کہ وہ زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے، پس بعد وفات کیونکر جان سکتے ہیں؟

جواب:

معترض کا منشاء یہ ہے کہ معتقد علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کرے مگر ابھی اس کو یہ خبر نہیں کہ اس نے یہ کفر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ قاضی خاں کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقد علم غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی، کیوں کہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت کو بعض

غیوب کا علم عطا فرمایا ہے، پس بموجب عبارت قاضی خاں کے ان کے کفر میں ان کے فہم کے بموجب شبہ نہیں آپ یہ کہیں گے وہابیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے؟ ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ الحق صفحہ ۱۷ اور بہت چیزیں اور امورِ غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور فیصلہ علم غیب صفحہ ۱۳ میں مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ لفظ مسطور ہیں۔ بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہوسکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امور غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوتی۔ مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو اور منکرین کے اقرار ابتدائے رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

الحاصل ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے۔ (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خاں کی عبارت سے ہم پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چند آں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے، اب عبارت قاضی خاں پر غور فرمایئے کہ اس میں لفظ ''قالوا'' موجود ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ قالو اس مسلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو، چنانچہ شامی صفحہ ۴۴۵ میں ہے: **لفظة قالو اتذكر فيما فيه خلاف كما صرحوا به۔**

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:

وكلام قاضی خان يشير الىٰ عدم اختيارہ له حيث قال واذا صلى على النبى عليه الصلوة والسلام فى القنوت قالو الا يصلى عليه فى القعده الا خيرة ففى قولة قالو اشارة الى عدم استحسانه له والى انه غير مروى عن الائمة كما قلنا فان ذآلک من التعارف فى عبارتهم لمن استقراها والله

تعالیٰ عالم۔

اب معلوم ہو گیا کہ قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے حتی کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔

دارالمختار میں ہے: ان الحکم والفتیا یا لقول المرجوح جھل وخرق الاجماع، درالمختار میں بھی یہی قاضی خاں والا مسئلہ ہے، وہاں بھی لفظ قیل ضعف کی دلیل موجود ہے۔ درالمختار کتاب النکاح میں ہے:

تزوج بشهادة الله ورسوله صلى الله عليه وسلم عالم الغيب قال في التاتار خانية وفي الحجة ذكر في الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض على روح النبى صلى الله عليه وسلم وان الرسل بعرفون بعض الغيب قال الله تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهرعلى غيبه احداًلا من ارتضى من رسول.

خلاصہ یہ ہے کہ جس نے کفر بتایا ہے اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور حجتہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ روح پاک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ جل شانہ نے عالم الغیب **فلا یظهر الخ۔**

معدن الحقائق شرح کنزالدقائق اور خزانہ الروایات میں ہے: **وفي المضمرات و الصحيح انه لا يكفر لان الانبياء عليهم الصلوه والسلام يعلمون الغيب ويعرض عليهم الا شياء فلا يكون كفرا** ۔یعنی مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں۔ پس کفر نہ ہوگا۔

شامی باب المرتد میں مسئلہ بزازیہ ذکر کر کے فرماتے ہیں: **حاصله ان دعوى الغيب معارضة لنص القران يكفر بها الا اذا اسند ذالک صريحا او دلالة الى سبب من الله كوحى والهام** ۔یعنی غیب کا دعویٰ نص قرآن کے معارض ہے، پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا۔لیکن اس نے صریحا یا دلالتاً کسی سبب کی طرف نسبت کر لی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی والہام وغیرہ کے وہ کافر نہیں۔

دارالمختار میں ہے:

وفیھا کل انسانِ غیر الانبیاء لا یعلم ماارادلله تعالی له وبه لان ارادته تعالیٰ غیب الا لفقھاہ فانھم علمو ارادته' تعالیٰ بھم لحدیث الصادق المصدوق من یر دالله به خیر ایفقھه فی الدین۔

غایۃ الاوطار میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے کہ ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے؟ اس کے ساتھ دارین میں اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں اس واسطے کہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادے کو جو ان کے ساتھ رسول صادق مصدوق کی اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کو دین میں فقیہ کرتا ہے یعنی امر دین میں فہم سلیم عطا کرتا ہے اب خوب ظاہر ہوگیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کے کسی کو عالم غیب بتانا کفر ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت۔

شبہ نہم:

جمیع اشیاء غیر متناہی ہیں پھر حضرت کو غیر متناہی کا علم کیونکر ہوسکتا ہے؟

جواب:

یہ اعتراض سخت جہالت سے ناشی ہے اس لیے کہ جمیع اشیاء کو غیر متناہی نہ کہے گا مگر دیہاتی۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر میں تحت آیت **واحاط بما لدیھم واحصی کل شئٍ عددا** کے فرماتے ہیں:

قلنا لا شک ان احصاء العدد انما یکون فی المتناھی فاما لفظة کل شی فانھا لا تدل علی کونه غیر متناهٍ لان الشئی عندنا ھو الموجودات والموجوداتُ متناھیة" فی العدد۔

اس عبارت سے موجودات کا غیر متناہی نہ ہونا روشن، پھر خواہ مخواہ اپنی طرف سے بے وجہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کے لیے موجودات کو غیر متناہی کہنا کون سی عقلمندی ہے؟۔

اب بعض شبہات عقلیہ کا رد کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی تقریظ ہی نقل کی جائے۔

☆ مولانا اشرف علی کی تقریظ کا رد:

قوله بعد الحمدو الصلوة احقر الورى اشرف على عفى عنه بتائيد مضمون رساله اعلاء كلمة الحق عرض کرتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں جو آیات واحادیث وارد ہیں وہ تین قسم کی ہیں ایک وہ جو یقیناً ایجاب جزئی کو مفید ہیں دوسری وہ جو یقیناً سلب جزئی کو مفید ہیں اوران دونوں قسموں میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔

اقول: سبحان اللہ یہ فقرہ کہ ان دونوں قسموں میں کسی کو کوئی کلام نہیں کیسی جرأت ہے؟ مثبتین کا دعویٰ کل شئ معلوم لنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور یہ موجبہ ہے، اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے: **مثاله بعض الا شياء ليس بمعلوم لنبينا** ۔ جو شخص ایجاب کلی کا مدعی ہے اس کو کس طرح سلب جزئی میں کوئی کلام نہ ہوگا۔ کیا مولوی صاحب کے نزدیک مدعی کو اپنے دعوے کی نقیض مسلم ہوتی ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ یہ بھی خوش فہمی ہے، ایک دوسرے خصیم خود کہتا ہے کہ بھلا کوئی ایک آیت یا حدیث تو ایسی سناؤ کہ جس کا یہ مضمون ہو کہ فلاں چیز کا علم سرور اکرم کو دیا ہی نہ گیا۔ چنانچہ زبدۃ المحققین امام المناظرین جناب الحاج حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمہ نے انباء المصطفیٰ کے صفحہ ۴ پر فرمایا: ہاں ہاں تمام نجدیہ، دہلوی، گنگوہی، جنگلی، کوہی، سب کو دعوت عام ہے: اجمعو اشرکاءکم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادۃ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمام نزولِ قرآن عظیم کے بعد بھی اشیاء مذکورہ ما کان و ما یکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔ **فان لم تفعلو افاعلمو ا ان الله لا يهدى كيد الخائنين** ۔اب یہ کہہ دینا کہ ان دونوں قسموں میں کسی کو کلام نہیں کس درجہ کی دیانت اور کیسا سچ ہے؟

قولہ: تیسری وہ جو محتمل ایجاب کلی اور ایجاب جزئی دونوں کو ہے۔

اقول: مناسب تھا کہ ان اقسام کی مثالیں لکھی جاتیں، نہ معلوم کس مصلحت سے لکھی نہ گئیں۔ یہ حصر جو تھانوی صاحب نے تین قسموں میں کیا ہے، غلط ہے اس لیے کہ جو مفید ایجاب کلی کو ہے مثالہ فتجلی لی کل شئی، (الحدیث) وہ ایک چوتھی قسم ہے تو ان آیات واحادیث کا حصر تین قسموں میں باطل ٹھہرا۔ قولہ: اور اسی قسم میں کلام ہے۔ اقول: چہ خوش جو مدعی ایجابِ کلی کا ہے وہ چوتھی قسم سے کیوں نہ استدلال کرے گا؟ قولہ جو لوگ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمیع مغیات غیر متناہیہ کے علم کا اثبات کرتے ہیں۔ اقول: جی ہاں ضرور بتایئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو حضرت کے لیے ہرگز جمیع مغیات اشیاء کے علم کو دعویٰ کرتے ہیں اور جمیع یشیاء متناہی ہیں۔ جیسا کہ جواب شبہ نہم میں مذکور ہوا تو قولہ وہ اس قسم ثالث کو ایجاب کلی پر محمول کرتے ہیں اور اسی ایجاب کلی کو اپنا متمسک ٹھہراتے ہیں۔

اقول: غلط، انہیں ضرورت ہی کیا ہے کہ قسم ثالث کو اپنا متمسک ٹھہرائیں جبکہ قسم رابع موجود ہو۔ مؤید اور چیز ہے قولہ اور جو باوجود تسلیم آپ کے اعلم الخلق ہونے کے اس علمِ محیط کی نفی کرتے ہیں۔ وہ ایجاب جزئی پر محمول کرتے ہیں۔ اقول برا کرتے ہیں اگر بے قرینہ ایجاب جزئی پر محمول کرتے ہیں۔ قولہ اب بتوفیقہ تعالیٰ یہ احقر اولا سالانہ کہتا ہے کہ جب ایجاب کلی بوجہ احد المحتملین ہونے کے قطعی الدلالہ نہیں ہے تو مقام اثبات عقائد میں جو کہ دلیل قطعی الثبوت قطعی الدلالہ پر موقوف ہے اس سے کب استدلال صحیح ہوگا؟۔

اقول: کیا خوب! بنا فاسد علی الفاسد۔ حضرت آپ کی قسم ثالث سے مثبتین کو احتجاج کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جو ایجاب کلی احد المحتملین ٹھہرے مثبتین قسم رابع سے استدلال کرتے ہیں جس میں مجال احتمال مخالف اصلانہیں۔ اب آپ کی یہ سب ''تار و پود کنسج العنکبوت'' ٹوٹ گئی لہٰذا اس قسم ثالث کو تھانوی صاحب ایجابِ کلی پر حمل کریں یا ایجاب جزئی پر مبحث سے خارج ہے کہ خصم کا احتجاج اس سے نہیں البتہ اگر بے قرینہ حمل کریں گے تو لیاقت علمی کی داد پائیں گے۔

قولہ: بعض روایات مفیدہ سلب جزئی کہ اس میں احتمال عقلی بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ زمانہ حکم ایجاب کلی کو اس تاخر ہو مثلا یہ حدیث صحاح کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو حوض کوثر کی طرف بلاویں گے ملائکہ عرض کریں گے: انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ اس میں جملہ لا تدری الخ مقید ہو رہا ہے، سلب جزئی کو

زمانہ ورود روایتا محتملہ ایجاب کلّی کو اس سلب جزئی سے تاخر ہو۔

اقول: تقدم تاخر کیسا؟ سلب جزئی ہی کہاں ہے؟ جب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں خود ہی خبر دے رہے ہیں کہ بعض لوگوں کو حوض کوثر کی طرف بلائیں گے اور ملائکہ یہ عرض کریں گے: انک الخ تو حضور کو اس کا علم ہونا تو اسی حدیث سے ظاہر واقعہ تو قیامت کو پیش آئے گا اور خبر آج دے دی لیکن تھانوی صاحب کے نزدیک علم ہی نہیں بغیر علم ہی کے اخبار ہو گیا۔ اللہ عقل سلیم عنایت فرمائے تو انسان کو یہ سمجھنا کیا دشوار ہے کہ علم نہ ہوتا تو خبر دینا کیونکر ممکن تھا؟ پھر حضور کو دنیا ہی میں معلوم ہونا اور اس واقعہ کا نظر انور سے گزر جانا بخاری شریف کی مدد خدا میں بھی مروی'' **بيننا انا نائم فاذا امرٌ حتى اذا عر فتهم خرج رجل من بيني وبينهم فقالو هَلُمَّ فقلت اين؟ قال الى النارو الله قلبت وما شأنهم قال انهم ارتدو ابعدک على ادبار هم القهقرى** ۔ حضور فرماتے ہیں: اس اثنا میں کہ میں خواب میں تھا اچانک ایک جماعت گزری حتی کہ جب میں نے ان کو پہچانا تو ایک شخص نے میرے اور ان کے درمیان سے نکل کر کہا کہاں؟ اس نے عرض کیا بخدا دوزخ کی طرف۔ میں نے کہا ان کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ حضور کے بعد اُلٹے پاؤں پیچھے پلٹ گئے۔ یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب کو اب تو معلوم ہوا ہوگا کہ حضور انور علیہ الصلوٰہ والسلام ان لوگوں کو دنیا میں پہچانتے اور ان کا حال جانتے تھے پھر سلب کہاں؟ علاوہ بریں جائز کہ ''انک لاتدری'' میں استفہام مقدر ہو جیسا کہ ''**وتلک نعمة تمتها**'' الایہ اور ہذا ربی میں مقدر ہے اور اس تقدیر پر صحیح مسلم شریف کی حدیث جو اسی مضمون میں بایں الفاظ وارد ہے قرینہ قویہ ہے **فاقول یارب منی ومن امتی فیقالُ اما شعرت ما عمول ا بعدک** یعنی میں کہوں گا اے پروردگار میرے یہ میرے ہیں اور میرے امتی پس فرمایا جائے گا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟۔ اب تھانوی صاحب فرمائیں کہ وہ سلب کیا ہوا؟ کیا تھانوی صاحب اتنی بھی نہیں جانتے تھے کہ متعدد احادیث سے حضور پر اعمالِ امت کا پیش ہونا ثابت ہے۔ صحیح مسلم وابن ماجہ میں ہے: **عُرِضَتَ عَلَى أُمَّتى بِاعَمالِهَا حسنها و قبيحها**''۔ یعنی مجھ پر میری امت مع اپنے نیک بداعمال کے پیش کی گئی دوسری حدیث ابوداؤد ترمذی میں ہے: **عُرِضت على اجورِ امتى حتى القذاة بخرجها الرجل من المسجد و**

عُرضَت علی ذنوبِ امتی فلم ار ذ نباً اعظمُ من سورۃالقرآن وآیۃ اوتیھا الرجل ثم نسیھا ۔
یعنی مجھ پر میری امت کی نیکیاں پیش کی گئیں یہاں تک کہ تنکا جس کو آدمی مسجد سے دور کرے اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے۔ پس میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ آدمی کو قرآن پاک کی کوئی سورت یا آیت دی گئی پھر وہ اس کو بھول گیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر امت کے تمام نیک بد صغیر کبیر اعمال پیش کیے گئے اور پیش ہوتے ہیں پھر کس طرح حضور کو ان لوگوں کے اعمال معلوم نہیں؟ تھانوی صاحب نے کس طرح سلب جزئی سمجھا؟ کہیں اس کی رمق بھی ہے؟ ابھی ذرا توقف فرمایئے کس کس چیز سے انکھیں بند کر کے انکار پر اڑے رہیں گے؟ بخاری و مسلم کی حدیث شریف ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امتی ید عون یوم القیمۃ غُرّاً محجلین من اثار الوضوءِ فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل ۔یعنی حضور اقدس علیہ الصلوۃ نے فرمایا کہ میری امت روز قیامت غرمحجل یعنی اس شان سے بلائی جائے گی کہ ان کے سر اور ہاتھ پاؤں آثارِ وضو سے چمکتے ہوں گے پس تم میں سے جس سے ہو سکے اپنی چمک زیادہ کرے۔

مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ جو امتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، انہیں حضور روز قیامت کس علامت سے پہچانیں گے؟ فرمایا کہ اگر کسی کے پنج کلیان گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان لے گا؟ عرض کیا بے شک پہچان لے گا۔ فرمایا کہ میرے امتی اس شان سے محشر میں آئیں گے کہ ان کے پانچوں اعضاءِ وضو چمکتے جگمگاتے ہوں گے اور میں حوض پر ان کا پیشوا ہوں گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قالو ا کیف تعلم من لم یاتِ بعد من امتک یا رسول اللہ؟ فقال ارء یتَ لو ان رجلاالہ خیل غر محجلۃ بین ظھری خیل دھم بھم الا یعرف خیلہ قالو ابلی یا رسول اللہ قال فانھم یا تون غرا محجلین من الوضوع وانا فر طھم علی الحوض۔

کیا مولوی اشرف علی صاحب کے خیال میں ان مرتدین کے پنج اعضاء بھی چمکیں گے جس سے حضور کو ان کے مومن ہونے کا خیال ہو سکے؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کس بنیاد پر تھانوی صاحب سلب ثابت کرنے

بیٹھے ہیں؟ بالفرض اگر حضور کو پہلے سے علم نہ ہوتا تو بھی اس علامت سے حضور پہچان سکتے تھے کہ چہ جائیکہ پہلے سے معلوم ہو، معرفت ہو چکی ہو، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہو چکا مگر تھانوی صاحب نے سلب کا لفظ سیکھ لیا ہے۔ کتنی ہی حدیثیں کے خلاف ہوں انہیں کسی کی پرواہ نہیں!

ایک حدیث اور سنتے چلیے ..... حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا روز قیامت پہلے مجھی کو سجدہ کی جازت ملے گی اور پہلے سر اٹھانے کا بھی مجھی کو اذن دیا جائے گا پھر میں اپنے سامنے تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اسی طرح اپنے پس پشت اور داہنے بائیں بھی، ایک شخص نے عرض کیا نوح علیہ السلام نے کی امت سے حضور کی امت تک بہت امتیں ہوں گی ان سب میں سے حضور اپنی امت کو کس طرح پہچان لیں گے۔ فرمایا کہ ان کے ہاتھ پاوں چہرے آثارِ وضو سے چمکتے اور روشن ہوں گے اور کوئی دوسرا اس شان پر نہ ہوگا۔ (کیوں تھانوی صاحب پھر بھی آپ کے نزدیک حضور کو ان مرتدین کو پہچاننا ناممکن رہے گا؟ اب فرمایئے آپ کے سلب کا کیسا مزاج ہے؟) اور میں انہیں یوں پہچانوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے اور ان کی ذریت ان کے سامنے دوڑتی ہوگی۔ (کیوں تھانوی صاحب کیا مرتدین کے اعمال نامے بھی کیا ان کے داہنے ہی ہاتھوں میں ہوں گے؟ ذرا اپنے سلب کی نبض تو دکھایئے، اس میں کوئی رمق باقی تو نہیں رہی) حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

انا اول من یوذن لہ بالسجود یوم القیمۃ انا اول من یوذن لہ ان یرفع مثل ذالک وعن یمینی مثل ذالک وعن شمالی مثل ذالک فقال رجل یا رسول اللہ کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک قال ھم غرمحجلون من اثر الوضوءِ لیس احد کذلک غیر ھم واعر فھم انھم یوتون کتبھم بایمانھم واعر فھم تسعی بین ایدیھم ذریتھم۔ رواہ احمد۔

اب فرمایئے استفہام مقدر مانئے گا یا نہیں؟ اتنی حدیثیں آپ کے لیے کافی ہیں یا وہی کہے جائے گا؟ کاش ذہول ہی پر حمل کیا ہوتا مگر مجبوری تو یہ تھی کہ آپ کو شوق تھا سلب ثابت کرنے کا۔

بہر حال اب تو آپ کا سلب مسلوب ہوا۔ والحمدللہ فرمایئے تھانوی صاحب اب سالبہ جزئیہ کس کے

گھر سے آئے گا؟

قولہ دوسرا محتمل یعنی ایجابِ جزئی متعین اور حق ٹھہرا اور یہی مذہب ہے نقاۃ کا۔ اقول، یہ لیاقت علمی سے بیگانگی اور ذہانت کی بانگی ہے کہ نقاۃ کا مذہب ایجاب جزئی ہے۔ خدا جانے کیا سوچ کر لکھا ہے؟ جس کا مذہب ایجاب ہے، وہ کیونکر نقاۃ میں شمار کیا گیا؟(۱)

---

(۱) ماخوذ، خادم التعلیم ص 50، مولفہ، مولانا سلیمان بہاری علی گڑھ، 1919ء

(ب)

مولانا اسمٰعیل دہلوی کی کتاب "تقویت الایمان" پر صدر الافاضل کا علمی تبصرہ (۱)

آپ فرماتے ہیں کہ:

آج مسلمانوں کی جو دردناک حالت ہے اس نے دردمندانِ اسلام کو بے چین کر دیا ہے، سرد آہیں کھینچ کھینچ کر رہ جاتے ہیں۔

سینہ تھام تھام لیتے اور رو پڑتے ہیں، دشمنانِ دین کی جرأتیں اور بے باکیاں روز بروز بڑھتی رہی ہیں۔ انہیں اسلام کے دعویداروں میں اسے اپنے موید و حامی مل جاتے ہیں جو کفار کی خوشنودی کے لیے ایسے ایسے حرکات کر گزرتے ہیں جن کی جرأت یک بیک کفار کو ہرگز نہیں ہوسکتی۔

موجودہ صدی سے قبل مسلمان ہر حیثیت میں اعلیٰ نظر آتے تھے ان میں دینداری بھی تھی۔ غیرتِ اسلامی بھی۔ دنیا میں ان کا وقار بھی تھا، اعتبار بھی۔ رعب و ہیبت بھی، قوت و شوکت بھی، کفار ان کے خوف سے کانپتے تھے، کسی کو مجال تھی کہ شریعت طاہرہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زبان کھول سکتا یا کوئی ناقص بات بول سکتا۔ مگر آج کفار کی دریدہ ذہنی اور بدزبانی انتہا کو پہنچ گئی ہے وہ شرع مطہرہ اور بزرگان دین و اکابر اسلام پر سخت ناپاک حملے کرنے اور افتراء و بہتان لگانے کے عادی و خوگر ہو گئے ہیں، مسلمانوں کی دل آزاری، اسلام کی توہین ان کا شیوہ و پیشہ ہو گیا ہے۔

یہ کیوں اور اس کا باعث کیا ہے؟

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں سے ایسے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے حرمتِ

---

(۱) مقدمہ اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان، ص 2، مولفہ صدر الافاضل/ حیات صدر الافاضل 1989

اسلام پر ہاتھ صاف کیے۔ بزرگان دین، اولیاء کرام بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بے ادبی اور گستاخی ان کا شغل ہوگیا۔

مسلمانوں نے ان سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنے میں بہت کوتاہی کی۔ ان کے ساتھ میل جول ربط وضبط جاری رکھا۔ اس سے ان کی جراتیں بھی بڑھیں اور وہ بزرگانِ اسلام پر علی الاعلان بے خوف وخطر تبرا کرنے لگے۔ ناقص سے ناقص کلمات چھاپ چھاپ کر شائع کرنے لگے۔

اوّل اوّل تو ہندوستان کے کفار ان کی کتابوں کو بخوشی دیکھتے تھے مگر مسلمانوں سے چھپ کر پھر ان کی دلیری اور مسلمانوں کا اس سے متاثر نہ ہونا دیکھ کر ان میں بھی دلیری پیدا ہوئی۔ اور وہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے کلمات سناتے اور کبھی کبھی ان پر اظہارِ افسوس بھی کر دیتے لیکن جب انہوں نے تجربہ کرلیا کہ مسلمان اس گالی گلوچ سے کچھ اثر نہیں لیتے اور بزرگانِ اسلام کے بدگویوں کے ساتھ ان کے میل جول میں کوئی فرق نہیں آتا تو انہیں یقین ہوگیا کہ اسلامی غیرت وحمیت مرچکی۔ اب انہوں نے بھی زبان کھول دی، طوفان برپا کرڈالے اور جب تک مسلمان اپنی غیرت وحمیت کا ثبوت نہ دیں اور شریعت کے مخالف اور انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء کے بدگویوں کے ساتھ مخالفت ومصاحبت میل جول تک نہ کریں، یہ فتنہ جاری رہے گا۔

اگر مسلمانوں میں حمیت اسلام اور غیرت دین کی کوئی رمق باقی ہے تو وہ جلد از جلد تمام گمراہ بے دین گستاخ فرقوں سے متارکت اور یکلخت علیحدگی کریں۔

وہ فرقہ جو انبیاء علیہم السلام کی جناب میں گستاخیوں کی جرأت پیدا کرنے کا سب سے زیادہ باعث ہوا وہ وہابیہ ہند ہے۔

وہابی دراصل خارجی ہیں جو ابنِ عبداوہاب نجدی کا اتباع کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں، تمام عالم مشرک مباح الدم ہے اور بزرگان دین ومقبولین بارگاہِ رب العالمین کی توہین ان کا دین وایمان ہے۔ جیسا کہ ردالمختار صفحہ ۳۱۹ میں ہے:

''کما وقع فی زما ننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمینِ و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلة لکنھم اعتقد و ا انھم ھم

المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اھل السنة وقتل علمائھم حتی کسر اللہ شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلث وثلثین ومائتین والف۔''

یعنی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین میں واقع ہوا جونجد سے نکل کر حرمین شریفین پر قابض ہوئے اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب ظاہر کرتے تھے لیکن دراصل ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں باقی سب مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہلسنت اور ان کے علماء کا قتل مباح سمجھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑی اور ان کے شہر ویران کیے اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی۔ ۱۲۳۳ھ میں فرقہ وہابیہ ہند نے گمراہی کے عجیب وغریب اصول بنائے۔ قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو مغالطہ دینا، گمراہی میں گرفتار کرنا ان کا دستور بنا، جس طرح ہندوستان میں فرقہ آریہ مذہب کی آڑ میں سیاسی اغراض کا شکار کھیلتا ہے، اسی طرح وہابیہ مذہب کے پردہ میں ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

عبدالوہاب نجدی کا مقصد اس مذہب کی ایجاد اور مسلمانانِ عالم کو مشرک و کافر قرار دینے سے یہی تھا کہ ان سے جہاد جائز کیا جائے اور اپنے معتقدین کو اسلامی ممالک پر حملے کرنے اور مسلمانوں کو تہہ تیغ کرڈالنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ اسلامی ممالک قبضہ میں آجائیں چنانچہ اس نے پہلی مرتبہ اور اس کے جانشین ابن سعود نجدی نے اب دوسری مرتبہ اس ذریعہ سے حجاز کی سلطنت حاصل کی، اگر اس نے گمراہی کے اصول بنا کر مسلمانوں کا مشرک ہونا اپنے معتقدین کے ذہن نشین نہ کیا ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر تلوار اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوتے اور وہابیوں کو سلطنت ہاتھ نہ آتی۔ اس گروہ نے ملک و مال کی طمع میں دین وملت کو برباد کیا۔ ہندوستان میں بھی مولوی اسمٰعیل دہلوی کے سر میں ملک گیری کا سودا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے خاندان کا ہندوستان کے طول وعرض میں کافی اثر تھا۔ بکثرت مسلمان اس خاندان کے ارادت مند و معتقد تھے۔ اس سروسامان کو دیکھ کر مولانا اسمٰعیل صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ عبدالوہاب نجدی کی پالیسی پر عمل کر کے وہ اپنے معتقدین کا ایک عظیم لشکر تیار کر سکتے ہیں جس سے ہندوستان کے تاج وتخت پر ان کو قبضہ مل سکے گا۔

اس تخیل پر وہ چل پڑے اور شیخ نجدی کی پیروی کو انہوں نے ذریعہ کامیابی سمجھا۔ اسی کی کتاب التوحید کا چربہ اتارا اور اسی کے مذہب کی ترویج کے درپے ہوگئے۔ اس مدعا کے لیے انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ''تقویت الایمان'' بہت زیادہ مشہور ہے اور اس کی بکثرت اشاعت کی گئی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی اور ہزارہا بندگانِ خدا اس کتاب سے گمراہ ہوگئے۔ لاکھوں آدمی بے دین اور بزرگانِ دین و اکابر اسلام حتی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں گستاخ ہوگئے جس سے ہند کے کفار کو ہمت ہوئی اور آئے دن وہ اسلام و پیشوایانِ اسلام کی شان میں گستاخانہ لب کشائی کرنے لگے۔

اس ''تقویت الایمان'' کی بدولت ہندوستان کے مسلم حصہ میں ایک خطرناک جنگ چھڑ گئی اور ہر ایک گھر اس کتاب کی بدولت معرکہ جنگ بن گیا۔ مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم ہوا۔ ان کے پہلوؤں میں ان کے خونخوار دشمن پیدا ہوئے جو انہیں مشرک جانتے اور رات دن ان سے لڑتے رہتے اور جس قدر اس کتاب کی اشاعت زیادہ ہوتی جاتی اسی قدر یہ جنگ وسیع بھی ہوتی ہے۔

علماء برصغیر نے اس کتاب کے متعدد رد بھی لکھے۔ تحریر و تقریر سے اس کے مفاسد کا اظہار فرمایا اور یہ ان کا فرض تھا لیکن نہ معلوم کس وجہ سے وہ رد چھپ نہ سکے اور قلمی کتاب کی اشاعت ہی کیا ہوسکتی تھی زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی نایاب ہوگئے، بعض چھپے بھی مگر بہت مختصر تھے اور اب میسر بھی نہیں آتے۔

اب دو چار سال سے ''تقویت الایمان'' کی اشاعت میں حد سے زیادہ اہتمام کیا گیا اور ملک کے ہر حصہ میں مفت تقسیم کی گئی تو ہر طرف سے عوام وخواص نے میرے پاس رد وجواب کی طلب میں خطوط آنے شروع ہوئے۔ ناچار میں نے اس کے رد کا قصد کیا۔ اللہ سبحانہ اس کے اتمام کی توفیق دے اور حق کی حمایت میں مستقل رکھے، نفس وشیطان کے شر سے بچائے۔ (آمین)

حقیقت کا اظہار میرا فرض ہے، میں اسی کے درپے رہوں گا اور بتوفیقہ تعالیٰ ضد ونفسانیت سے بالکل اجتناب کروں گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان''۔

صاحب ''تقویت الایمان'' نے اپنی کتاب کا پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں لکھا ہے لیکن

اس بحث کو شروع کرنے سے قبل انہوں نے دو اصول لکھے ہیں اور ان پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے لیے یہ دونوں اصول نہایت اہم اور بہت ضروری ہیں، اگر وہ یہ اصول نہ بناتے تو انہیں مسلمانوں کو راہ راست سے منحرف کرنے میں بہت زیادہ دشواریاں پیش آتیں۔

یہ اصول جیسے وہابیہ کے لیے ضروری ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ مسلمانوں کے لیے خطرناک ہیں اور ان سے گمراہیوں کی بے انتہا شاخیں پیدا ہوتی ہیں اور دین کا محکم واستوار نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

وہابیت کے دو اصول:

ان دو اصولوں میں سے:

۱) یہ ہے کہ اسلافِ کرام اور بزرگوں کا اتباع نہ کرنا چاہیے اور متقدمین کی پیروی درست نہیں۔

۲) یہ کہ علماء دین اور ائمہ مجتہدین کی پروانہ کرنی چاہیے، ہر شخص قرآن وحدیث سمجھتا ہے، اس کے لیے بڑا علم درکار نہیں۔

یہ دونوں اصول جس طرح وہابیت کو رواج دینے کے لیے ضروری ہیں ایسے ہر بدمذہبی کے لیے لازم ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک آدمی اپنے بزرگوں کے طریقے اور معتقدین کی روش کو نہ چھوڑے ان کا اتباع لازم سمجھے اس وقت تک کوئی خود غرض گمراہ کنندہ اس کو اپنا طریقہ ومذہب قبول کرانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب وہ اس کو اپنی کوئی بات بتائے گا وہ فوراً انکار کردے گا اور کہے گا جناب میں اس کے ماننے سے مجبور ہوں۔ یہ میرے بزرگوں کے خلاف ہے۔

جب اس سے اس کے دین کی کوئی بات چھڑانے کی کوشش کی جائے گی جب ہی وہ چمک اٹھے گا اور راضی نہ ہوگا اور اس کا یہ جواب بالکل مسکت ہوگا کہ میں اپنے بزرگوں کا طریقہ نہیں چھوڑ سکتا بلکہ وہ اس طریقہ کے خلاف کسی بات کا سننا گوارہ نہ کرے گا اور گمراہ کنندہ ناکام نامرادرہ جائے گا۔

اب اگر وہ مضل دوسرے طریقہ سے بہکائے اور یہ کہے کہ تم جو یہ عمل کرتے ہو نہ کرو کیوں کہ تمہارے دین اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے یا یہ جو نہیں کرتے ہو کرو۔ کہ قرآن وحدیث میں اس کا حکم ہے تو اس کا وہ یہ جواب دے گا کہ قرآن وحدیث پر تو میرا ایمان ہے لیکن یہ بات میں اپنے علماء سے دریافت کرلوں اگر وہ بتادیں گے کہ قرآن وحدیث میں ایسا ہے تو میں سر جھکا کر تسلیم کروں گا اور اگر انہوں نے فرمایا کہ قرآن و حدیث میں ایسا نہیں ہے تو ان کے مقابل میں آپ کی بات باور کرنے اور مان لینے کے لیے تیار نہیں۔

یہ جواب سنتے ہی بے دین گمراہ کنندہ کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور مایوسی اس پر چھا جائے گی وہ جانتا ہے کہ قرآن وحدیث کا نام لے کر جاہل کو بہکایا جاسکتا ہے۔ مگر وہ عالم کے پاس گیا تو وہ اس پر حقیقت حال ظاہر کردے گا اور اس کا فریب کسی طرح نہ چل سکے گا۔ اس لیے وہ ضروری سمجھتا ہے کہ پہلے علماء کی طرف سے بدظن کرے اور ان کے ساتھ تعلق قطع کرائے جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے گا تمام گمراہ فرقے ان اصولوں پر کاربند ہونے کے لیے مجبور ہیں۔ سب سے پہلے روافض وخوارج نے یہ طریقہ اختیار کیا اور مسلمانوں کو ان کے بزرگوں اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب سے بدگمان کرنے میں انتہائی کوششیں کیں اور جن لوگوں کو انہوں نے صحابہ کرام سے بدگمان کرلیا اور جن پر ان کا یہ جادو چل گیا انہیں کو وہ دین سے منحرف کرکے گمراہ کرلینے میں کامیاب ہوئے اور جنہوں نے اپنے بزرگوں کا دامن نہ چھوڑا وہ ان کے مکائد سے امن میں رہے۔

ہر فرقہ اسی بات کا مدعی ہے کہ قرآن وحدیث کے مطابق خاص اسی کا مذہب ہے، رافضی، خارجی، وہابی، مرزائی وغیرہ کوئی اس کا دعویٰ نہیں کرتا ہر ایک اپنے مدعائے باطل کی تائید میں آیات واحادیث پیش کرنے میں جری ہے۔

مگر علمائے اسلام ان کا ملمع کھول دیتے ہیں اس کو ظاہر کردیتے ہیں اس لیے ہر گمراہ یہ کوشش کرتا ہے کہ مسلمان اپنے علماء سے تعلق چھوڑیں تا کہ وہ انہیں بہکا سکے۔

مولوی اسماعیل صاحب نے ''تقویت الایمان'' میں اپنے مدعا کو شروع کرنے سے پہلے انہیں دو اصولوں کو بیان کیا اور ان پر بہت زور دیا، ان کی عبارت ملاحظہ کیجیے۔

''اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوؤں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو، جوانہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں۔''

(''تقویت الایمان'' مطبوعہ، دہلی صفحہ۲)

یہ وہابیت کا پہلا اصول ہے جس میں متقدمین کے طریق بزرگوں کے حالات علماء کے ارشاد اور عقل کے فیصلے سب سے روکا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر طرح آنکھ میچ کر مولوی اسمعیل صاحب کے حکم کو مانلو۔ اگر وہ متقدمین کے خلاف ہو تو انہیں بھی چھوڑ و اگر بزرگوں کے حالات اور سلف صالح کی روش کے مخالف ہوں تو ان کو بھی ترک کردو۔ اگر علمائے دین اور ائمہ متقین کی تعلیم ہدایت کے برعکس ہو تو ان سے بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ اگر اس سب کے باوجود خود تمہاری عقل میں نہ آئے تو اس سے بھی درگزر کرو اور ''صم بکم'' ہو کر اسماعیل کا کہا مان لو۔ متقدمین اور اسلاف صالحین اور علماء دین اور عقل سب سے قطع تعلق کر کے ''تقویت الایمان'' کے متبع ہو جاؤ۔

مولوی اسماعیل صاحب نے اپنی بدعات واختراعات منوانے کا اصول تو ایجاد کیا مگر قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس گمراہی کے اصول کا پہلے ہی قلع قمع کر دیا۔

قرآن شریف کی پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ رب العزۃ ارشاد فرماتا ہے:

اهدنا الصراط المستقيم O صراط الذين انعمت عليهم.

ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے رستے کو اپنا سیدھا رستہ فرماتا ہے اور اس کی طرف ہدایت کی دعا تلقین فرماتا ہے اور مولوی اسمعیل صاحب اس کے خلاف پہلوں کی رسموں بزرگوں کے حالات علماء دین کی تدقیق، عقل کے ارشاد سب کے چھوڑنے کو کہتے اور قرآن پاک کی مخالفت کرتے ہیں۔

عجیب بات یہ کہ پہلوں کی رسمیں، بزرگوں کے حالات علماء کے ارشاد، عقل کا حکم تو ماننے کے قابل نہ ہو مگر مولوی اسمعیل صاحب کے حکم ماننے کے قابل ہو جائے، اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور قرآن کی

ایات کے خلاف ہے۔"لاحول ولا قوۃ الا باللہ" جس کو مولوی اسمعیل صاحب بزرگوں کی رسمیں کہتے ہیں، قرآن پاک "صراط الذین انعمت علیھم" فرماتا ہے۔(فاعتبروایااولی الابصار)

پہلوں، بزرگوں، عالموں میں ائمہ، علماء، صلحاء اور غوث، قطب، تبع تابعین، صحابہ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سب ہی آ گئے۔

ظالم نے دین کا سارا نظام درہم برہم کر ڈالا۔ حضرت امام علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں آیت مذکورہ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

والا شعار بان الصراط المستقیم تفسیرہ صراط المسلمین لیکون ذالک شھادۃ لصراط المسلمین بالا ستقامۃ علی ابلغ وجہ واکدہ.

اور اس بات کا اشعار کہ صراط مستقیم کی تفسیر صراط المسلمین یعنی مسلمانوں کی راہ ہے اس لیے ہے تاکہ یہ مسلمانوں کی راہ کی استقامت کی ابلغ وجہ پر شہادت ہو۔

امام محی السنہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن اپنی تفسیر لباب التاویل میں فرماتے ہیں:

ھذا بدل من الاول ای الذین مننت علیھم بالھدایۃ والتوفیق وھم الانبیاء والمومنون الذین ذکر ھم اللہ تعالیٰ فی قولہ فاولئک منع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین.

یہ اول کا بدل ہے یعنی صراط مستقیم ان لوگوں کا رستہ ہے جن پر تو نے ہدایت وتوفیق دے کر احسان فرمایا اور وہ انبیاء اور مومنین ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا: "اولئیک مع الذین الایہ" وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔(۱)

---

(۱) تفسیر لباب التاویل معروف بہ خازن جلد ۱، صفحہ ۱۹

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ ہی صراط مستقیم ہے اور اسی کی طرف ہدایت کی دعا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سب سے پہلی سورت میں تعلیم فرمائی۔ لیکن مولوی اسمٰعیل صاحب اس کے مخالف ہیں۔ وہ پہلوں کی رسموں، بزرگوں کے قصوں، علماء کی تدقیق سے مسلمانوں کا علاقہ قطع کر دینا چاہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا۔ (النساء، رکوع ۱۶)

اس آیت کریمہ میں مومنین کی راہ چھوڑنے پر جہنم کی سزا مقرر فرمائی، یہ وہی مومنین کی راہ ہے جس کو مولوی اسماعیل صاحب ''تقویت الایمان'' میں پہلوں کی رسمیں، بزرگوں کے قصے، مولویوں کی باتیں بتا کر چھٹانا چاہتے ہیں۔

مولوی اسماعیل صاحب کا یہ اصول قرآن پاک کی مخالفت پر مبنی ہے اور قرآن پاک کا یہ کمال ہے کہ مدتوں کے بعد پیدا ہونے والے گمراہ خلق کو بہکانے کے لیے جو اصول بتاتے ہیں اس کتاب ہدایت میں پہلے ہی اس کا رد فرما دیا گیا۔ والحمد اللہ اس مدعا پر صدہا آیات واحادیث پیش کی جاسکتی ہیں مگر نظر بر اختصار دو ہی آیتوں پر اکتفا کیا گیا۔

اب مولوی اسماعیل صاحب کا دوسرا اصول بھی ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ ''تقویت الایمان'' میں لکھتے ہیں:

''اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کو بڑا علم چاہیے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے، سو ہماری کیا طاقت کہ اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ ''قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں''۔ (''تقویت الایمان'' مطبوعہ دہلی، صفحہ ۲، ۳)

مولوی اسماعیل صاحب کی یہ گفتگو عوام الناس کے حق میں ہے جو بے چارے صاف اردو کی عبارتوں کو سمجھنے میں بھی قاصر ہوتے ہیں۔ آپ ان کو فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال کہ قرآن وحدیث کا سمجھنا

مشکل ہے اور اس کے لیے بڑا علم چاہئے غلط ہے، مطلب یہ ہوا کہ ہر جاہل قرآن پاک اور حدیث شریف سمجھ سکتا ہے، اس کے لیے علم درکار نہیں، جہلاء کو جرأت دلائی جارہی ہے کہ وہ بے علمی سے قرآن وحدیث میں رائے زنی کرکے علماء سے الجھیں اور گمراہی میں پڑیں۔ اسی اصول کی بدولت غیر مقلد پیدا ہوئے۔ ہر جاہل اپنے آپ کو ائمہ دین سے افضل و بہتر سمجھنے لگا اور قرآن وحدیث ہاتھ میں لے کر مسلمانوں سے درپے جنگ وجدل ہوا۔ آج جو بہت سے مصروفِ جنگ نظر آرہے ہیں، وہ اسی اصول ضلالت کا نتیجہ ہیں۔ ستم یہ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے گمراہ کن اصول کو قرآن پاک کی طرف نسبت کرکے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں، حاشا کہ یہ ناپاک مضمون قرآن پاک میں ہو۔ اس جرأت کی کیا انتہا کہ اپنے دل سے ایک گمراہی کی بات نکالی اور اس کو قرآن پاک کی طرف نسبت کردیا اور ثبوت میں آیت شریف بھی لکھ ڈالی اور یہ لکھ دیا کہ

''اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآنِ مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔''

(''تقویت الایمان''، صفحہ ۳)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، قرآنِ کریم پر بہتان ہے۔ اس میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ قرآن شریف کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں اور عوام کو یہ جرأت نہیں دلائی۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی یہ عبارت کسی آیت کا ترجمہ نہیں اس کے بعد جو آیت انہوں نے پیش کی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ یہ مضمون اس سے ثابت نہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب لکھتے ہیں، چنانچہ سورۃ بقر میں فرمایا ہے:

ولقد انزلنا الیک ایٰتٍ بینٰتٍ وما یکفر بھا الا الفسقون.

اور بے شک اتاریں ہم نے طرف تیری باتیں کھلی اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔

ف: یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں (یہ فائدہ بے فائدہ جناب اپنی طرف سے بڑھا کر کچھ آگے فرماتے ہیں)

''اور اللہ کے رسول کے کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہیے کہ پیغمبر تو نادانوں کے راہ بتانے کو اور جاہلوں کو سمجھانے کو اور بے علموں کے علم سکھانے کو آئے تھے۔'' (''تقویت الایمان'' صفحہ ۳)

قطع نظر اس کے کلام شانِ ادب سے دُور ہے، یہ دعویٰ کہ اللہ و رسول کے کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہیے، یعنی ہر جاہل سمجھ سکتا ہے، بالکل باطل اور نہایت فتنہ انگیزی ہے۔ آیات کا بینات کے ساتھ موصوف ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ قرآن پاک سیکھنے اور علماء سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

مولوی اسماعیل صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:

''جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اس آیت کا انکار کیا۔'' (''تقویت الایمان'' صفحہ ۳)

عوام کا تعلق علماء سے قطع کرانے میں مولوی اسماعیل صاحب کتنی کوشش بلیغ کررہے تھے یہاں تک کہہ گئے کہ جو یہ کہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اس نے اس آیت کا انکار کیا اور آیت کا انکار یقیناً کفر ہے تو دین کے سمجھنے کے لیے علم کی ضرورت بتانے والا مولوی اسماعیل صاحب کے نزدیک کافر، خارج از اسلام ہے۔ پہلے تو مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی کے قصیدہ کے دوشعر پڑھیے جو انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب و مولوی قاسم صاحب کی تعریف میں لکھے ہیں، اس کے بعد غور کیجیے کہ ''تقویت الایمان'' کے حکم سے مولوی محمود حسن صاحب کافر، خارج از اسلام، منکر قرآن ہوگئے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے عالم کو ضروری سمجھا۔ لکھتے ہیں:

پر نہ ہوں سائق و قائد جو رشید و قاسم
ہم کو کیونکر ملیں یہ نعمت یزداں دونوں

کون سمجھائے ہمیں مطلبِ اللہ و رسول
کون سکھلائے ہمیں سُنّت و قرآں دونوں

مولوی اسماعیل صاحب کا فتویٰ گھر میں ہی کام آ گیا اور مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی ان کی چھری سے ذبح ہوگئے۔ اب اس مسئلہ کے متعلق آیات واحادیث ملاحظہ فرمائیے:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک و یعلمھم الکتب والحکمہ و یزکیھم

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے ایسا رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے

اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔(۱)

اسی طرح دوسرے پارہ میں ارشاد فرمایا: ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة۔''

اسی طرح سورۃ جمعہ میں فرمایا:''یعلمھم الکتب والحکمه''۔

ان تمام آیات میں قرآنِ پاک کی تعلیم کا بیان ہے اور حضور کی اس صفت کا ذکر ہے کہ آپ اپنی امت کو قرآنِ پاک تعلیم فرماتے ہیں تو اگر قرآنِ پاک ہر جاہل اور بے علم بھی سمجھتا اور اسے سیکھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم فرمانا اور سکھانا بے کار ہوتا اور قرآن پاک میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نہ قرار دیا جاتا۔ بیسویں پارہ میں ارشاد فرمایا:

وتلک الا مثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون۔

یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر عالم۔

اب تو ثابت ہوگیا کہ مولوی اسماعیل صاحب کا یہ دعویٰ کہ قرآن پاک کے سمجھنے کے لیے علماء کی ضرورت نہیں، قرآن پاک کے بالکل خلاف ہے۔ اس مدعا پر بکثرت آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر بغرضِ اختصار اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ تفصیل کے لیے''اطیب البیان ردتقویت الایمان'' ملاحظہ کریں۔

''تقویت الایمان'' کے کثیر کفریات اور حضرات انبیاء اور سید انبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی توہین وتنقیص کے کلماۃ اور بے ادبانہ بدگوئیوں اور گستاخیوں سے کتاب بھری ہوئی ہے ایسے کلمات بے شک کفر ہیں۔''شفا شریف'' جلد۲ صفحہ ۲۳۷ میں ہے:

''ان جمیع من سب النبی صلی الله علیه وسلم او عباه او الحق به نقصافی نفسه او دینه او کسبه او خصلة من خصاله او عرض به او شبهه بشیئی علی طریق السب اله او لازرا هم علیه او التصغیر لشانه او النقص العیب له فهو ساب له والحکم فیه حکم الساب.''

---

(۱) حوالا بالا، صفحہ 57

لیکن چونکہ اسماعیل دہلوی کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس نے اپنے ان تمام اقوال سے توبہ کرلی تھی اس لیے علما محتاطین نے اس کو کافر کہنے سے احتیاطاً زبان روکی اور اقوال کو کفر وضلال بتایا، اس کا تو اللہ کو علم ہے کہ اس نے واقع میں توبہ کی تھی یا نہیں، اگرچہ آج کل کے وہابیہ جو اس کے کفریات کی حمایت وترویج کرتے ہیں وہ توبہ کے منکر ہیں۔

چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے سوال کیا کہ ایک بات یہ مشہور ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب شہید نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائل ''تقویت الایمان'' سے توبہ کی ہے۔آپ نے بھی یہ بات کہیں سنی ہے یا محض افتراء ہے،اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افتراء اہلِ بدعت کا ہے۔'' (۱)

لیکن جن علماء نے سنا کہ اس کی نسبت توبہ کی شہرت ہے،انہوں نے احتیاط کی اور مفتی کو ایسا ہی چاہیے جیسا کہ ائمہ دین نے یزید کی تکفیر ولعن سے احتیاط کی۔علامہ علی قاری اپنی کتاب ضوء المعالی شرح بدر آمالی، صفحہ ۵۱ میں فرماتے ہیں:

''لا یخفی ان الا ستحلال امر قلبی غائب من ظاهر الحال ولو فرض وجوده ولا یحتمل انه مات تائبا عنه اخرا فلا یحوز لعنه لا ظاهر او لا باطنا''۔

احتمالِ توبہ کی وجہ سے علماء کرام یزید جیسے بدبخت شقی پلید کے حق میں لعن اختیار فرماتے ہیں۔یہی حال اسماعیل کا ہے جس کی توبہ کی شہرت تھی لیکن اسمٰعیل کے بعد وہابیہ کے اور دوسرے پیشواؤں نے شانِ انبیاء علیہم السلام میں شدید گستاخیاں کیں اور توہین کے نہایت ناپاک کلمات لکھے اور باوجود بار بار ردّ کے ان پر مصر رہے،توبہ کی طرف مائل نہ ہوئے۔ان کی تکفیر میں علماء عرب وعجم نے کوئی تامل نہ فرمایا اور نہ ایسی حالت میں شریعتِ طاہرہ تامل کی اجازت دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ان کے نیت وحسن عمل کی جزا عطا فرمائے اور اپنے بندوں کو کفر وضلالت سے بچائے۔(آمین)

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، صفحہ ۶۲

(ج)

صدرالافاضل کا نظریۂ مذہب اور سیاست

حالاتِ حاضرہ اور واقعاتِ موجودہ دو جہتیں ہیں۔ دنیا میں بہت سی چیزیں دو جہتیں رکھتی ہیں اور ان میں ہر ایک کی بحث ایک جداگانہ فن ہوتا ہے۔ بادشاہ کی شخصی اور ذاتی حالت پر کلام کرنا اس کی صحت و تندرستی و طاقت شکل و شباہت عادات و خصائل وغیرہ کی بحثیں ایک چیز ہیں اور اس کی تدابیر ملک داری اور عقل سیاسی و طریق حکمرانی پر گفتگو کرنا، یہ ایک علیحدہ امر ہے۔ جس کو امر اول سے کوئی علاقہ نہیں۔ گویا دونوں ایک ہی شخص کے احوال ہیں مگر ہر بحث بجائے خود ایک مستقل اور علیحدہ امر ہے۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا فرق و امتیاز کو اٹھا دینا سخت غلطی ہے۔

انسان کے جسمانی عوارض صحت و مرض اور ان کے اسباب وعلامات پر سلسلہ سخن دراز کرنا ایک فن ہے لیکن اس کی اخروی سعادت ونجات اور رذائل و فضائل کو معرض بیان میں لانا دوسری چیز ہے۔ اس کی قوم، قبیلہ، نسب، خاندان کا ذکر ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری شے ہے۔ اس کے طرزِ زندگی اور آپس کے تعلقات اور باہمی روابط و شرکت عمل سے بحث کرنا ان سب کے سوا ایک چوتھا کام ہے۔ غرضیکہ جب کسی چیز کے متعدد پہلو ہوں تو ہر پہلو پر مستقل کلام ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ (۱)

سلطنتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ:

حالاتِ حاضرہ میں سلطنتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کا معاملہ سب سے اہم ہے، جس نے تمام عالمِ اسلام کو بے چین کر دیا ہے اور اسلامی دنیا اضطراری یا اختیاری طور پر حرکت میں آ گئی ہے۔ جوش کے دریا میں تلاطم کی کیفیت نمایاں ہے اور نوعمر بچہ سے لے کر کبیر السن شیخ تک ہر شخص ایک ہی درد کا شاکی اور ایک ہی صدمہ کا فریادی نظر آتا ہے۔

---

(۱) ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی/ ماہنامہ الاشرف کراچی 2003ء

سیاسیات کی بحثیں:

سیاسیات کی بحثیں ہمارے کلام کا موضوع نہیں اور ہمارے رسالہ کے مقاصد سے خارج ہیں، لیکن یہ معاملہ صرف ایک سیاسی پہلو ہی نہیں رکھتا، اس کا مذہبی رُخ ہمارے مبحث سے خارج نہیں ہے اس لیے ہم اجمال واختصار کے ساتھ اس کے مذہبی پہلو پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ٹرکی کی تباہی:

سلطنتِ اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقاماتِ مقدسہ بلکہ مقبوضاتِ اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدر جہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو، کم ہے اور اس درد سے جس قدر بے چینی ہو، تھوڑی ہے۔ مسلمانوں کا اقتدار خاک میں ملتا ہے، ان کی سلطنت کے حصے بخرے کیے جاتے ہیں، ارض اسلام کا چپہ سے چپہ لُٹ جاتا ہے۔ مقاماتِ مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہلِ اسلام کی چشمِ عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے، کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حرمین محرمین اور بلادِ طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاش پاش نہ ہو جائیں، ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت وحمایت، خادم الحرمین کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو تنِ واحد کے اعضاء کی طرح مربوط فرمایا ہے۔ ایک عضو کی تکلیف کا اثر دوسرے اعضاء پر پڑتا ہے اور اعضاء رئیسہ کے صدمہ سے تمام بدن متاثر ہو جاتا ہے۔

چو عضوی بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

عالمِ اسلام کے ہر متنفس کا صدمہ دوسرے مسلمان کو محسوس ہونا چاہیے، چہ جائیکہ سلطان المسلمین کا صدمہ خادم الحرمین کا درد۔

مسلمانوں کی جدو جہد:

دوسرے ممالک میں کیا ہورہا ہے یہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن ہندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کر کے پُرزور تقریروں میں جوش کا اظہار کررہے ہیں۔ سلطنتِ برطانیہ سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں۔ ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کیے جاتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں، وفد بھیجے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں، لیکن امید کے لمبے لمبے ہاتھ دل آزردہ مسلمانوں کی گردنوں میں حمائل ہوکر انہیں جابجا لیے پھرتے ہیں۔ خدا کامیاب کرے مسلمانوں نے ان مساعی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی صدا میں زور آئے اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے۔

مذہب کا فتویٰ:

اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے:

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائمردی ہمسایہ در بہشت

لیکن مذہب کا فتویٰ اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدو جہد جواز میں رہتی ہے۔

صورتِ حالات:

لیکن صورتِ حالات کچھ اور ہے اور اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہوکر بجا ہے اور درست ہے پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہوکر ان کی موافقت کرتے تو بیجا نہ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کے ہر صدا کے ساتھ موافقت کررہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے مولوی

عبدالباری کا فتویٰ، مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔

پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں، اب وہ مفلس ہوگئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقاماتِ مقدسہ اور سلطنتِ اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کردیا۔ نادان مسلمانوں نے جس طرح دریا دلی کے ساتھ جائیدادیں لٹائیں، آج اسی طرح فیاضی کے ساتھ مذہب فدا کر رہے ہیں۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ معاذاللہ۔

کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں۔ مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جاسکتا، مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ ترکی سلطنت کی بقا کے لیے مسلمان کفر کرنے لگیں، شعائر اسلام کو میٹ دیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اسلام ہی کے صدقہ میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے واسطہ مطلب۔ جو کوشش کی جائے، اپنا دین محفوظ رکھ کر ہی کی جائے، مگر،

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم طرق الھالکین

جب ہندو پیشوا ہوں اور مسلمان ان کی کورانہ تقلید پر کمر باندھیں پھر مذہب کا محفوظ رکھنا کیونکر ممکن ہے۔

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی۔ نصاریٰ کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہوکر موافقت بلادِ اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں، ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے، اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور مشت بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برابر کرنے پر تل گئے۔

ہندو نادان نہیں:

ہندو ناداں نہیں، ان کی کوئی حرکت عبث اور بیکار نہیں، وہ ہر کام کے لیے کوئی مقصد رکھتے ہیں۔ ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے۔ جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تو وہ اپنے مقصد کو مقدم رکھیں گے یا آپ کے؟

ترکِ تعاون:

انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کے کام ایک دوسرے کی امداد اور شرکت عمل سے پورے ہوتے ہیں۔ جس طرح چرند پرند اپنے اپنے ضروریات میں اپنے ابنائے نوع سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، اپنے پاؤں سے چلتے ہیں اور اپنی روزی خود تلاش کرتے ہیں، اس میں انہیں کسی بنی نوع سے استمداد کی ضرورت نہیں، نہ کسی کی نوکری کرتے ہیں نہ کوئی کارخانہ کھولتے ہیں، اپنا آشیانہ خود بنالیتے ہیں، اس طرح انسان اپنے آبنائے نوع کی شرکتِ عملی سے غنی اور بے پروا نہیں، اس کو اپنے خورد ونوش کے لیے کاشتکاری کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کھیتی کے کام انجام دے کر غلہ بہم پہنچاتا ہے، پھر پیسنے اور پکانے والے کی حاجات پڑتی ہے۔ گرمی سردی بارش سے محفوظ رہنے کے لیے بافندہ کی طرف دستِ احتیاج دراز کرنا پڑتا ہے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو اپنے تمام ضروریات اپنے ہاتھ سے انجام دے سکے اور اس کو کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہ پڑے، اسی کو تعاون کہتے ہیں۔ ترکِ تعاون کا یہ مطلب ہے کہ اس نظام کو مختل کر کے تمدن خراب کیا جائے۔

حکومت کا تعلق ہمارے ساتھ تمدن میں اس قدر نہیں جتنا سیاست میں ہے۔ تمدن کو فاسد کرنے کا بڑا اثر ہم پر پڑے گا:

اوّل بظالمان اثر ظلم می رسد
پیش از ہدف ہمیشہ کماں نالہ می کند

برابر والے سے جنگ کرنے میں بھی پہلے اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے، سامانِ حرب مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تلاش اور حملہ کے موقع کی جستجو میں سرگردانی کرنا ہوتی ہے۔ تب کہیں اس کو

تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے۔اس پر بھی اپنا غلبہ یقینی نہیں۔ جب زبردست سے مقابلہ ہوتو اپنے آپ کو کس قدر مصیبت برداشت کرنا پڑے گی اور اس کا برداشت کرنا ہم پر اتنا ہی دشوار ہوگا جتنا ہم میں ضعف ہے اور ہمارے حملہ کا تحمل اور برداشت مقابل میں بقدر اپنی طاقت کے ہوگا،ہمیں تو پہلے حملہ کی تیاری ہی فنا کے دروازے تک پہنچادے گی اور اپنی انتہائی جدوجہد سے یا ہزار مشقت ہم نے جو حملے کیا تو ہمارا کیا حال ہوگا کیا ہم اس کو برداشت کرسکیں گے؟ یہ تو اس صورت میں ہے کہ ہم ترکِ تعاون کی تمام منزلیں طے کرلیں لیکن جس قوت کے مقابلہ میں یہ اسلحہ تیز کیے جاتے ہیں، وہ ان کے تیز ہونے تک ہمارے ساتھ کیا کرے گی؟ خیر میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ ترکِ تعاون ممکن ہے یانہیں اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا ہم پر کیا اثر پڑے گا اور گورنمنٹ پر کیا۔

مسٹر گاندھی:

میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ترکِ تعاون کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدتِ دراز سے مرکوز ہے۔ ان کے کارنامہ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے،لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اپنی خواہش کے موافق کامیابی سے محروم رہے ہیں۔

سلطنتِ اسلامیہ کے معاملہ میں عیسائیوں کی زیادتیوں سے جو مسلمانوں کے جذبات کو صدمے پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کو اُبھار کر اپنے اس خیال میں شریک کر لینے کا موقع سمجھا اور تھوڑی سی لفظی شرکت کرکے انہیں اپنے ساتھ لے لیا۔مگر عجب دانائی کے ساتھ ان کو اپنے مقصد میں شریک کیا، اپنا ہمنوا اور موافق بھی بنایا اور انہیں کو رہین منت اور ممنون احسان بھی کیا۔اب مسلمان ان کی اس عنایت کے صلہ میں کہیں گائے کی قربانی ترک کرتے ہیں، کہیں ...... کھینچتے ہیں، کہیں بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ کس کس خرافات میں مبتلا ہیں۔

اس قدر عرض کردینا اور بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں کی رضا جوئی کے لیے قربانی کا ترک حرام،شعارِ اسلام ہونے کی وجہ سے اس کا ترک ممنوع اس کے علاوہ ترک قربانی میں ایک سخت جرم ہے جس کو

اسلام گوارہ ہی نہیں کر سکتا، وہ یہ کہ ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں، بتوں کی طرح گائے ان کا معبود ہے، اس کی قربانی انہیں راضی کرنے کے لیے چھوڑنا بت پرستی کی اعانت ہے۔ کیا اسلام اس کو روا رکھ سکتا ہے؟

مسٹر گاندھی کا طرزِ عمل:

ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، دل آزردہ مسلمان ان الفاظ سے جوش میں آجاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مسٹر گاندھی سلطنتِ اسلامیہ کے مقبوضات واپس دلا دیں گے...... دوسری طرف مسٹر گاندھی لہجہ بدل کر یہ فرما دیتے ہیں کہ دیکھو خبردار قانون کے حدود سے باہر قدم نہ رکھنا۔ امنِ عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا، میں تمہارے ساتھ نہیں جس سے وہ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدہ سری اور قانون شکنی اور امنِ عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو امنِ عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا طرزِ عمل تو گورنمنٹ کی نگاہوں میں خراب کر دیا اور اپنے آپ ادھر بھی سرخرو رہے، ادھر بھی۔ کیا دانائی ہے؟

مسلمان کیا کریں؟

سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت اور مقاماتِ مقدسہ کی حمایت و حفاظت کے لیے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں لیکن اپنے دین مذہب کو محفوظ رکھیں، اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ دے ڈالیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اپنی عقل و حواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فرزانگی کے ساتھ اپنے نیک و بد اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں۔

بے شک سلطانِ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت فرض ہے لیکن یہاں کے مسلمانوں کی عزت و حرمت اور زندگی کو بے فائدہ خطرہ میں ڈالنا بھی جائز نہیں۔ ہندوستان میں وہ طرزِ عمل اختیار کرنے سے پرہیز لازم ہے جس سے آئندہ اسلام کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو اور یہاں کے مسلمان اپنے مذہبی فرائض

انجام دینے میں بھی مجبور ہو جائیں۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ ۔حریفانِ وطن کی چالوں سے بھی مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ اپنی باگ اپنے ہاتھ میں ہو اپنی تدبیریں اپنی رائے سے کی جائیں ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے کچھ کام نہیں آ سکتی۔ فرض کرو آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو، کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے تو کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں، اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہیے۔

گورنمنٹ سے مقابلہ:

یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ بظاہر ہر طرح طاقتور بادار اور آئین ملک داری سے خوب واقف ہے اور تم انتہا درجہ کے کمزور، کمزور کا زبردست سے تصادم ہو تو جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہی ہماری اور گورنمنٹ کی لڑائی ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں گورنمنٹ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جانا عاقبت اندیشی سے دُور ہے۔

کیا جہاد فرض ہے؟

یہ کون کہتا ہے کہ جہاد فرض نہیں، آج موقع ہو تو ترکی کا ملک بزورِ تلوار واپس لیا جائے اور مقاماتِ مقدسہ کو اپنی جانیں نثار کر کے محفوظ کیا جائے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگا کر اٹھ کھڑے ہوں اور دشمنوں کی صفیں اُلٹ دیں، لیکن اپنی طاقت کا دیکھنا بھی تو شرط ہے ہم نے ہتھیار تو خواب میں بھی نہیں دیکھے۔ یہ بھی نہیں معلوم کے بندوق کدھر سے چلائی جاتی ہے۔ اپنے اتفاق واتحاد کا یہ حال کہ دو شخص ایک خیال پر ہی نہیں۔ آج بھی جب مقرر پُر زور تقریریں کر کے مجمع کو ہلا دیتے ہیں اور سلطنتِ اسلامیہ کے دردو غم سے آہ و بکا کا ایک شور برپا ہو جاتا ہے۔ مگر وہ تقریریں کتنوں کے حلق سے نیچے اترتی ہیں اور کتنوں کے دل واقعی رنجیدہ ہوتے ہیں؟ اس کا ثبوت شادی کے ان جلوسوں سے ملتا ہے جو تاشے باجے کے ساتھ آئے دن بازاروں میں نکالتے رہتے ہیں اور جشن وطرب کی محفلیں، رقص وسرور کی مجالسیں ترتیب دی جاتی ہیں، تھیٹروں کے پنڈال مسلمانوں سے لبریز نظر آتے ہیں، کیا انہیں کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے؟ کیا یہی بے چین اور

مضطرب ہیں؟ ایسی حالت میں بجز اس کے کہ ہم اپنی ہستی کو فنا کر دیں، اور کیا کر سکتے ہیں؟

ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کو کفار نے مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا، کعبہ مقدسہ میں بت رکھتے تھے۔ اللہ کا حبیب جس کے اشاروں پر چاند سورج پھرتے تھے اشجار ونباتات مطیع فرماں تھے ملائکہ کے لشکر امداد کے لیے حاضر خدمت رہتے تھے، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کو آباد کرتا ہے، اس وقت جہاد کا حکم نہیں دیا جاتا، تلوار نہیں اٹھائی جاتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے لیے اپنی قوتِ ظاہری کا دیکھنا بھی شرائط میں سے ہے، طاقت نہ ہو تو ایسا خیال غلط وباطل اور اپنی ہستی کو بیکار ضائع کرنا ہے۔

مولانا فاخر قید میں:

حضرت مولانا مولوی سید محمد فاخر صاحب بےخود اجملی الہٰ آبادی جیل میں گئے اور ان کو ایک سال قیدِ بامشقت کی سزا ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد کرام کی استقامت واستقلال کا نمونہ دکھادیا اور وہ نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ مردانہ وار مصائب برداشت کرنے کے لیے شاد شاد جیل پہنچے۔ ان کے جذبات سچے تھے اور انہوں امتحان میں اپنی صداقت کا ثبوت دیا۔ جس وقت مولانا موصوف کا خیال آتا ہے بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں، جو شخص سیکنڈ کلاس کے سفر کا عادی تھا، جس کے لیے مسلمان آنکھیں بچھاتے تھے، جس نے نہایت آرام وراحت کے ساتھ زندگی بسر کی، آہ آج وہ جیل میں قید کی مشقت کس طرح برداشت کرتا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کو رہا فرمائے، مسلمانوں نے ان کے پسماندوں کے لیے کیا کیا؟ کم از کم دوسو روپیہ ماہانہ ان کی ضروریات کے لیے درکار ہیں اور سنا گیا کہ مولانا مقروض بھی ہیں، ادائے قرض کی فکروں میں رہتے تھے، اب کیا کر سکتے ہیں؟ قرض کا بار دم بدم بڑھتا ہی جائے گا۔ مسلمانو ں نے اس کا انتظام کیا کیا ہے؟ اگر قوم اس وقت مولانا کی ضرویات اور ان کے اہل وعیال کے ساتھ ہمدردی کرے اور ان کے اخلاص وایثار کی قدر کرے تو یہ اس کی سعادت ہے، مولانا عالم ہیں، سید ہیں، اولیاء کرام کی اولاد ہیں دائرہ شریف کے سجادہ نشین ہیں ہر طرح خدمت وعظمت کے مستحق ہیں لیکن مجھے علم نہیں کہ اب تک ان باتوں کا کیا انتظام ہوا ہے؟ جہاں مسلمان ہزار رہا روپیہ خرچ کر رہے ہیں امید ہے مولانا کے لیے دریغ نہ

کریں گے اور اپنی قدر دانی اور دریا دلی کا ثبوت دیں گے، اگرچہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مولانا سید محمد فاخر صاحب نے اپنے جذبات کی صداقت ثابت کردی لیکن میں ان کے اس طرزِ عمل سے متفق نہیں۔ ایک عالم کے جیل میں جانے سے مسلمان اس کے علوم سے محروم ہو گئے، اس کے علاوہ اور کیا فائدہ ہوا؟ کیا ترکی کو کوئی قوت بہم پہنچ گئی؟ آئین کے اندر رہ کر کوشش کرتے، اس سے بھی گئے۔

تُرکوں کی اعانت کا طریقہ:

ہر مرض کے علاج کے لیے اس کے اسباب کی تلاش از بس ضروری ہے۔ ترکی کو یہ روزِ بد، کیوں دیکھنا پڑا؟ مقدر ایسا ہی تھا مگر عالمِ اسباب میں اس کے لیے اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب جو اصل ہے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کو کہیں کسی معاملہ میں کوئی ناکام ہو، اس سب کی علت ہے، وہ احکام اسلام سے علیحدگی ہے۔ مسلمان جب پکے مسلمان ہوں اور ہر امر میں فرمانِ اسلام کے سامنے سر نیاز خم کریں تو بحکم ربی "انتم الا علون ان کنتم مومنین" انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب و بامراد ہی رہیں گے، یہ بحث بہت تفصیل چاہتی ہے، لہٰذا اس کو انہیں الفاظ میں مختصر طور پر سمجھیے۔

ترکی میں مسلمانوں کی خانہ جنگیاں انہیں کمزور کرتی چلی گئیں، اگر طاقت کافی ہوتی تو دشمن انہیں کیا مغلوب کر سکتے تھے۔

ترکوں کے بدخواہ ان کے اپنے حلقوں میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے دشمنوں سے موافقت کی اور ترکوں نے ان پر اعتبار کیا۔

طوائف الملوکی اور ہر شخص کا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی سلطنت علیحدہ قائم کرنے کی طمع رکھنا، یہ اسباب تھے جنہوں نے برباد کر دیا۔ اگر ترکی سلطنت کی اعانت کرنا ہے تو واقعی اعانت جب ہی ہو سکتی ہے، جبکہ یہ اسباب رفع کیے جائیں۔ کیا اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا کوئی وفد قسطنطنیہ پہنچا جو ترکوں میں اسلامی ہمدردی پیدا کرنے اور غداری سے تائب ہونے کی کوشش کرتا اور اسلامی اتحاد کا جوش پیدا کر کے انہیں سلطنت اسلامیہ کی حمایت میں کھڑا کر دیتا اور ملت فروشوں کی اصلاح کرتا اور آئندہ ملت فروشی کو عام نگاہوں میں

ذلیل بنا کر اس زہریلی وبا کے اثر سے وہاں کے باشندوں کو بچانے کی تدابیر کرتا اور مسلمانانِ دنیا کے جذبات کی ترجمانی کر کے ان میں نئی سرگرمی پیدا کرتا جس سے خود بخود سلطنت کے مردہ قالب میں جان آجاتی اور دشمن اس کی قوت سے مرعوب ہو کر دستِ تعدی دراز کرنے میں جری نہ رہ سکتے تھے؟

کیا عربوں کو ترکوں کے ساتھ موافق کرنے کے لیے کوئی جماعت گئی جو وقت کی نزاکت اور عام تباہی اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرے اور انہیں ترکوں کی مدد پر آمادہ کرتی۔ کیا عربوں کی باہمی کشاکش اور جنگجوئی کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر عمل میں لائی گئی؟ اگر دو مسلمان لڑیں، تیسرا ان میں صلح کرادے، کبھی اس کے لیے کوئی فکر کی گئی یا صرف شریف مکہ کو کوسنے اور برا کہنے سے سارے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں؟ سلطنتِ اسلامیہ کی حمایت واعانت کی یہ تدبیریں ہیں یا یہ کہ فقط سودیشی پر زور دیا کیجیے؟ بالخصوص ایسی حالت میں کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی تجارت بچی نہیں۔ مجھے اس وقت یہ غور کرنا ہے کہ ہمارے ان افعال سے ترکوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟ امید ہے کہ اہل الرائے اپنے دماغوں کو عقل زائل کرنے والے جوش سے خالی کر کے اس پر غور فرمائیں گے۔ یہ جو کچھ کیا گیا نظر باسباب ظاہر تھا۔ ''والا مر بیداللہ''۔

حقیقت الامر:

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ مشیت الٰہیہ کے سامنے تمام تدابیر ہیچ ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے، عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ ''وتعز من تشاء وتذل من تشاء'' جس کو وہ ذلیل وخوار کرے تمام عالم ایک شمہ اس کی ذلت سے کم نہیں کر سکتا، جس کو وہ غلبہ دے کوئی اس کو مغلوب ومقہور نہیں کر سکتا۔ ''ان الحکم الا للہ'' سلطنتِ ترکی کمزور اور عاجز ہو سکتی ہے، بادشاہِ اسلام کا اقتدار نہ رہنا ہو سکتا ہے، برین وبحرین کے مالک کو ہائی کنٹرول کے سامنے وزراء کی وساطت سے درخواستیں کرنا پڑتی ہیں، وہ اپنے حدودِ ملک میں اپنی رعایا تک نامہ پیام پہنچانے کے لیے عیسائی افسروں سے التجا کرنے پر مجبور ہو سکتے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے بادشاہ کے ساتھ مسلح فوج کا جلوس نکالنے کی غرض سے ترکی کے فرمانروا کے وزراء کو ہائی کمشنروں کی خدمت میں عرضی دینے کی نوبت آسکتی ہے، ان کے شاہانہ جبروت واقتدار کا اس طرح خاتمہ ہو سکتا ہے مگر فرمانِ الٰہی کے نفاذ کو

کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ پریذیڈنٹ ولسن کے اصول کالعدم ہو سکتے ہیں، لیکن آسمانی عدالت کے فیصلوں اور احکم الحاکمین کے احکام میں کوئی دست اندازی نہیں کرسکتا۔ تمام قوتیں اس کے سامنے عاجز ہیں۔ وہ نمرود کے غرور کو پشہ سے پائمال کرا دیتا ہے۔ فرعون کی خود بینی کو دریائے نیل میں غرق کر کے ذلیل کرتا ہے، مسلمان اعمالِ بد سے توبہ کریں اور سچی توبہ استغفار پڑھیں، خلوتوں میں، تنہائیوں میں، عجز و نیاز کے ساتھ الحاح و زاری کے ساتھ، خلوص صادق سے پروردگار عالم کے حضور میں اپنی مصیبتیں عرض کریں۔ ترکی سپاہ بے سلاح کی جاسکتی ہے، ان کے ہتھیار چھینے جاسکتے ہیں مگر دردمند کی آہ کا تیر نہیں چھینا جا سکتا، مستجاب دعاؤں سے مقابلہ ناممکن ہے۔ عالم میں انقلاب ڈالنے والا اور جہاں کے بلند و پست کو زیروزبر کرنے والا عاجز کو غالب اور غالب کو مغلوب کرنے پر قادر ہے۔ جو چھوٹے پرندوں، بے حقیقت چڑیوں سے اصحابِ فیل کو تباہ کرا کے بیت اللہ کی حفاظت فرماتا ہے، اس کی بارگاہ میں عرض کرو۔ تمہارے وفد ناکام ہوسکتے ہیں، ڈیپوٹیشن بیکر پھر سکتے ہیں، مسٹر گاندھی کی تدبیریں ضائع جاسکتی ہیں لیکن دردمند کی آہیں، مصیبت زدوں کی سحر خواستہ دعائیں اس کے کرم سے رد نہیں ہوسکتیں۔ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا واسطہ دے کر آنسو بہاتے ہوئے دُعا تو کرو: ''ولو انھم اذ ظلمو انفسھم جاء فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول لو ادو گااللہ توابا رحیما''۔ پھر دیکھو کیسی آسمانی مدد آتی ہے، کیسی نصرت ہوتی ہے، کیسی فتحِ مبین عطا فرماتا ہے، کس طرح ظالم تباہ و برباد کیے جاتے ہیں۔ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید۔ (السواد الاعظم ماہ شوال المکرّم ۱۳۳۸ھ)

میں عالم کا بادشاہ ہوں:

میں عالم کا بادشاہ ہوں، جہاں کا فرماں روا ہوں، بر و بحر میں میرا حکم نافذ ہے، مشارق و مغارب میں میرا سکہ رائج ہے، معمورہ دنیا میرے زیرنگیں ہے، تری و خشکی کا چپہ چپہ میری قلم رو ہے، دشت و جبل میں میرے پھریرے لہراتے ہیں، ہشت اقلیم میں میرے علم بلند ہیں۔ دنیا میرے دبدبہ سے کانپتی ہے، جہاں میری سطوت سے تھراتا ہے۔ میرے رُعب و جلالت کے حضور عالم سرافگندہ ہے، ہر متنفس میرا بندۂ فرمان ہے، ہر متکبر میرے آگے سر بہ گریبان ہے، قیاصرہ و اکاسرہ میرے آستانہ بوس ہیں، ہیبت و اقتدار والے بادشاہ

عظمت وجلال والے سلاطین میرے نقشِ قدم پر جبیں سا ہیں۔ دنیا کو زیروز بر کردینے والے ملوک میرے حلقہ بگوش ہیں، میری آستانہ بوسی سلاطین کی عزت ہے، خواتین کی آبرو ہے، میں بچپن سے دشمنوں میں پلا بڑھا ہوں، اعداء کے جمگھٹوں میں رہا ہوں، ہمیشہ مفسدوں کی جماعتیں میرے مقابلہ کے لیے اٹھیں اور ناکام ہوئیں۔ شریروں نے سر اٹھائے اور پامال ہوئے۔ بدسگالوں نے مکروکید کی چالیں چلیں اور برباد ہوئیں، مخالفت کی ہواؤں میں میں نے نشوونما پائی، بارہا مصیبت کی آندھیاں آئیں اور میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں، آفتوں کے طوفان اُمڈے اور میرا کچھ نہ کرسکے۔ بلاؤں کے تلاطم برپا ہوئے اور مجھے شمہ بھر نہ ہٹا سکے، زمانہ ہمیشہ برسرِ جنگ رہا اور مغلوب ہوا۔ دنیا مدۃ العمر مصروفِ کید رہی اور خائب وخاسر ہوئی، حوادث کے لشکر آئے، مصائب کی فوجیں ٹوٹیں اور سب کو ہزیمت ہوئی، میرا ستارۂ اقبال روز بروز بلند ہوتا گیا۔ میری سلطنت و حکومت کے حدود دم بدم وسیع ہوتے رہے۔

نہ مٹا پر نہ مٹا دبدبہ میرا لیکن
مٹ گئے آپ ہی سب میرے مٹانے والے

ہر چند کہ میرے دشمن ناکام ہوئے، لیکن عداوت کے سمندر میں طغیانی کی موجیں اٹھتی رہیں، میرے مقابلہ کے لیے متحارب قوتیں متحد ہوئیں، مختلف قبائل مجتمع ہوئے ملک کے ملک کالی اور ڈراؤنی گھٹاؤں کی طرح امنڈ کر آئے۔

دنیا کے نامور بہادروں نے مجھے ضرر پہنچانے بلکہ مٹا ڈالنے کی قسمیں کھائیں بے شمار لوگوں نے اپنے جان ومال آبرو میری ایذا رسانی کی فکروں میں ضائع کیے، سلطنتیں مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں مدتوں سرگرداں رہیں، دوست نما دشمنوں نے میری جماعت میں شامل ہوکر اخلاص وعقیدت کے پردہ میں قرنوں مکارانہ چالیں چلیں مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ کوئی میرے بڑھتے قدم کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا۔ یہ تمام روئیں قلعے اور آہنی دیواریں میرے جنبش قدم سے تودہ ہائے خاک کی طرح منتشر ہوگئیں اور ان کا ذرہ ذرہ آوارہ ہوگیا، اور میرے اشاروں سے تمام طلسم ٹوٹ کر رہ گئے میرے دشمن سر بخاک ہوئے اور ان کی عناد کی کوہ

سامان عمارتیں طرفۃ العین میں نابود ہوگئیں، میں ہی ہوں جس نے دنیا کو تہذیب کا سبق دیا اخلاقِ حمیدہ اور عاداتِ پسندیدہ سکھائے، انسان کو آدمی بنایا، علم سے جہاں کو معمور کیا، شائستگی اور ادب کو رواج دیا، راست بازی اور نیکوکاری کی بنیادیں رکھیں۔

خداشناسی کی راہیں واضح کیں، معارف و حکم کے درس دیے، تہارت کے آئین بنائے، عبادت و ریاضت کے طریقے بتائے، علومِ یقینیہ سے خلق کو مالا مال کیا جہالت و ضلالت کی فوجوں کو شکست دیں، اسیرانِ ہوا کو وساوس و اوہام کے پنجوں سے رہا کیا مردم خواری دل آزادی کی عادتیں چھڑائیں ظلم اور ناانصافی کو بیخ برکندہ کیا۔ الغرض انسان کو رذال و قبائح کے ناپاک دلدل سے نکال کر پاک کیا اور فضائل و محاسن کے لباس ہائے فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ میں نے توحید کے علم بلند کیے، کفر و شرک کے عروج کو پامال، بت کدوں سے بتوں کا نکالا، بت خانوں کو مسجد بنایا، جہاں رسوم شرک ادا کی جاتی تھیں، وہاں توحید کی صدائیں بلند ہونے لگیں جھوٹے معبودوں کی جھوٹی خدائی باطل ہوئی۔ میں نے آتش خانوں کی صدہا سالہ آگ سرد کر دی مخلوق پرستی سے مخلوق بچایا، یہود و نصاریٰ ہنود و مجوس گبر و ترسا کی پیشانیاں خداوند عالم کی بارگاہ میں سجدہ کے لیے جھکائیں، میں نے کونین کے تاجدار، دارین کے سردار حضور سید انبیاء محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش اقدس میں تربیت پائی۔ سردارِ رسل کی گود میرا گہوارہ تھی۔ رحمت عال نے میرے لیے کیا کیا تکلیفیں گوارہ فرمائیں، صحابہ نے مجھ پر جانیں تصدق کیں، احد اور بدر میں حضور کے جانثاروں نے میرے لیے سرنذر کیے بیر معونہ میں ستر حافظ قرآن صحابی مجھ پر فدا ہو گئے۔ اپنے جانبازوں کی کہاں تک شمار کراوں۔ ہزارہا مقبولانِ بارگاہ، ہر زمانہ میں مجھ پر نثار ہوتے رہے، تا آنکہ فاطمہ کے لختِ جگر علی مرتضیٰ کے نور نظر، سلطان دارین کے فرزند کربلا کے جلتے ریت میں تین دن بھوکے پیاسے رہ کر اپنے نونہالوں کو مجھ پر قربان کر گئے اور خود بھی مجھ پر قربان ہو گئے اور خود بھی مجھ پر تصدیق ہو گئے۔ ان کی بیبیاں میری وجہ سے بیوہ ہوئیں۔ ان کے بچے میرے لیے یتیم ہوئے۔ انہوں نے میری وجہ سے کربلا کی زمین کو اپنے خونوں سے لالہ زار بنایا۔ مصطفیٰ کے لاڈلے امام حسین (رضی اللہ عنہ) مجھی پر جان دے گئے میری ہی وجہ سے ذبح کیے گئے میرے

ہی پیچھے ان کا تن نازنین (آہ) جو سید انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کا بوسہ گاہ تھا گھوڑوں کے سموں سے روندا گیا استخوانِ اقدس سرمہ ہوگئیں نرگس نیم خواب میں خاک پر بستر کیا گلاب کی پتیاں خاک میں مل گئیں رو دلجو پیوند زمین ہوگیا۔ سر مبارک نیزے پر تشہیر کرایا گیا، بے گناہ اسیر بنائے گئے، سید زادے دشت بدشت پھرائے گئے۔

کیسی کیسی نفیس جانوں کی میرے لیے قربانیاں ہوئیں؟ کیسے کیسے قیمتی خون میرے لیے دریا کی طرح بہائے گئے؟ جنید و شبلی میرے ہی پروانے تھے۔ معروف کرخی و سری سقطی مجھی پر مٹنے والے تھے۔ امامِ اعظم میرے ہی غلام تھے مالک و شافعی میرے ہی خدام تھے، بلادِ اسلامیہ کے کتب خانے میرے ہی احکام سے لبریز ہیں قرآن پاک کے اوراق میں میرے ہی حسن و جمال کی توصیف ہے ممالک و بلدان اقطار اکناف وطن مالوف چھوڑ کر لاکھوں عاشق میرے ہی لیے بحر و بر کے سفر کر کے احرام پوش جان فروش بن کر ہر سال میرے استانہ پر حاضری دیتے ہیں۔ دشت و جبل میں میرے فدا کار میری دعوت پر لبیک پکارتے ہیں، روزانہ پانچ وقت میرے حکم سے روئے زمین کے ہر طبقے اور خطے میں گردن فرازوں کے سر خاک پر رکھے جاتے ہیں ہر سال عید الاضحیٰ کے زمانے میں کفار کے معبود مجھ پر قربان کیے جاتے ہیں میرا بول بالا ہے اور میرا حکم اعلیٰ گو کہ ہر زمانے میں دشمن میری عداوت کے لیے کمر بستہ رہے لیکن دورِ حاضر کے دوست نما دشمن کئی پہلوں سے بڑھ گئے۔ یہ میرا نام لے کر میری حمایت کے پردے میں میری بیخ کنی چاہتے ہیں، میری مدد کی آڑ میں میری ہستی مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے ہوا خواہ بن کر میرے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کی مردہ حسرتوں میں جان ڈالنے کے لیے مسیح الملک بن جاتے ہیں گائے کی قربانی جو میرا شعار ہے ہنود کا معبود ہونے کی جہت سے چھوڑنے کے درپے ہوتے ہیں ان کی خوشنودی کے لیے مجھے ناخوش کرتے ہیں رضا کاران اسلام نام رکھ کر رام لیلا کے انتظام کرتے ہیں اور کفر کی ترویج میں کفار کی معاونت اور میری مخالفت کرتے ہیں ٹیکے لگاتے ہیں قشقے کھینچتے ہیں، عام جلسے کر کے میرے حلقہ بگوشوں کو میرے شعار ترک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کفار کو پیشوا بناتے ہیں بت پرستوں کو رہنما ٹھہراتے ہیں انبیاء علیہم الصلوۃ سے منحرف ہوتے اور دشمنانِ اسلام کو نبی

اعتقاد کرتے ہیں مولوی اسحاق علی ظفر الملک نے رفاہ عام لکھنو کے جلسہ عام میں کہا:

''اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے بالالفاظ دیگر یہ کہ مسٹر گاندھی بالقوۃ نبی ہے اگر بالفعل نہ سہی''۔(۱)

مجھے ان سے جو صدمے پہنچے ہیں وہ بہت ہی سخت ہیں میں پروردگارِ عالم کے حضور میں ان کی شکایت کروں گا سید انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے روضہ طاہرہ پر فریاد لے کر جاؤں گا اور عرض کروں گا:

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب (۲)

---

(۱) دبدبہ سکندری یکم نومبر ۱۹۲۰ء

(۲) الیواقیت المہر یہ،ص120،غلام علی مہروی مطبوعہ چشیاں، پنجاب

(۵)

صدر الافاضل کے نزدیک ہنود و نصاریٰ اور محارب و غیر محارب کا فرق (۱)

کفار خواہ کوئی بھی ہوں، مجوس یا ہنود، نصاریٰ یا یہود، موالات سب سے ممنوع اور منہی عنہ ہے۔ اس باب میں محارب و غیر محارب میں کوئی فرق نہیں، بات یہ ہے کہ کفار سب ہی اسلام و اہل اسلام کے دشمن ہیں "الکفر ملہ واحدہ" اپنے موقع پر کوئی بھی مسلمانوں سے درگزر کرنے والا نہیں ہوتا، جس کو موقع ملا، اس نے جنگ کی جس کو موقع نہیں ملا وہ ہر دم موقع کی تلاش میں رہا اور اس کے سینے میں بھی وہی عداوت بھرا دل ہے، وہی جوش غضب ہے جو محارب کے دل میں۔ یہ اس سے کسی طرح کم نہیں، لڑائی بھی قسم قسم کی ہے۔ کوئی تلوار لے کر مقابلہ میں آتا ہے کوئی دوست بن کر خفیہ تدابیر سے کام کر جاتا ہے اور صیاد کی طرح گرفتار مصیبت کرنے کے لیے دانہ سامنے رکھتا ہے اور جال خاک میں چھپاتا ہے اور اپنی کیادی و مکاری سے ضرر عظیم پہنچاتا ہے۔ مسلمانوں کا دوست ان میں ایک بھی نہیں:

یـایھـا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یؤلونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بـدت البـغـضاء من افواھھم وتخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الایت ان کنتم تعقلون O ھـانتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتومنون بالکتب کلہ واذا لقوکم، قـالـوا امـنـا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور O ان تـمـسسـکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیطO

ترجمہ: اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں درگزر نہ کریں گے، ان کی آرزو ہے

---

(۱) ماخوذ، حوالہ بالا ص122

جتنی تمہیں ایذا پہنچے۔ دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینے پوشیدہ رکھتے ہیں اور بھی بڑا ہے۔ ہم نے تمہیں کھول کر نشانیاں سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔ سنتے ہو یہ جو تم ہو، تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے، حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے۔ تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی غیظ میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اور اگر تم صبر اور پرہیز گاری کیئے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا، بے شک ان کے سب کام اللہ کے احاطہ میں ہیں۔

کفار کی عداوت قرآن پاک نے اس صراحت کے ساتھ بیان فرمائی اور ان کے آتش عناد کے تیز شراروں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔ ہر صاحبِ عقل سلیم اور ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ جن کے قلوب عداوت سے لبریز اور جن کے باطن دشمنی وعناد کا دریائے طوفان خیز ہیں ان سے غافل ومطمئن ہونا ان کو خیر خواہ اور دوست سمجھنا خودکشی کا مترادف ہے۔

عداوت جس کی طبیعت بن گئی ہو، وہ موقع نہ پانے سے دوست سمجھ لینے کے قابل نہیں ہو جاتا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سانپ دو قسم کے ہیں: ایک تو وہ جو مجھ پر حملہ کر چکا تو وہ بیشک احتراز کے قابل ہے، لیکن دوسرا وہ جس نے مجھ پر حملہ نہیں کیا، اس سے احتراز کرنا کم ہمتی اور بدخلقی ہے۔ حملہ آور اور غیر حملہ آور کے ساتھ ایک سلوک نہایت بیجا ہے۔ بایں دلیل کالے زہریلے سانپ سے احتراز نہ کرے اس کو گود میں پرورش کرے تو اس کو بے عقل ونادان کہا جائے گا اور ہلاکت اس کا مقدر ہوگا۔

قرآن پاک نے اس پر جابجا تنبیہہ فرمائی ہے اور مسلمانوں کو باخبر اور ہوشیار کیا ہے:

ان یثقفو کم، یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء و ودوا لو تکفرون.

کفار اگر تم پر موقع پائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بدی کے ساتھ دراز کریں گے اور ان کی تمنا ہے کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔

تفسیر خازن میں فرماتے ہیں:

ان یثقفو کم، ای یظفروا بکم ویرو کم، یکونوا لکم اعداء، ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء ای بالضرب والقتل والشر والسب (وودوا) ای تمنوا الو تکفرون) ای رجعون الی دینھم کما کفروا والمعنی ان ا عداء اللہ لاینا صحونھم لما بینھم من الخلاف فلا تناصحو ھم انتم توا دو ھم.

(کفار اگر تم کو پائیں) یعنی اگر تم پر دسترس پائیں اور تمہیں دیکھ لیں (تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے، اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بدی کے ساتھ دراز کریں گے یعنی ضرب وقتل اور سب وشتم کے ساتھ) اور آرزو کریں گے کہ تم کافر ہو جاؤ یعنی ان کے دین کی طرف پلٹو جیسا کہ وہ کافر ہو گئے اور معنی یہ ہیں کہ دشمنانِ خدا اللہ والوں کے ساتھ اخلاص ومحبت نہیں کرتے، کیونکہ ان کے درمیان مخالفت ہے۔ پس تم بھی ان کے ساتھ دوستی ومحبت نہ کرو۔

تفسیر مدارک میں ہے:

(ان یثقفو کم)ای یظفروا وبکم وتمکنوا منکم (یکونوا اعداء) خالصی العداوۃ ولا یکونوا لکم اولیاء کم انتم (ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء) بالقتل واشتم وودوا لو تکفرون، تمنوا لو ترتدون عن دینکم فاذا موادۃ امثالھم خطاء عظیم منکم والماضی وان کان یحری فی باب الشروط محری المضارع ففیہ نکتتہ کان قیل ودوا قبل کل شئی کفر کم وارتداد کم یعنی انھم یریدون ان یلحقوا بکم مضار الدنیا والدین من قتل الانفس وتمزیق الا عراض ورد کم کفارا سبق المضار عندھم ولو لھا لعلھم ان الدین اعز علیکم من ارواحکم لانکم یدانون لھا دونہ والعدوتھم شئی عندہ صاحبہ.

یعنی اگر تم پر موقع پائیں اور قادر ہوں تو تمہارے دشمن خالص العداوۃ بن جائیں اور تمہاری طرح وہ تمہارے دوست نہ ہوں اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور زبان بدی کے ساتھ دراز کریں قتل

وشتم کے ساتھ اور تمنا کرتے ہیں کہ تم اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ۔ ایسی حالت میں ان سے دوستی کرنا خطائے عظیم ہے اور ماضی اگر چہ باب شرط میں مضارع کے قائم مقام ہوتی ہے پس اس میں نکتہ ہے۔ گویا کہ کہا گیا کہ انہیں ہر چیز سے پہلے تمہارے کافر و مرتد ہو جانے کی آرزو ہے، یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دینی و دینوی ضرر پہنچائیں۔ جانوں کا قتل آبرو ریزی اور تمہیں کافر بنانا سب سے پہلا ضرر ہے۔ ان کے نزدیک کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دین تمہیں جانوں سے زیادہ پیارا ہے کیونکہ اس کے لیے انہیں خرچ کرنے والے ہو اور دشمن کے نزدیک وہی چیز اہم ہوتی ہے جو اس کے حریف کے نزدیک سب سے اہم ہو۔

قرآن پاک نے صاف بتایا کہ مسلمانوں کی عداوت کفار کے قلوب میں راسخ ہے وہ ان کی مصیبت سے خوش اور راحت سے ناخوش ہوتے ہیں ان کی زبانوں سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، دلوں میں اس سے سخت تر عناد ہے۔ وہ اگر موقع پائیں تو ہاتھ اور زبان سے تکلیف پہنچائیں، قتل کریں، ماریں، گالیاں دیں، بُرا کہیں کوئی تکلیف ایسی نہیں ہے، کہ ان کے اختیار میں ہو اور وہ درگزر کر جائیں۔

اب ثابت ہو گیا کہ ترکِ موالات کا حکم تمام کفار سے ہے، محارب وغیر محارب اور ہنود و نصاریٰ کا فرق باطل ہے۔ موالات تمام کفار سے ممنوع ہے اور ہنود تو بدترین کفار میں سے ہیں۔

بعض صاحبوں کا یہ خیال کہ ہندو ہم سے برسرِ جنگ نہیں ہیں، انہوں نے ہمیں گھروں سے نہیں نکالا وہ ہمارے اخراج پر مطالبہ نہیں کرتے، اس لیے ان کے ساتھ موالات جائز اور نصاریٰ کے ساتھ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ وہ برسر جنگ ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ یہ بیان واقع کے خلاف ہے۔ رات دن کے حالات، ظاہر مخفی عداوتیں، حریفانہ چالیں، قسم قسم کی ایذائیں جو ہندو پہنچاتے رہے ہیں، آرہ اور کٹار پور کے واقعات، مسلمانوں کو قتل کرنا، عورتوں، بچوں کو جلانا، گھروں کو پھونکنا قرآن شریف اور مسجدوں کی بے حرمتی کرنا اور طرح طرح کی ایذائیں، سب اس کے مکذب ہیں، ان سب سے قطع نظر کیجیے تو یہ تفرقہ قرآن پاک کی کثیر آیتوں کے خلاف ہے، جو اوپر مذکور ہو چکیں اور جو اس سے زیادہ ہیں کہ مختصر میں جمع کی جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لاینھا کم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیار کم، ان تبروھم وتقسطوا الیھم، ان اللہ یحب المقسطین.

ترجمہ: اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔

تو یہ آیت جس معنی پر مستدل کو نفع دے سکے منسوخ ہے، تفسیر جلالین میں ہے:

وھذا قبل الا مریا الجھاد.

یہ حکم جہاد سے قبل تھا۔

(تفسیر جلالین، ص ۴۵۵)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد دمشقی رسالہ ناسخ ومنسوخ میں لکھتے ہیں:

سورۃ الممتحنۃ فیھا من المنسوخ ثلثۃ احکام الحکم الاول قولہ تعالیٰ لا ینھا کم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الدین الی قولہ تعالیٰ ان اللہ یحب المقسطین نسخ بقولہ تعالیٰ اقتلو المشرکین.

سورۃ ممتحنہ میں تین حکم منسوخ ہیں۔

اول: لا ینھا کم تا مقسطین۔

آیہ اقتلوا المشرکین سے منسوخ ہوا۔

تفسیر کبیر میں ہے:

وقال قتادۃ نسخھا آیۃ القتال. تفسیر کبیر جلد ۸۔ص ۱۹۰)

قتادہ نے کہا کہ اس کو آیتِ قتال نے منسوخ کیا۔

اور بالفرض اگر آیت منسوخ نہ ہو تو بھی اس سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں، کیونکہ ''الذین لم یقاتلو کم'' سے کفار ہی مراد ہوں، اس پر کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔

۱) اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے اہلِ عہد مراد ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے

ترکِ قتال ومظاہرہ پر عہد کیا تھا اور وہ قوم خزاعہ تھی۔ اس آیت میں حضور کو حکم کیا گیا کہ اس معاہدہ کی مدت تک وفا فرمائیں، یہ قول ابنِ عباس اور مقاتل اور کلبی کا ہے۔

۲) مجاہد کا قول ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں، جو مکہ مکرمہ میں ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت نہیں کی۔

۳) اور کہا گیا ہے کہ وہ عورتیں اور بچے ہیں۔

۴) حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت اسماء بنت ابی بکر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں نازل ہوئی جن کے پاس ان کی والدہ بحالتِ شرک ہدیہ کے طور پر چند چیزیں لے کر آئی تھیں اور انہوں نے نہ ان کا ہدیہ قبول کیا نہ انہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی اور نہ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ احسان و اکرام کی۔

۵) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی ہاشم کی ایک قوم مراد ہے۔

۶) حسن سے مروی ہے کہ مسلمانوں نے حضور سرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام سے اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ واحسان کی اجازت چاہی، بہر حال اقوال بہت ہیں، ''الکل فی التفسیر الکبیر'' اس پر جزم کر لینا کہ آیت ''عن الذین'' سے کفار ہی مراد ہیں، کس طرح ممکن ہے؟ جائز ہے کہ وہ کافر مراد ہوں جولڑنے کے قابل نہیں جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، چنانچہ مفسرین کے یہ تمام اقوال ملتے ہیں۔

اور فرض کرو کہ کافر ہی مراد ہیں تب بھی استدلال صحیح نہیں کہ مراد کفار معاہدین ہیں، کیوں کہ آیت سے ان کے ساتھ بر واقساط ثابت ہوگا اور وہ ان سے ترکِ موالات کے منافی نہیں، نہ اس سے موالات کا جواز لازم آتا ہے، موالات ممنوع ہونے پر بھی ان کے ساتھ بر واقساط ممکن ہے، الحاصل آیت سے یہ ثابت کرنا کہ ہنود سے غیر محارب ہونے کی وجہ سے موالات جائز ہے، کسی طرح جائز اور صحیح نہیں۔

تفسیر رُوح البیان میں ہے:

کان الظاهر من امر المقابلة، فی الا یتین ان یقال فی الولی ان تولوهم کما فی الثانیة او بعکس ویقال فی الثانیة، ان تبروهم کما فی الاولی اویذکر کل منهما کل من الآیتین لکن الدلائل العلیة و الشواهد النقلیة دلت علی ان موالاء الکافر، غیر جائزة

مقاتلا کان او غیره، بخلاف المبره فانها جائزة لعیر المقاتل غیر جائزة للمقاتل کالموالاة..........

ترجمہ: دونوں آیتوں میں جو مقابلہ ہے اس کے لحاظ سے ظاہر یہ تھا کہ پہلی آیت میں ان تولوھم فرمایا جاتا اور دوسری میں پہلی کی طرح ان تبروھم فرمایا جاتا۔ یا ہر ایک کو دونوں آیتوں میں ذکر کیا جاتا لیکن دلائل عقلیہ وشواہد نقلیہ اس پر دال ہیں کہ کافر کی موالات ناجائز ہے، خواہ وہ مقاتل ہو یا غیر مقاتل بخلاف مبرہ کے کیوں کہ غیر مقاتل کے لیے جائز اور مقاتل کے لیے یہ بھی موالات کی طرح ناجائز ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کافر سے مطلقاً موالات ممنوع ہے، عام ازیں کہ وہ محارب ہو یا غیر محارب اور یہ مضمون آیاتِ کثیرہ سے ثابت ہے۔

یایها الذین امنوا، لا تتخذوا بطانة من دو نکم لایالو نکم خبالا.

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہاری بُرائی میں درگزر نہ کریں گے۔

تفسیر خازن میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقیل، المراد بهذا جمیع اصناف الکفار ویدل علی صحة هذا القول معنی الایة لان الله تعالی قال لا تتخذوا بطانة من دونکم فمنع المؤمنین ان یتحذوا بطانة من دون المومنین، فیکون ذالک عن جمیع الکفار.

کہا گیا اس سے کفار کے جمیع اصناف مراد ہیں اور اس قول کی صحت پر آیت کے معنی دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا تتخذوا بطانه من دو نکم تو مومنین کو غیروں کے راز دار بنانے سے منع فرمایا، یہ تمام کفار کے لیے ممانعت ہوئی۔ (خازن، ج ۱ص۲۵۴)

یایها الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفرو ایر دو کم علی اعقابو کم فتنقلبوا خسرین.

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں پلٹا دیں گے پھر ٹوٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے۔

تفسیر مدارک میں اس آیت کے تحت مسطور ہے:

قیل هو عام فی جمیع الکفار وعلی المؤمنین ان یجانبو هم ولا یطیعو هم فی شیئی حق یتحجرو هم الی موافقتهم.

(تفسیر مدارک، ج ا،ص ۲۹۱)

ترجمہ: کہا گیا کہ یہ تمام کفار کے حق میں عام ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے علیحدہ رہیں۔ کسی بات میں ان کا کہنا نہ مانیں تا کہ وہ انہیں اپنی موافقت پر مجبور نہ کریں۔

تفسیر کبیر میں "یایها الذین امنوا، لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا" الآیہ کی تفسیر میں ہے:

اعلم انه تعالیٰ نهی فی الایة المتقدمة عن اتخاذ الیهود والنصاری اولیاء ومساق الکلام فی تقریره ثم ذکر ههنا النهی العام عن مبو الاة جمیع الکفار و هو هذه الایة.

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہود ونصاریٰ کو دوست بنانے سے ممانعت فرمائی اور اس کی تقریر میں کلام جاری فرمایا پھر یہاں تمام کفار سے موالات کی عام ممانعت فرمائی۔

ان آیات وعبارات سے معلوم ہوا کہ کفار حربی ہوں، خواہ غیر حربی، جنگجو ہوں یا نہ ہوں، سب سے موالات ممنوع اور انقطاع واجب ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ اعوان وانصار اور ظہیر ومددگار بن کر آئیں تو بھی ان کے ساتھ موالات ناجائز اور مجانبت واجب ہے اور ان کی نصرت وامداد نامقبول۔

لا یتخذ المومنون الکافرین من دون المؤمنین.

ترجمہ: مومن ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

تفسیر مدارک میں ہے:

عن ان یولو الکافرین بقرابة بینهم او الصداقة قبل الاسلام او غیر ذلک.

(تفسیر مدارک، ج ا،ص ۲۲۸ے)

ترجمہ: کفار کی موالات اور دوسری سے مسلمانوں کو ممانعت کی گئی، خواہ دوستی کسی قرابت کی وجہ سے ہو یا اسلام سے پہلی رسم وراہ کی وجہ سے

تفسیر خازن میں ہے:

قیل ان عبادة بن الصامت کان له خلفاء من الیهود، فقال یوم الا حزاب، یا رسول الله ان معنی خمسمائة من الیهود، قد رایتُ ان استظهر بهم علی العدو فنزلت هذا الآیة وقوله لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء یعنی انصارا او اعوانا من دون المومنین، والمعنی لا یجعل المؤمن ولایة لمن هو غیر مومن، نهی الله المؤمنین ان یوالوا الکفار، اویلا طفوهم القرابة بینهم او محبة او معاشرة والمحبة فی الله والبغض فی الله باب عظیم، واصل من اصول الایمان. (تفسیر خازن، ج۱ص۲۲۷)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ عبادہ بن صامت کے یہود میں خلفا تھے۔عبادہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے روز حضور سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ساتھ پانچ سو یہود ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دشمن کے مقابلہ میں ان سے مددلوں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء کے معنی یہ ہیں کہ مومن کافرکواعوان وانصار نہ بنائیں اور مسلمانوں کے سوا کسی کو یار و مددگار نہ ٹھہرائیں۔ مطلب یہ کہ مومن کے اولاء و دوستی غیر مومن کے لیے نہیں، اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کی موالات اور ان کے ساتھ ملاطفت سے منع فرمایا خواہ وہ کسی قرابت ورشتہ داری کی وجہ سے ہو۔اور اللہ کے لیے دوستی اوراسی کے لیے دشمنی ایمان کے اصول میں سے بڑی اصل ہے۔

تفسیر خازن میں آیہ ''لاتتخذ وامنھم ولیأولانصیراً'' کےتحت میں ہے:

یعنی ینصر کم علی اعداء کم، لا نهم اعداء (تفسیر خازن، ج۱ص۳۸۷)

ترجمہ: یعنی کفارکوایسامددگارنہ بناؤ کہ وہ تمہارے دشمنوں پرتمہاری مددکریں کیوں کہ وہ دشمن ہیں۔

مدارک شریف میں اسی آیت کےتحت میں فرمایا:

وان بذلوا لکم الولایة النصره، فلا تقبلوا منهم.

(تفسیر مدارک، ج۱ص۳۷۶)

ترجمہ: ''اگروہ تمہارے لیے ولآیت ونصرت صرف کریں توان سے قبول نہ کرو''۔

تفسیر کبیر میں " انما والیکم الله ورسول والذین امنوا" کی تفسیر میں ہے:

لا شک ان الولایة المنهی عنها هی الولایة بمعنی النصرة.

(ج ۳،ص ۶۲۰)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ولایت ممنوعہ ولایت بہ معنی نصرت ہی ہے۔

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:

انما ذکر الله هذا الکلام طیبیا لقلوب المومنین وتعریفا لهم بانه لا حاجة بهم الی اتخاذ الا حباب والا نصارمن الکفار وذالک لان من کان الله ورسوله ناصر اله ومعینا له فای حاجة به الی طلب النصرة والمحبة من الیهود والنصاری. (تفسیر کبیر،ج ۳،ص ۶۲۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اس لیے ذکر فرمایا کہ مومنین کے قلوب کو مسرت حاصل ہو اور ان کو معرفت کرائی جائے کہ انہیں کفر کو یارو مددگار بنانے کی ضرورت وحاجت نہیں ہے کیوں کہ اللہ ورسول جس کے ناصر و مددگار ہوں، اس کو یہود ونصاریٰ سے مدد چاہنے اور محبت کرنے کی کیا حاجت؟

پھر اسی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والمراد، ان الله تعالیٰ اَمَر المسلمُ ان لا یتخذ الحبیبُ والناصُر الا من المسلمین.

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو حکم فرمایا کہ دوست اور مددگار نہ بنائے مگر مسلمان کو۔

اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

فلا تتخذ و هم، اولیاء اونصارا واحبابا فان ذالک کالا مرِ الخارجِ عن العقلِ والمروءهِ.

(تفسیر کبیر،ج ۳،ص ۶۲۳)

ترجمہ: تم انہیں اولیاء اور یارو مددگار نہ بناؤ کیوں کہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی حاجت کوئی بات عقل ومروت سے خارج ہو۔

کفار غیر محارب کفار تو ہیں، دوستی وموالات تو اہلِ بدعت اور فاسق وفجار سے بھی ممنوع ہے۔

تفسیر خازن میں ”لا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ“ کی تفسیر میں فرمایا:

قال ابن عباس دخل فی ھذہ الایة کل محدث فی الدین و کل مبتدع الی یوم القیمةِ.

(تفسیر خازن، ج۱،ص۴۱۰)

ترجمہ: ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں قیامت تک کے بدعتی داخل ہیں۔

تفسیر کبیر میں آیہ ”لاتجد قوما“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فالایة زاجر عن التود الی الکفار والفساق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول اللھم لا تجعل لفاجر ولا لفاسق عندی نعمة فانی وحدث فیما وحیث لا تحد قوما الی اخرہ. (تفسیر کبیر، ج۹،ص۱۷۱)

ترجمہ: آیت میں کفار وفساق کی دوستی ومحبت سے بزجر منع کیا گیا ہے۔حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، حضور یوں دعا فرماتے تھے: یارب! مجھ پر کسی فاجر فاسق کا احسان مت رکھ کہ میں نے قرآنِ پاک میں یہ آیت پائی ہے لا تحد۔ (الآیہ)

تفسیر رُوح البیان میں ہے:

وینبغی ان یعلم، ان المؤمن کما یلزم لہ ان یقطع الموالات عن الکفار کذالک یقطع ذالک عن القرباء الفجار.

ترجمہ: جاننا چاہیے جیسا کہ مومن پر کفار سے قطع موالات لازم ہے، ایسا ہی بدکار فاجر رشتہ داروں سے بھی مقاطعہ ضروری ہے۔

اسی رُوح البیان میں ہے:

عن سھل بن عبداللہ التستری قدس سرہ من صحیح ایمانہ فانہ لا ینس الی مبتدع ولا یحسالہ ولا یواکللہ ولا یشاربہ ولا یصاحبہ ویظھر من نفسہ العدواہ والبغضاء.

(تفسیر رُوح البیان، ج۴،ص۴۷۵)

ترجمہ: سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہ سے منقول ہے، جس نے اپنا ایمان درست کرلیا، اس کو اہل بدعت سے اُنس نہ ہوگا، نہ وہ اس کے ساتھ ہم نشین کرے، نہ اس کا ہم نوالہ وہم پیالہ ہو، نہ اس سے یارانہ کرے اور اس سے نفرت وعداوت ظاہر کرے گا۔

اس تفسیر میں ہے:

ینبغی للمومن الکامل ان ینقطع عن صحبة الکفار والفجار واهل البدع والاهواء وارباب الغفلة والانکار.

(تفسیر رُوح البیان، ج۱،ص۵۸۵)

ترجمہ: مومن کامل کو چاہیے کہ کفار و فجار اور اہلِ بدع و ہوا، اور اربابِ غفلت و انکار کی صحبت سے انقطاع کرے۔

تفسیر احمدی میں ہے:

ان القوم الظالمین یعم المبتدع، والفاسق، والکافر، والقعود، مع کلهم ممتنع.

(تفسیر احمدی،ص۳۰۸)

ترجمہ: قوم ظالم مبتدع اور فاسق وکافر سب کو عام ہے اور سب کے ساتھ بیٹھنا ممنوع ہے۔

جبکہ مبتدع اور فاسق وفاجر کے ساتھ بھی موالات ممنوع ہے تو کافر کے ساتھ ممنوع ہونے میں کیا تامل ہے؟ کافر غیر محارب کافر تو ہے، اس سے ترکِ موالات کوئی تعجب کی بات نہیں، شریعت مطہرہ فاسق مومن سے بھی ترک موالات کا حکم فرماتی ہے، اور ہنود ومشرک وبت پرست ہونے کی وجہ سے بدترین کفار میں سے ہیں۔ تفسیر خازن کے تحت ''یایها الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هذوا'' (الایہ) فرمایا:

انما فصل بین اهل الکتاب والکفار وان کان اهل الکتاب من الکفار لانه کفر المشرکین من عبدة الاصنام اغلظ وافحش من کفر اهل الکتاب. (تفسیر خازن، ج۱،ص۴۷۴)

ترجمہ: اہل کتاب اور کفار کا جُدا جُدا ذکر فرمایا اگر چہ اہل کتاب داخل کفار ہیں، اس لیے کہ مشرکین بُت پرستوں کا کفر اہلِ کتاب کے کفر سے اغلظ و افحش ہے۔

اب ظاہر باہر ہو گیا کہ ہنود سے بھی ترکِ موالات فرض ہے، اور آیت ''لا ینھکم اللہ'' (الایہ) سے کفار غیر محاربین کے ساتھ جواز معاملات ثابت کرنا باطل محض ہے، ہنود و غیر محارب ہیں نہ ذمی، بلکہ وہ اہل کتاب سے بدر جہا بدتر ہیں۔ ان سے موالات درکنار بر واحسان بھی جائز نہیں، کیوں کہ آیت ممتحنہ سے اگر بر واحسان کا جواز ثابت ہوتا ہے تو ذمی کے لیے نہ کہ حربی کے لیے۔ چنانچہ تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

الاولی فی جواز الاحسان الی الذمی الثانیہ فی عدمہ الی الحربی.

(تفسیر احمدی، ص ۵۷۷)

ترجمہ: پہلی آیت ذمی کے ساتھ جوازِ احسان کے بیان میں ہے، اور دوسری اس کے عدم جواز میں حربی کے ساتھ۔

اور موالات تو کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں، حربی ہو یا غیر حربی، اس مدعا پر آیاتِ کثیرہ پیش ہو چکی ہیں۔ آیت ممتحنہ میں جوازِ موالات پر کوئی دلالت نہیں، تفاسیر کی عبارتیں گزر چکیں، موالات تو کجا، کفار سے خواہ وغیر محارب بلکہ ذمی ہے، سے بے ضرورت سلام تک جائز نہیں چہ جائیکہ موالات۔ تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

عن ابی حنیفة رحمه الله لا یبتدا بالسلام فی کتاب ولا فی غیرہ وعن ابی یوسف رحمه الله لا تسلم علیهم ولا تصافحهم

(تفسیر احمدی، ص ۲۲۹)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کافر ذمی سے خط وغیرہ میں ابتدا سلام جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان پر سلام نہ کرو، نہ ان سے مصافحہ کرو۔

جب اسلام و مصافحہ بھی جائز نہیں تو موالات کہاں سے جائز ہو گئی، شریعت مطہرہ نے نکاح تک میں مسلمانوں پر کافروں کی خواہ وہ کوئی بھی ہوں، ذمی یا غیر ذمی شہادت تک جائز نہیں رکھی۔ ہدایہ صفحہ ۲۸۶ میں

ہے۔

و لا بد من اعتبار السلام فی انکحة المسلمین لا نه لا شهادة للکافر علی المسلم.

ترجمہ: مسلمانوں کے نکاحوں میں اسلام کا اعتبار ضروری ہے کیوں کہ مسلمانوں پر کافر کی گواہی جائز نہیں ہے۔

نیز ہدایہ میں ہے:

”لا و لا یه لکافر علی مسلم، لقوله تعالیٰ و لن یجعل الله للکافرین علی المومنین سبیلا ولهذا لا تقبل شهادةُ علیهِ.

(ہدایہ،ص۲۹۸)

ترجمہ: کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر روانہ کرے گا۔اسی لیے مسلمان پر کافر کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

اگر اس مسئلہ میں عباراتِ فقیہہ کا التزام کیا جائے تو بہت زیادہ ہوں،لہٰذا میں اسی قدر پر اکتفا کر کے کلام ختم کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ بنی نوع کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

و صلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعین، کتبه العبد المتعصم بذیل سید المرسلین

محمد نعیم الدین المراد آبادی غفرله ولو الدیه.

(۱) ماہنامہ السوادالاعظم ۱۹۳۰ء، مرادآباد انڈیا

صدر الافاضل کا سفرِ آخرت اور یادگاری نقوش

﴿بابِ چہارم﴾

صدرالافاضل کا سفرآخرت اور چند یادگاری نقوش

آپ کے خلیفہ اور شاگرد مولانا معین الدین نعیمی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قدس سرہ کی آغوش رحمت وشفقت میں پرورش پائی میرے والد ماجد صوفی صابر اللہ شاہ صاحب مرادآبادی حضرت اقدس سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور کوئی بھی خانگی امر حضرت سے مخفی نہ تھا۔کوئی بیمار ہو، یا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو، سب میں صرف حضرت ہی پر اعتماد رہا تھا۔احوال ماحول کے تابع ہوتے ہیں۔

قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس کے والد جس پر اس قدر اعتماد وعقیدت رکھتے ہوں، لازمی والدین کی شفقت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کی اولاد بھی ان پر جان نثار کرے جس پر یہ قربان ہیں چنانچہ میری خوردسالی میں برابر میرے والد امجد مجھے اپنے ہمراہ حضرت کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ حتی کہ جب ۱۹۳۳ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں اردو فارسی کی میری تعلیم شروع ہوئی تو روزانہ بعد نماز عصر دربار اقدس کی حاضری معمول ہوگئی تھی۔ پھر جب ۱۹۳۶ء میں میرے اسباق عربی شروع ہوئے تو اور زیادہ حاضری کا موقع ملتا رہا۔

جب حضرت قدس سرہ نے اپنی تفسیر قرآن کریم کی دوبارہ طباعت شروع کرائی تو اپنے ہمراہ تصحیح اصل مسودہ ترجمہ وتفسیر کے لیے نظر کرم اس فقیر پر فرمائی روز بروز حضرت کی نظر کرم زیادہ ہوتی رہی، حتی کہ تفسیر کی طباعت کے دوران (۱۹۴۱ء میں) حضرت کو حبس بول کا عارضہ شدید صورت اختیار کر چکا تھا اور اس بیماری کا یہ دوسرا حملہ تھا، جو ۱۹۲۸ء کے بعد شدت کے ساتھ ہوا۔تین روز مسلسل حبس بول رہا۔ڈاکٹر آتے تھے۔ پیشاب نکالنے کی کوشش کرتے تھے مگر کامیاب نہ ہوتے تھے، یہاں تک کہ قریب قریب ڈاکٹر مایوس ہو چکے تھے۔اس شدت مرض میں آپ نے اپنے بڑے فرزند ارجمند حضرت مولانا حکیم سید ظفر الدین احمد صاحب کو بلایا۔اس وقت دوسرے صاحبزادگان اور مخصوص نیازمندان بھی حاضر مجلس تھے اور حضرت سیّدی استاذی تاج العلماء

مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ نعیمہ مرادآبادی قدس سرہ) تو برابر حاضر رہتے ہی تھے اور ازدیاد و شدت مرض نے بے چین کر رکھا تھا، ان تمام حضرات کی موجودگی میں فرمایا:

''مولانا میاں (یعنی بڑے صاحبزادے) قرآنِ کریم کی طباعت مکمل نہیں ہوئی ہے، تصحیح کا کام شاہ جی (یعنی راقم الحروف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، آپ ہمیشہ شاہ جی ہی سے راقم کو یاد فرماتے تھے) مکمل کرانا چونکہ یہ میری طرز تحریر اور رسم خط سے خوب خوب واقف ہوگئے ہیں۔ میں تو ان کو تحریر دیتا تھا یہ اپنی سعادت مندی سے لے لیتے تھے لیکن تم ان کو ہر حال میں راضی رکھنے کی کوشش کرنا، اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے احمد یار خان (صاحب تفسیر نعیمی) کو بلا لینا، یہ دونوں حضرات تفسیر کی طباعت کی تصحیح کر لیں گے''۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو شفا عطا فرمائی اور حضرت نے اس خادم کے ساتھ خود ہی اس تفسیر کی مکمل تصحیح کی۔ اسی دوران میں راقم الحروف بیمار ہوگیا اور میری بیماری نے اتنی شدت وطوالت اختیار کی کہ دو سال بستر پر پڑا رہا۔ سات مرتبہ موتی جھرہ نکلی اس کے بعد فالج گرا مرض نے شدت اختیار کی۔

حضرت کے کرم کا یہ حال تھا کہ پڑھا رہے ہیں طلباء سامنے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو شاہ جی کو دیکھ آئیں۔ اس طرح جب تک میں بیمار رہا۔ ہفتہ میں کئی کئی بار بسا اوقات روزانہ غریب خانہ پر تشریف لاتے اور مجھے تسلی وتشفی دیتے۔ اس سلسلہ تشریف آوری میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ دس پانچ روپے میرے تکیہ کے نیچے نہ رکھ دیے ہوں۔

جب شہر کے بڑے بڑے اطباء وحکماء مجھے جواب دے چکے تو حضرت نے فرمایا، اب ایک نسخہ ہے جو شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کو زندگی بخشنی ہوئی تو آرام آجائے گا لیکن وہ نسخہ بے حد قیمتی ہے۔ فی خوراک اس کی قیمت تین روپے ہوتی ہے اور دن میں ایسی تین خوراکیں دینی ہوں گی، لیکن یہ حضرت قدس سرہ واقف تھے کہ والد صاحب کا سلسلہ روزگار میری علالت کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ اب گھر اور بیماری کا خرچ صرف حضرت قدس سرہ کے کرم خسروانہ پر تھا۔ خود ہی فرمایا یہ دوا دیتے رہو۔ چنانچہ حضرت نے اس کو شروع فرما دیا۔ ساڑھے تین مہینے تک مسلسل نو روپے روز کے دوا دی جاتی رہی، اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا حضرت کی دعا شفقت نے

درجہ قبولیت پایا۔ دوا کے استعمال سے دن دونی رات چوگنی صحت عود کر آ گئی۔ میں اس قابل ہو گیا کہ سواری میں بیٹھ کر آستانہ قدسی کی حاضری دے سکتا تھا۔

اس ضعف و ناتوانی کے دور میں جب بھی میں بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت اپنا وہ گاؤ تکیہ جو حضرت کے لیے خاص تھا نکال میری کمر کے پیچھے لگا دیا جاتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی تو اسی وقت ختم ہو گئی تھی اب باقی جتنی بھی میری حیات تھی وہ حضرت قدس سرہ کی دعاؤں کے نتیجہ سے تھی، اس لیے آپ کی حیات طیبہ میں یا بعد میں جس قدر بھی تحدیث نعمت کی جائے کم اور بہت کم اور میری وسعت اختیار سے بالا ہے۔

غرضیکہ بیماری کے بعد ۱۹۴۵ء میں میری دستار بندی حضرت نے فرمائی اور میری حاضری پھر بدستور سابق شبانہ روز آستانہ قدس میں شروع ہو گئی۔ ۱۹۴۳ء چونکہ اماجی مرحومہ (یعنی والدہ شہزادگان) کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ اپنے دونوں بڑے صاحبزادوں اور ان کے گھربار کے اخراجات کے خود متکفل تھے اور تمام نفوس کا خرچ خود ہی برداشت فرماتے تھے، اس لیے گھر کے خورد و نوش کا انتظام اس خادم کے سپرد تھا۔

اسی دوران میں تحریک قیام پاکستان شروع ہو گئی۔ آپ نے سنی کانفرنس کی تنظیم تیز تر فرمائی اور ملک میں دورے شروع کر دیئے اور اس خادم کو مرکزی دفتر ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا منصرم مقرر کیا اور جب ملک میں حضرت کے دورے قیام پاکستان کے سلسلہ میں شروع ہوئے تو اس خادم کو بھی اپنی خدمت میں ساتھ رکھا حتی کہ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی اور اگست ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت قدس سرہ کے مرضِ ذیابیطس میں اضافہ ہو گیا اور جسم روز بروز گھٹتا رہا صحت جواب دیتی رہی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ میرا آفتابِ عمر بر سر کوہ ہے اور یہ شمع علم و عرفان گل ہونے والی ہے وہ روپیہ جو سنی کانفرنس کا میرے پاس جمع ہے اس کو کسی ایسی جگہ خرچ کرانا چاہئے جو سنی کانفرنس کا مقصد اصلی ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۸ء میں آپ نے آل پاکستان کا طوفانی دورہ کیا۔ حتی کہ لاہور بھی اسی غرض سے تشریف لائے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات صاحب قادری (خطیب مسجد وزیر خاں لاہور پاکستان) سے جو اس وقت ''پنجاب سنی کانفرنس'' کے صدر اعلیٰ تھے، تبادلہ خیالات کیا۔ ملکی حالات استفسار فرمائے۔

پھر لاہور سے کراچی کا عزم کیا۔ اسٹیشن پر مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم الصدیقی میرٹھیؒ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور دیگر احباب و نیاز مندان برائے استقبال حاضر ہوئے۔ حضرت علامہ مولانا عبدالعلیم الصدیقی کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ مولانا الشاہ ابوالمحامد سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی۔ حضرت مولانا مفتی صاحبداد خان سندھ، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب باندوی، اور دیگر احبابِ اہلسنّت کے مشورے سے طے پایا کہ ایک ادارۂ تبلیغ قائم کیا جائے اور اس کے تحت دورہ کر کے مسلمانوں میں تبلیغ مذہب انجام دیا جائے۔ تو آپ نے حاجی محمد ابراہیم صاحب مانکڑا اسیٹھ کاٹھیاوار کو دو ہزار روپیہ سنی کانفرنس کا دیا اور فرمایا۔ یہ رقم کام شروع کرنے کے لیے ہے لیکن یہ رقم کم نہ ہو۔ اس کو پورا کرتے رہنا تمہارا کام ہے۔ اس تبلیغی ادارہ کے صدر مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ مقرر کیے گئے۔ جب یہ تمام کام ختم کر چکے تو حضرت نے ارادہ فرمایا کہ بغداد شریف نجف اشرف کربلائے معلّیٰ بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت فرمائیں کراچی تو آ ہی گئے ہیں۔ چنانچہ پاسپورٹ اور سیٹیں سب مکمل ہو چکی تھی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ مرض نے انتہائی شدت اختیار کر لی، بالآخر زیارتوں کا ارادہ ترک فرمادیا اور لاہور واپس تشریف لے آئے لاہور آنے کے بعد مرض نے خطرناک صورت اختیار کرنی شروع کر دی، مسلسل غذا کے نہ پہنچنے سے ضعف ونقاہت کا استیلاء ہونا لازمی تھا، چونکہ آپ کا قیام ہمیشہ حضرت علامہ مولانا ابولبرکات سید احمد صاحب قادری ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے یہاں ہوتا تھا۔ اس سفر میں بھی آپ نے یہاں ہی قیام فرمایا۔ سید صاحب نے بے حد تگ و دو کر کے اسپیشل طیارے (ہوائی جہاز) میں دہلی کے لیے سیٹ ریزرو کروائی اور آپ مرادآباد واپس تشریف لے گئے۔ مرادآباد پہنچنے کے بعد تو حالات دن بدن مایوس کن ہوتے چلے گئے۔ شہر کے بڑے بڑے حکیم وڈاکٹر آتے رہے، اپنے فن کے کمال دکھاتے رہے مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی ہوا۔ میرا ہمیشہ کا معمول رہا ہے کہ کبھی حضرت کے سامنے نہیں لیٹا اور نہ کبھی چارزانوں بیٹھا۔ ہمیشہ آستانہ پر کسی دیوار یا ستون کی اوٹ میں رات کو لیٹتا تھا تاکہ مجھے حضرت لیٹے ہوئے نہ دیکھیں۔ چنانچہ اس بیماری کے زمانہ میں بھی اگر غنودگی نے بہت مجبور کیا تو چار پائی کے پیچھے سرہانے گاؤتکیہ پر سر رکھا۔ کچھ نیند لے لی۔ حضرت اگر کبھی کروٹ بھی لیتے تو میں بیدار ہو جاتا تھا۔ اسی دوران میں ایک شب حضرت

کے سرہانہ تکیہ پر سر رکھے ہوئے لیٹا تھا۔ کچھ غنودگی سی طاری ہوگئی کیا دیکھتا ہوں کہ:

''ایک نہایت عالی شان بقعہ نور کمرہ ہے چاروں طرف قالین پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں آپ متواتر شب میں خواب دیکھا کہ ایک طرف حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونق افروز ہیں دوسری طرف حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ایک طرف حضرت سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ مشکل کشا ایک طرف حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تکیہ لگائے رونق افروز ہیں، آخر میں ایک کونہ پر ایک نشست خالی ہے کمرہ کے دروازہ پر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں کہ ایک طرف سفید عمامہ باندھے سفید ململ کی اچکن پہنے حضرت قدس سرہ آرہے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہاری نشست اندر خالی ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ میرے لیے یہی بڑی سعادت ہے کہ جوتیوں میں ہی جگہ مل جائے مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے، حضرت نے عرض کیا الامر فوق الادب اس خالی نشست میں اپ کو لے جا کر بیٹھایا گیا، آپ ابھی پوری طرح بیٹھے بھی نہیں تھے کہ میری آنکھ کسی وجہ سے کھل گئی۔ صبح کو سیدی استاذی تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہ کی موجودگی میں اپنا خواب بیان کیا تو آپ کو یہ سن کر خوشی میں آنسو نکل آئے۔ فرمایا:

''میرا انتظار ہے اب میں جارہا ہوں، یہی اس کی تعبیر ہے، حضرت تاج العلماء نے عرض بھی کیا کہ یہ خواب حضور کی صحت کی طرف اشارہ کررہا ہے، مگر آپ نے پھر یہی فرمایا نہیں! میرا انتظار ہے''۔

چنانچہ آپ نے اپنی غیر منقولہ جائیداد کو اپنے مذکور چاروں صاحبزادوں میں گھر پر کمیشن بلا کر منتقل فرمایا، منقولہ جائیداد کو تقسیم کیا۔ صرف آٹھ سو روپے اپنے تجہیز وتکفین اور مراسم فاتحہ وچالیسویں، علاج کے لیے باقی رکھا اور قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر جو کہ آپ کے بڑے صاحبزادے کے نام رجسٹرڈ تھا، سب کی موجودگی میں ان سے وصیت فرمائی کہ یہ رجسٹریشن چاروں صاحبزادوں کے نام منتقل کردو'' بہ حصہ مساوی

چاروں اس کی آمدنی میں شریک رہیں گے۔

بڑے صاحبزادے نے سر اطاعت جھکا دیا اور حضرت قدس سرہ کو مطمئن کیا اس کے بعد مریدین کا ایک تانتا بندھنا شروع ہو گیا۔ ایک جماعت آتی تھی، داخلِ سلسلہ ہو کر جاتی تھی کہ دوسری جماعت آ جاتی۔ خدا معلوم کہاں کہاں سے لوگ آتے تھے؟ آخر ایام میں چونکہ ضعف ونقاہت سے آواز بالکل پست ہو گئی تھی۔ تو یہ خادم حضرت کے لب ہائے مبارک کے پاس اپنے کان لے جاتا آپ ارشاد فرماتے اور میں اس کا اعادہ کرتا اور مرید اس کو کہتے جاتے تھے حتی کہ رحلت سے ایک گھنٹہ قبل تک یہی سلسلہ رہا، جب کبھی میں نہ ہوتا تو حضرت تاج العلماء قدس سرہ یہ خدمت انجام دیتے۔

علالت کے زمانہ میں حضرت مجھے بعد مغرب گھر جانے کی اجازت مرحمت فرماتے تھے اور میں ایک گھنٹہ یا کچھ کم وبیش میں واپس آ جاتا تھا اگر میرے گھر جانے تک کچھ غذا ملاحظہ نہیں فرمائی ہے تو جب تک میں واپس نہیں آتا تھا میرا انتظار فرماتے تھے۔ غذا کے لیے جو بھی عرض کرتا فرماتے شاہ جی کو آنے دو۔

وصال مبارک سے ایک ماہ قبل میں نے عرض کیا کہ حضور نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں جب تجھ سے بہت خوش ہوں گا تجھ کو ایسی چیز دوں گا جو تجھے ہمیشہ کے لیے کافی ہوگی۔ حضور مجھ سے جو غلطیاں ہوئی ہوں، ان کو معاف فرماتے ہوئے اب اگر کرم فرمادیں تو زہے نصیب۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنا وہ وعدہ یاد ہے۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ تجھ میں اس کی طلب ہے یا نہیں؟ اب میں تجھ کو وہ چیز دیتا ہوں جو تجھے عمر بھر کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ فرمایا اور عطا فرمائی۔ وہ چیز ہے جس کو آپ نے چند ہی افراد کو مرحمت فرمایا ہے آپ فرماتے تھے ایک تو تیرے والد کو دیا ہے اور سید کو (یعنی مولانا ابوالبرکات صاحب کو) مولوی احمد یار خاں کو اور چند مخصوص لوگوں کو اور یہ میں اسی وقت دیتا ہوں جب میں اس سے بے حد خوش ہوں۔

۸ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ کو میں نے عرض کیا کہ حضور اگر مجھے سلسلہ کے فیوض سے بہرہ ور فرمادیں تو نجات کی ضمانت ہو جائے۔ آپ نے اشارہ فرمایا۔ میں چارپائی پر داہنی جانب دوزانوں بیٹھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور داخلِ سلسلہ فرما کر اپنے اوراد واشغال اور سلاسل کا ماذون ومجاز فرمایا اور صبح کو ایک مثال (سند اجازت) اور چند مخصوص اشغال مرحمت فرمائے۔

وصال سے دو ہفتے قبل آپ نے مجھ سے فرمایا: شاہ جی تم نے میری بیاض خاص کی نقل کرلی ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا نقل کرلو، پھر تم کو دیکھنی بھی نصیب نہ ہوگی چنانچہ یہی ہوا کہ اس کا دیکھنا بھی میسر نہیں ہوا میں نے جلد از جلد اس کو نقل کر کے ایک ہفتہ قبل پیش خدمت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور اس پر دستخط فرمادیں، چونکہ زمانہ نہ دیکھا ہے کہ میں خدمتِ اقدس میں ہر وقت باریاب رہتا ہوں کہیں کوئی یہ بدگمانی نہ کرے کہ میں نے خود خفیہ نقل کی ہے۔ اس بات پر آپ مسکرائے اور دستخط فرمادیئے۔ یہ وہ آخری دستخط ہیں کہ اس کے بعد آپ نے دستخط ہی نہیں کئے۔ اور اس خادم کے پاس موجود ہیں۔

اسی طرح وصال سے تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ میرے کان میں شدید درد تھا، اور بے ساختہ سوتے جاگتے کان پر ہاتھ جاتا تھا، صبح کو مجھ سے اشارہ فرمایا۔ میری سمجھ میں نہ آیا۔ کمرہ کے باہر حضرت سیدی تاج العلماء (قدس سرہ) تشریف فرماتے تھے، ان سے عرض کیا آپ نے اشارہ سمجھا کہ قلم ودوات طلب فرمارہے ہیں۔ قلم ودوات اور کاغذ پیش کیا گیا آپ نے لکھا:

''میں رات کو دیکھتا ہوں کہ بے اختیار بار بار تیرا ہاتھ کان پر جاتا ہے، جاؤ ڈاکٹر مشتاق نبی کو کان دکھاؤ''۔

یہ تحریر اتنی شکستہ اور غیر مانوس تھی کہ تحریر دیکھ کر تاج العلماء کے بے اختیار آنسو نکل آئے اور فرمایا: اللہ اکبر! یہ اس ہستی اقدس کی تحریر ہے، جس کے بے شمار شاگرد ہر طرزِ تحریر میں کاتب وخوشنویس ہیں، آج ضعف نے یہ حال کردیا کہ تحریر پڑھی بھی نہیں جاتی۔ یہ تحریر بھی آخری تحریر ہے، جو میرے حق میں لکھی گئی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی حرف نہیں لکھا۔ یہ تحریر بھی آپ کے تبرکات میں محفوظ ہے۔

اسی دورانِ علالت کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدی تاج العلماء (قدس سرہ) نے جو کہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے مہتمم بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی جامعہ کا حساب وکتاب پیش کیا حضرت نے اس وقت آپ کو ایک سند اعتماد وخوشنودی کارڈ اطمینان حساب وکتاب تحریر فرمادی چنانچہ اس دوران میں حضرت کے بڑے صاحبزادے نے جو مدرسہ کے متولی تھے حضرت سے عرض کیا کہ حضور مجھے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مدرسہ کا کیا حساب و کتاب اور کتنی رقم ہے؟ حضرت نے فرمایا مولانا محمد عمر کی امانت دیانت محبت میری جانچی ہوئی ہے۔ تمہاری

سب کی سعادت اسی میں ہے کہ ان کے قدم دھو کر پیو، ان کے کاموں میں دخیل نہ ہو، یہ میرے معتمد مخلص ہیں۔

آپ کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے **حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر** پڑھتے رہتے تھے، مگر اب کے علالت کے زمانہ میں ہر وقت آپ کا یہ ورد رہتا تھا۔ کچھ ایام قبل آپ کلمہ شہادت **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد اعبدہ و رسولہ** پڑھتے رہتے تھے۔ ایک روز مجھ سے فرمایا:

> ''شاہ جی! تو گواہ رہنا جب مجھے افاقہ ہوتا ہے، تو میں کلمہ شہادت پڑھتا ہوں۔'' غالباً یہ ''**انتم شھداء اللہ فی الارض** ''ارشادِ نبوی کے ماتحت عمل فرمایا گیا، ورنہ کہاں میں اور کہاں اس بقعہ نور کے لیے شہادت؟''۔

الغرض وہ دن آیا کہ جس دن وصالِ حق سے سرفراز ہونا اور ہمیں دنیا میں تڑپتے ہوئے چھوڑ جانا تھا۔ جمعہ کا دن تھا، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۸ء تاریخ تھی۔ صبح ہی سے آثار اس قسم کے پائے جارہے تھے کہ یہ اہلسنّت کا تاجدار، علم و فضل کا گوہرِ آبدار، حقیقت و معرفت کا شہسوار آج ہی کے دن کا مہمان ہے۔ حسب معمول مجھے حکم دیا کہ جاؤ جمعہ کی نماز پڑھاؤ۔

میں جب نمازِ جمعہ آپ کی مسجد میں پڑھا کر واپس آیا تو قصبہ سنبھل کے ایک عقیدت کیش چودھری اختر حسین صاحب قدم بوسی کے لیے آئے ہوئے تھے اور آپ کے چھوٹے داماد حکیم سید حامد علی صاحب بھی موجود تھے میں نے غذا کے لیے عرض کیا فرمایا نہیں! چودھری صاحب کے لیے چائے بناؤ، چائے بنائی گئی اور حضرت سے چائے کے لیے عرض کیا، آپ نے فرمایا: لاؤ، میں نے اور حکیم صاحب نے سہارا دے کر کلی کرائی اور چائے پلائی شروع کی۔ یکا یک ضعف کا ایسا استیلاء ہوا کہ لٹانا پڑا اور سب کلمہ شریف پڑھنے لگے، کچھ وقفہ کے بعد جب سکون ہوا، تو آپ نے فرمایا، تم سب کلمہ پڑھ رہے تھے رُک کیوں گئے؟ مجھے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے بعد پھر مرید ہونے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حضرت تاج العلماء (قدس سرہ) قلعہ کی جامع مسجد سے نماز جمعہ پڑھا کر جب آئے تو میں نے آپ سے سارا ماجرا عرض کیا جامعہ نعیمیہ سے حضرت استاذی مولانا محمد یونس صاحب نعیمیؒ، مولانا قاضی احسان الحق

صاحب نعیمی، اور چند طلباء بھی آ گئے حضرت نے چند نصائح تحریر کرائے:

(۱) میرے جنازہ کی نمائش نہ کرنا اگر لوگ زیادہ اصرار کریں تو مدرسہ کے صحن میں نمازِ جنازہ ادا کرنا۔

(۲) وہاں سے سیدھے میری آخری آرام گاہ لے جانا۔

(۳) حضرت تاج العلماء (قدس سرہ) نے عرض کی کہ حضور مجھے اجازت دی جائے کہ میں آج رات یہیں حاضر رہوں؟ فرمایا نہیں شاہ جی کافی ہیں۔ پر آپ نے عرض کی شاہ جی کے ساتھ کوئی دوسرا ہونا ضروری ہے یا تو مجھے اجازت دیں اور اگر مجھے اجازت نہیں تو کم از کم مولانا محمد یونس صاحب کی خواہش ہے کہ ان کو اجازت دے دی جائے؟۔

فرمایا: ہاں وہ اگر رہنا چاہیں تو باہر برآمدہ میں رہ سکتے ہیں''۔

چنانچہ مولانا محمد یونس صاحب کو مدرسہ سے بلایا گیا، اور سب کو رخصت کر دیا گیا، گیارہ بجے کا وقت تھا حضرت نے اپنی سہ دری کے تینوں دروازے بند کرا دیئے۔ حضرت مولانا محمد یونس صاحب اور منجھلے صاحبزادہ مولانا محمد اختصاص الدین صاحب سہ دری کے باہر تخت پر بیٹھے رہے۔ کمرہ میں میرے اور حضرت کے سوا کوئی نہ تھا، تھوڑی دیر مجھ سے گفتگو فرمائی، اس کے بعد حضرت خاموش ہو گئے، تقریباً گیارہ بجے حضرت نے فرمایا پنکھا کھول دو، میں نے کھول دیا پھر فرمایا کم کر دو میں اس کی رفتار نمبر ۲ پر کر دی پھر فرمایا اور کم کر دو میں نے نمبر ۳ پر رفتار کر دی۔ کچھ وقفہ کے بعد فرمایا بند کر دو۔ اس کے بعد مجھ سے کہا میرا بازو دباؤ۔ چنانچہ میں چارپائی کی داہنی جانب بیٹھ کر بازو اور کمر دبانے لگا، دیکھا کہ کچھ زبان سے فرما رہے ہیں اور چہرۂ اقدس پر بے حد پسینہ ہے، میں نے اسے رومال سے جو تہہ کیا ہوا آپ کے سینہ پر رکھا تھا، چہرہ سے پسینہ خشک کیا، آپ نے نظر مبارک اٹھا کر میری طرف ملاحظہ فرمایا پھر آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کیا، لیکن دم بدم آواز پست سے پست ہوتی چلی گئی ٹھیک بارہ بج کر ۲۵ منٹ پر مجھے پھیپھڑوں کی حرکت بند ہوتی معلوم ہوئی خود رو بہ قبلہ ہو کر ہاتھ پیر سیدھے کر لئے تھے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے جانِ پاک جان آفرین کے سپرد ہوئی۔

(انا للہ و انا الیہ راجعونO)

آہ! نعمت عظمی آج ہم سے جُدا ہوئی، جس کا ثانی اب ہماری نظروں میں نہیں۔ اس کے بعد میں

نے مولانا یونس صاحب کو بلایا اوران سے عرض کیا: آیئے! اب ہمارے لیے سوائے عمر بھر رونے کے کچھ نہیں ہے۔ چادر اُڑھا دی گئی۔ حضرت تاج العلماء کو والد صاحب کے ذریعہ خبر دی گئی اوراسی وقت شہر میں ایک کہرام مچ گیا جوق در جوق لوگ آنے لگے جو آتا بادیدہ تر قرآن خوانی میں مشغول ہوجاتا۔ اسی وقت ملک کے گوشہ گوشہ میں تار دیدیے گئے آپ کے انتقال کا صدمہ اہل سنت کو جو ہونا تھا وہ تو ہونا ہی تھا اغیار کو بھی ایسا صدمہ تھا کہ وہ اپنی مسجدوں میں روتے تھے اور کہتے تھے کہ زندگی میں ہمارااوران کا گوکیسا ہی اختلاف تھا لیکن یہ حقیقت تھی کہ علم وفضل میں یکتا اورنظر وبصیرت میں بے مثل تھے۔

حضرت تاج العلماء ''قدس سرہٗ'' حضرت مولانا محمد یونس صاحب نعیمی اور صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم ظفرالدین احمد صاحب مولانا اختصاص الدین احمد صاحب اوراس خادم نے حضرت کوغسل دیا جامہ ہائے عروسی (کفن) پہنایا گیا، پھر درونِ خانہ آخری زیارت کرائی گئی۔ پھر دروازہ پرایک جم غفیر آخری دیدار اور جنازہ کا منتظر تھا غرضیکہ ہجوم وازدحام اور مجمع کثیر کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ سب جنازہ کی مسہری کو کندھادے کراس سے استفادہ کرسکیں اس لیے لانبے لانبے بانس مسہری کے دونوں گوشوں میں باندھے گئے اور وصیت کے مطابق مقررہ راستوں سے جنازہ گزارا گیا۔ جس طرف سے جنازہ گزرتا تھا ہر گھر سے نالہ وبکا اور چیخ وپکار کی آوازیں آتی تھیں اور صحیح معنی میں اس وقت تمام شہر اپنے آپ کو یتیم سمجھ رہا تھا۔ صوفیاءکرام مشائخ عظام کی جماعت جنازہ کے آگے ذکر کرنے میں مشغول تھی حتی کہ جنازہ جامعہ نعیمیہ پہنچا، وہاں صحنِ جامعہ میں جنازہ رکھ کر حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی پھر جنازہ کو دارالحدیث میں لاکر رکھا گیا۔

یہ وہ دارالحدیث ہے جس میں حضرت قدس سرہ برسہا برس سے درسِ حدیث دیا کرتے تھے اوراعلان کیا گیا کہ زائرین ادب کے ساتھ فرداًفرداًایک دروازہ سے آئیں اوردوسرے دروازہ سے نکلتے جائیں۔

اس کے بعد جامعہ نعیمیہ کی مسجد کے بائیں گوشہ میں آپ کی آرام گاہ مقرر ہوئی اورآپ کو سپردِ خاک کرتے ہوئے زبان حال سے عرض کردیا گیا۔

اے خاک تیرہ عزت مہمان نگاہِ دار

این نور قلبِ ماست کہ در پردہ گرفتہ

اور مولانا معین الدین نعیمی نے یہ تحریر کیا:

زد نیا رفت سوئے باغ جنت
ادیب و عالم علم محمد
بگو مخدوم سالِ ارتحالش
نعیم الدین ، نعیم فذفضلِ ایزد (۱)
(۱۳۶۷ھ)

---

(۱) تحریک پاکستان اور علماء کرام،ص 250،مولفہ محمد صادق قصوری/حیاتِ صدرالافاضل،ص 267لاہور

صدر الافاضل کے علمی آثار اور ادارے

جامعہ نعیمیہ مراد آباد:

حضرت صدر الافاضل نے ۱۳۲۸ھ میں ارادہ فرمایا کہ مراد آباد میں اہلسنّت و جماعت کا ایک ایسا مدرسہ قائم کرنا چاہیئے جس میں معقول ومنقول کی معیاری تعلیم دی جاسکے، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے ایک انجمن بنائی، جس کے ناظم ومہتمم آپ ہی مقرر ہوئے اور حکیم حافظ نواب حامی الدین احمد مرادآبادی مرحوم کو اس انجمن کا صدر بنایا گیا اور آپ نے اس انجمن کے تحت ایک مدرسہ قائم کیا جس کو اس وقت ''مدرسہ انجمن اہلسنّت و جماعت'' کا نام دیا گیا(۱)۔ جب نواب حامی الدین احمد مرحوم اور ان کے رفقاء کا انتقال ہوگیا تو انجمن کو انتظامی اعتبار سے مدرسہ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا، لیکن مقاصد کو برقرار رکھا گیا، اور اس وقت کے نئے منتظمین کے قرار داد کے بعد یہ مدرسہ باقاعدہ حضرت کے نام نامی کے ساتھ منسوب کیا جانے لگا، چنانچہ اس کا نام ''مدرسہ نعیمیہ'' مشہور ہوا اور حضرت انجمن کی بھی سرپرستی فرماتے رہے تھے۔ پھر جب اس کے فارغ التحصیل طلباء وعلماء نے ملک کے اطراف واکناف میں پھیل کر اپنے اپنے مقام میں مدرسے قائم کیے اور ان کا الحاق بھی اسی ''مدرسہ نعیمیہ'' کے مرکزی مدرسہ سے ہوا۔ بعد میں اس مدرسہ کا نام ''جامعہ نعیمیہ'' رکھا گیا اور بحمدہ تعالیٰ آج تک یہ ادارہ اسی نام سے قائم ومشہور ہے۔ اور ہندوستان میں اہلسنّت و جماعت کی مرکزی درسگاہوں میں اس کا میں شمار ہوتا ہے۔(۲)

☆ تصانیف:

آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں ہی ''الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ'' نامی کتاب تصنیف فرمائی اور اس

---

(۱) مقالہ علماء حق مرادآباد 1964، ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد
(۲) مقدمہ کتاب عقائد، مولفہ صدر الافاضل کراچی

کے بعد تقریباً ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتب ورسائل آپ سے یادگار ہیں اور اکثر مطبوعہ ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) تفسیر خزائن العرفان علی حاشیہ کنزالایمان فی ترجمہ القرآن ۱۳۳۰ھ، مطبوعہ، تاج کمپنی لاہور

(۲) اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان، مطبوعہ

(۳) آداب الاخبار

(۴) سوانح کربلا، مطبوعہ

(۵) کتاب العقائد

(۶) کشف الحجاب

(۷) اسواط العذاب

(۸) التحقیقات لدفع التلبیسات

(۹) زادُالحرمین

(۱۰) ریاض نعیم، مطبوعہ لاہور

(۱۱) احقاق حق

(۱۲) ارشادالانام فی محفل المولود والقیام

(۱۳) القول السدید

(۱۴) گلبن غریب نواز

(۱۵) فرائدالنور

(۱۶) سیرت صحابہ (۱۷) فتاویٰ نعیمیہ، وغیرہ

آپ کی تصانیف آپ کی حیات ہی میں مرادآباد سے شائع ہوئیں اور ادارہ نعیمیہ لاہور، از ہر بک ڈپو کراچی، مکتبہ اہلسنّت کراچی، نوری کتب خانہ لاہور اور مکتبہ فریدیہ کراچی نے بھی بعض کتابیں شائع کیں۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی 1980ء

پاکستان میں صدرالافاضل کی یاد میں قائم بعض تعلیمی وصحافتی ادارے

- مدرسہ بحرالعلوم مخزن عربیہ، آرام باغ کراچی...... بانی مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ
- جامعہ نعیمیہ لاہور...... بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ
- ماہنامہ ''عرفات'' لاہور
- دارالعلوم نعیمیہ کراچی...... بانی مولانا مفتی ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ
- ماہنامہ ''النعیم'' کراچی
- جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر کراچی...... بانی مفتی عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ
- مدرسیہ غوثیہ گجرات...... مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ
- دارالعلوم محمدیہ بھیرہ...... بانی پیر محمد کرم شاہ ازہری نعیمی علیہ الرحمۃ
- دارالعلوم نعیمیہ للبنات لاہور

☆ مدرسہ مخزن عربیہ بحرالعلوم، آرام باغ کراچی:

حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی یاد میں ''مدرسہ مخزن عربیہ بحرالعلوم'' آرام باغ کراچی آپ کے خلیفہ تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے قائم کیا تھا۔

☆ جامعہ نعیمیہ لاہور:

صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے نام سے منسوب اہلسنّت و جماعت کی مرکزی دینی درس گاہ ''جامعہ نعیمیہ'' لاہور کے بانی مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آغازِ تدریس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد عالم سیالکوٹی، مولانا عبدالغفور اور مولانا عبدالحیٔ نے معاونت کی۔

ماہنامہ ''عرفات'' لاہور:

دین اسلام اور علم دین کی اشاعت و فروغ کے لئے مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ نے دینی رسالہ ماہنامہ ''عرفات'' بھی جاری کیا، جس کی ادارت آپ کے فرزند ار جمند علامہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کر رہے ہیں، یہ رسالہ علمی اور تحقیقی مضامین کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

☆ دار العلوم نعیمیہ کراچی:

دار العلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل بی ایریا کراچی حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمتہ کے نام سے منسوب اہلسنّت و جماعت کی مرکزی دینی درس گاہ ہے جو تقریباً 10 ہزار مربع گز پر مشتمل ہے اور مزید زیر تعمیر و تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ دار العلوم کا قیام 1972ء میں عمل آیا۔ دار العلوم نعیمیہ کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد 30 نومبر 1975 / 25 ذوالقعدہ 1395ھ کو غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ دار العلوم نعیمیہ کے بانیان میں حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ کا نام سرفہرست ہے۔

دار العلوم نعیمیہ کی شاندار عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دار العلوم میں اقامتی طلباء کیلئے اقامت کے جملہ انتظامات موجود ہیں۔ نیز دار العلوم میں 20 کمپیوٹر پر مشتمل کمپیوٹر لیب اور لائبریری بھی موجود ہے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں کتب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دار العلوم میں ''مسجد نعیمی'' بھی قائم ہے، جس میں بیک وقت ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

دار العلوم نعیمیہ تنظیم المدارس (اہلسنّت) پاکستان کا اساسی رکن اور اس سے ملحق ادارہ ہے۔ تنظیم المدارس کا پاکستان کا منظورہ شدہ نصاب جو دینی و عصری علوم کا جامع ہے، اس ادارے میں نافذ العمل ہے اور اس کی اعلیٰ سطحی ڈگری حکومت پاکستان سے ایم۔اے عربی و اسلامیات کے مساوی منظور شدہ ہے۔ دار العلوم نعیمیہ آج اپنی قومی و بین الاقوامی دینی خدمات کی وجہ سے منفرد و ممتاز ہے اور یہ ادارہ پاکستان کے چند ممتاز اور مایہ ناز دینی مدارس میں سے ایک ہے۔ اس ادارے سے فارغ التحصیل علماء، قراء اور حفاظ اندرونِ ملک اور

بیرون ملک میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆ ''ماہنامہ النعیم'' کراچی:

دارالعلوم نعیمیہ سے ایک عظیم الشان علمی، فقہی اور تحقیقی مجلّہ ماہنامہ ''النعیم'' بھی نکلتا ہے، جس میں ملک بھر کے مستند علماء کرام اور اہل علم وفکر کے تحقیقی مقالات اور علمی وفکری تحریروں کو شائع کیا جاتا ہے۔مجلّہ کی ادارت مولانا نصیر اللہ نقشبندی اور مولانا محمد ناصر خان چشتی (فاضل دارالعلوم نعیمیہ) کے ہاتھوں میں ہے۔

☆ جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر کراچی:

مولانا صدرالافاضل کے نام سے منسوب ایک اور مدرسہ ''جامعہ مجددیہ نعیمیہ'' ملیر کراچی میں واقع ہے ،جس کی بنیاد مفتی عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ نے صاحبداد گوٹھ ملیر میں ۱۹۵۵ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے رکھی اور بعد میں اس کو دو عظیم ہستیوں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہما الرحمۃ کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''جامعہ مجددیہ نعیمیہ'' رکھا۔اس دارالعلوم کی جدید تعمیر ۱۹۶۱ء میں ہوئی تھی اور مفتی صاحب نے اس دارالعلوم کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

☆ جامعہ غوثیہ نعیمیہ، گجرات:

''جامعہ غوثیہ نعیمیہ'' کا دینی تعلیمی ادارہ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت صدرالافاضل کی یاد میں شہر گجرات میں قائم کیا۔اور اسی ادارے کے تحت آپ نے بے شمار دینی وسیاسی تدریسی تصنیفی خدمات انجام دیے اب آپ کے صاحب زادگان کی اولاد میں سے کوئی صاحب دینیخدمات انجام دے رہے ہیں۔

۞ دارالعلوم محمدیہ بھیرہ...... بانی پیر محمد کرم شاہ ازہری نعیمی علیہ الرحمۃ

۞ دارالعلوم نعیمیہ للبنات لاہور

﴿باب پنجم﴾

آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کا تعارف وخدمات

﴿بابِ پنجم﴾

آپ کے چند مشاہیر تلامذہ وخلفاء کا علمی وملی کردار

جامعہ نعیمیہ مرادآباد، یوپی، انڈیا سے بے شمار علماء فارغ التحصیل ہوئے اور ہندوستان کے طول وعرض میں بکثرت دینی مدارس قائم کرنے میں پیش پیش رہے اور کئی کئی کتب کے مولف ومصنف کہلائے، پاک وہند کی متعدد دینی، تعلیمی، سیاسی تحریکات میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ ان میں بعض تو اپنے استاد وشیخ استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس (۱۹۴۶ء) کے اجلاس میں شریک ہوئے اور انھوں نے ہندوستان کے ہر ہر شہر، اضلاع، گاؤں گاؤں تشریف لے گئے اور قیام پاکستان کے اغراض ومقاصد سے عوام کو نہ صرف آگاہ کرتے رہے بلکہ قیام پاکستان کے حصول کو ناممکن سے ممکن بنادیا۔ (۱)

حضرت صدرالافاضل (علیہ الرحمۃ) کی طرح آپ کے مندرجہ ذیل مشاہیر تلامذہ وخلفاء نے بھی فکر رضا کو فروغ دینے میں نہ صرف اپنے استاد کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ دینی وملی خدمات ادا کرنے میں پیش پیش رہے اور تاہنوز مصروف عمل ہیں۔

- علامہ ابوالبرکات سید احمد القادری علیہ الرحمۃ
- مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ
- تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ
    - علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی
    - علامہ مفتی محمد عبداللہ نعیمی علیہ الرحمۃ
    - مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی ابن مفتی محمد عمر نعیمی
    - ڈاکٹر مظاہر اشرف الاشرفی مدظلہ

---

(۱) یہ باب استاذ محترم ڈاکٹر جلال الدین نوری کے مقالہ سے ماخوذ ہے۔ (راحت)

- حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمتہ
- مولانا شاہ محمد اجمل سنبھلی علیہ الرحمتہ
- علامہ مفتی ابوالخیر نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمتہ
- مولانا شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمتہ
- مولانا عتیق الرحمٰن تلسی پوری گونڈوی علیہ الرحمۃ
- مولانا حبیب اللہ بھاگلپوری علیہ الرحمۃ
- مولانا وصی احمد سہسرامی علیہ الرحمۃ
- مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمۃ
- مولانا عبدالعزیز خان فتح پوری علیہ الرحمۃ
- مولانا شاہ عبدالرشید خان فتح پوری علیہ الرحمۃ
- مولانا غلام قادر اشرفی، لالہ موسیٰ
- مولانا غلام فخر الدین گانگوی، میانوالی
- مولانا ابونعیم محمد صالح نعیمی، لاڑکانہ
- مولانا محمد علم الدین فریدکوٹی علیہ الرحمۃ
- علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نعیمی علیہ الرحمۃ، سرگودھا
- مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ
- علامہ مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ، لاہور
- علامہ غلام جیلانی میرٹھی
- مجاہد ملت حافظ مولانا حبیب الرحمٰن قادری رضوی
- علامہ مولانا شمس الدین جونپوری

آپ کے مشاہیر تلامذہ و خلفاء کرام جو تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اُن میں چند مشاہیر تلامذہ و خلفاء کے سوانحی خاکہ اور علمی و دینی خدمات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت استاذ العلماء ابوالبرکات سید احمد القادری الوری الاشرفی الرضوی

(المتوفی ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ)

آپ ۱۳۱۹ھ/مطابق ۱۹۰۲ء بمقام نواب پورہ ریاست ''الور'' میں پیدا ہوئے۔ (۱)

اپنے والد حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد دیدار علی شاہ الوری (علیہ الرحمتہ) سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم قوت الاسلام ''الور'' کے فاضل اساتذہ جن میں مولانا پرول خاں صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی، مولانا عبدالکریم، مولانا ظہور اللہ، مولانا ارشاد علی الوری، مفتی زین الدین اور صوفی عبدالقیوم علیہم الرحمتہ کی زیر نگرانی درجہ وسطانیہ تک تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے حضرت صدر الا فاضل استاذ العلماء مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ کی خدمت میں مراد آباد پہنچے۔ وہاں شرح مسلم احمد اللہ، صحاح ستہ، علم طب، شمس البازغہ، میبذی، صدر اور افق المبین وغیرہ کی سبقاً تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث کے لیئے اپنے والد کی خدمت میں آگرہ پہنچے۔

۱۳۳۳ھ میں حدیث کی سند حاصل کی، لیکن والد گرامی نے مزید تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ آپ کو ''مدرسہ منظر اسلام'' بریلی لے گئے ایک روایت کے مطابق صدر الا فاضل بھی آپ کے ساتھ تھے اور دونوں حضرات کی درخواست پر حضرت ابوالبرکات دربار رضوی میں داخل کرا دیئے گئے۔ چنانچہ آپ بریلی میں کئی سال تک برائے تعلیم مقیم رہے۔ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ) نے آپ کو علم الفقہ ورسم المفتی، فقہ الحدیث، علم جفر، علم توقیت، علم المنطق والفلسفہ اور علم الاخلاق والتصوف کی تعلیم دی اور بعد فراغت آپ کے والد کے ساتھ آپ کو بھی ۱۹۱۶ء میں خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔ (۲)

جب آپ بریلی سے پھر دوبارہ آگرہ پہنچے تو اس وقت آگرہ علماء دین اور علماء سیاست کا مرکز بن چکا

(۱) تذکرۂ علماء اہلسنّت وجماعت لاہور، ص۲۲ علامہ اقبال احمد فاروقی/تذکرہ علماء اہلسنّت کانپور۔ مولفہ مولانا محمود احمد قادری۔

(۲) تفصیلات مولانا احمد رضا بریلوی اور علماء لاہور میں ملاحظہ کیجیے۔

تھا تحریک خلافت زوروں پر تھی ۔مولانا ابوالکلام آزاد ،مولانا عبدالماجد بدایونی ،مولانا عبدالحامد بدایونی کے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی ،مولانا فاخرالہ آبادی خلافت کے پلیٹ فارم سے کانگریس کے حق میں تقاریر کرتے مگر مولانا دیدارعلی شاہ الوری مفتی آگرہ اور مولانا سید ابوالبرکات ان لوگوں کی مخالفت میں جلسے کرتے جس سے دونوں کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔پھرانہی دنوں اہلِ لاہور کی دینی وسیاسی سرگرمیوں میں مولانا دیدارعلی شاہ الوری (علیہ الرحمتہ) کو جامع مسجد داتا گنج بخش کی خطابت کے لیے طلب کیا گیا تو آپ لاہور پہنچے اور حضرت نے پنجاب کے دل شہر لاہور میں تقاریر کر کے اہلِ پنجاب کو ایک نیا ذوق دیا۔

واضح رہے کہ انہی ایام میں داتا گنج بخش کی جامع مسجد زیرِ تعمیر تھی ۔غلام رسول (مرحوم) موجودہ عمارت بنوارہے تھے محرم علی چشتی ،سید محمد امین اندارابی اور خلیفہ مولوی تاج دین کے مشورہ سے آپ کو مسجد وزیر خاں میں تدریسی علوم دینیہ پر مامور کر دیا گیا،مسجد وزیر خاں میں ان دنوں حضرت مولانا دیدارعلی شاہ الوری ہی خطابت فرماتے رہے تھے کہ سید صاحب کی محنت کی شہرت نے سارے پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا طلباء جوق در جوق لاہور پہنچنے لگے' اور مسجد وزیر خاں کے وسیع صحن میں دینی علوم حاصل کرنے والوں کے نہ رکنے والے جھمگھٹے لگ گئے ،مرزا ظفر علی جج ،ان دنوں مسجد وزیر خاں کے متولی تھے انہیں طالب علموں کے اجتماع سے سخت اختلاف تھا چنانچہ حضرت مولانا دیدارعلی شاہ نے مسجد وزیر خاں سے استعفادے دیا، اسی اثناء میں لاہور کے سنی علماء زعما نے لاہور جیسے عظیم اور قدیم شہر میں ایک دارالعلوم کی ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کیا ' چنانچہ قاضی حبیب اللہ' مولوی محمد دین حاجی شمس الدین جیسے جلیل القدر لوگوں نے مالی تعاون کیا اور مولانا محرم علی چشتی نے حزب الاحناف لاہور کی بنیاد رکھی' اور ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو باقاعدگی سے تعلیم وتدریس کا آغاز ہو گیا ۔ان دنوں اس دارالعلوم میں مولانا مہرالدین ،قاضی سراج الدین احمد جیسے نامور شاگرد زیرِ تعلیم تھے انہی طلباء کے ساتھ سید صاحب نے ''لوکرشاپ'' کے سامنے نماز جمعہ پڑھانے کا آغاز کیا (الحمدللہ ۵ سال تک آپ وہاں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہے)

دارالعلوم حزب الاحناف کا ابتدائی دور بڑا بے سروسامانی کا دور تھا' مسجد وزیر خاں سے نکلے تو لنڈا بازار، وہاں سے اٹھے' تو پکی دروازہ ،پھر وائی انگہ کی مسجد' اور بعدازاں مائی لاڈو کی مسجد' میں تدریس جاری

رکھی آخر کار ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو دہلی دروازہ کے اندر تین گنبدوں والی مسجد جو شیر شاہ سوری کے زمانے کی تعمیر شدہ تھی دار العلوم کے لیے منتخب کی گئی، مسجد کی صفائی ہوئی حضرت علامہ پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ نے ابتداء میں اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپے مسجد کی صفائی پر خرچ کیا اور نو ماہ میں سنی دار العلوم اپنی تابانیوں سے جلوہ گر ہو گیا۔(۱)

ابتدائی اساتذہ میں حضرت مولانا سید دیدار علی شاہؒ کے علاوہ سید ابوالبرکاتؒ، علامہ ابوالحسناتؒ، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزارویؒ، مولانا عبدالحنانؒ جیسے لوگ شریک درس تھے۔ سب سے پہلے جلسے میں پاک و ہند کے نامور سنی علماء و مشائخ کرام کا اجتماع ہوا، جس میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، حجتہ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا عبدالعزیز خان، فتح پوری مولانا رحم الٰہی، مولانا مشتاق احمد کانپوری، حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی، مولوی عبدالمجید باڈے والے، مولانا عبدالحمید بنارسی، صبغۃ اللہ شہید انصاری فرنگی محلی اور مولانا حشمت علی خان لکھنوی ثم پیلی بھیتی جیسے نامورانِ اہلسنّت تشریف لائے۔(۲) اس جلسے نے پنجاب بھر میں دار العلوم کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے اور آگے چل کر ''دار العلوم حزب الاحناف'' نے سینکڑوں نہیں ہزاروں علماء کرام اور بڑے بڑے فاضلانِ روزگار پیدا کیے، جو آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ مولانا مہر الدین، قاضی سراج احمد، مولوی محمد علی، ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاران (سیالکوٹ)، مولانا حافظ مظہر الدین، مولانا غلام دین، مولانا عبداللہ قصوری اور حافظ محمد عالم سیالکوٹی، علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، سید محمود احمد رضوی، مولانا خلیل احمد قادری، مولانا غلام مہر علی چشتیاں، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا سلیمان (لسبیلہ/بلوچستان)، مولانا شبیر احمد اظہری کراچی، مولانا غلام یٰسین الامجدی الاعظمی جیسے مایہ ناز فرزندانِ اہلسنّت کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

بیعت:

مولانا ابوالبرکات حضرت شیخ الاسلام علی حسین کچھوچھوی اشرفی (علیہ الرحمتہ) سے بھی مرید تھے۔

---

(۱) ماہنامہ ''الاشرف'' کراچی، دسمبر ۲۰۰۳ء نیز تذکرہ علماء اہلسنّت لاہور ص ۱۲۲۔

(۲) مولفہ اقبال فاروقی مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور علماء لاہور مجید اللہ قادری دیکھئے۔ (نوری)

اسی نسبت سے آپ اشرفی بھی کہلائے اور حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہمرکاب ۱۹۳۰ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور روحانیت کی دولت سے دامن مراد بھر کر لوٹے، وطن واپس لوٹے اور خدمت دین میں مستغرق ہو گئے۔

بداعتقاد لوگوں سے مقابلہ:

لاہور اُن دنوں بد اعتقادیوں کے طوفانوں کی زد میں تھا' وہابی، دیوبندی، نیچری، مرزائی، اور قادیانیوں کے علاوہ کئی قسم کے دوسرے فتنے اٹھتے اور سنیت کے اس کوہ سے ٹکراتے آپ نے علماء دیوبند کے مولوی اشرف علی تھانوی (۱) کو لاہور میں مناظرے کے لیے للکارا' مگر وہ مقابلے پر نہ آئے پھر آپ نے مولوی احمد علی لاہوری کا مقابلہ کیا' مولانا ظفر علی خان کی ''زمیندار'' کی خرافات کا بھرپور طور پر علمی جواب دیا۔ مشرقی کے غلط مذہب کا پوسٹ مارٹم کیا مرزائیوں سے مناظرے کیے' اور چکڑالیوں کو چاروں شانے چت گرایا' اس سلسلہ میں آپ کی مشہور ترین تحریریں جن میں مناظرہ ''فتح المبین'' اور ''ضیاء القنادیل'' سامنے آئیں اس حق گوئی کے سلسلہ میں آپ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ مگر آپ نے اپنا کام جاری رکھا۔

مورخین کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جب فتاویٰ رضویہ کی جلد اول حسنی پریس بریلی میں چھپوانے کا اہتمام فرمایا تو اس کی نظر ثانی اور طباعت کی مکمل ذمہ داری آپ ہی پر رکھی گئی تھی، پھر بہار شریعت (مولفہ مولانا امجد علی اعظمی) کی ابتدائی حصے ابوالعلائی پریس آگرہ سے آپ نے ہی طبع کرائے، سنیوں کے تاریخی رسالہ ماہنامہ سواد اعظم مراد آباد کا پہلا شمارہ مراد آباد سے آپ کی ادارت میں شائع ہوا۔

دینی وسیاسی تحریکات میں حصہ:

آپ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے بانیین میں سے تھے ۱۹۴۶ء میں ۲۷ اپریل اور ۳۰ تک تقریبا پانچ صد علماء ومشائخ کی آراء سے جو تجاویز اور قراردادیں منظور ہوئیں ان میں آپ پیش پیش تھے اور تحریک پاکستان کے لیے ہر قسم کی کمیٹیوں میں آپ کا اسم گرامی شامل رکھا گیا۔

---

(۱) تفصیلات ''سیدی ابوالبرکات'' میں دیکھئے۔

آپ نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دیں اس کو قطعی فراموش نہیں کیا جاسکتا، ۱۹۴۶ء میں آپ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں لاہور سے علماء ومشائخ کی ایک جماعت لے کر شریک ہوئے تھے اور مطالبہ پاکستان کے حق میں نعرہ بلند کیا تھا۔ اس جماعت میں آپ کے صاحبزادے علامہ سید محمود احمد رضویؒ بھی تھے۔ لاہور میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا عظیم الشان جلوس آپ ہی کی قیادت میں نکلا تھا، اس میں آپ کے بھائی مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری صدر جمعیت علماء پاکستان اور بھتیجے مولانا خلیل احمد قادری اور بیٹے مولانا سید محمود احمد رضویؒ پیش پیش تھے۔

تمام ہی علماء اہلسنّت گرفتار ہوچکے تھے۔ دارالعلوم حزب الاحناف ہی تحریک کا مرکز بنا رہا، اسی طرح ۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء پاکستان کے احیاء میں بھی آپ کا نمایاں کردار رہا، آپ کی صدارت میں جمعیت علماء پاکستان کی پارلیمانی بورڈ کا انتخاب ہوا اور حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت کا پارلیمانی لیڈر منتخب کیا گیا تھا۔ آپ کی معیت اور قیادت میں آپ کے تلامذہ وخلفاء نے بھی دینی وسیاسی تعلیمی تحریکات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی وسماجی خدمات کے ساتھ ساتھ بے شمار دینی مدارس قائم کیے، آپ نے تقریباً ۵۰ سال تک لاہور اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیا اور ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کی بھرپور قیادت کی تھی ۹ رجنوری ۱۹۷۴ء میں آپ کو تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ آپ کا شمار اکابرین اہلسنّت وجماعت اور اجلہ خلفاء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی میں بھی ہوتھا۔ آپ پہلے اشرفی نعیمی اور بعد میں رضوی کہلائے۔

مراجع وحواشی

۱) تعارف علامہ اہلسنّت، مولانا محمد صدیق ہزاروی

۲) تذکرہ علماء اہلسنّت وجماعت لاہور ر مولفہ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ص ۳۲۰ مطبوعہ مکتبہ بنوریہ لاہور ر مئی ۱۹۸۷ء

۳) سیدی ابوالبرکات ر علامہ سید محمود احمد رضوی ر مطبوعہ لاہور

۴) مولانا ابوالعظیم ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاران سیالکوٹ

۵) ابوالبرکات اپنے مکتوبات کے آئینے میں ر مولفہ مولانا محمد محبّ اللہ نوری

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ

(المتوفی (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا الشاہ سید دیدار علی الوری (خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) کے فرزند اکبر مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری (۱۳۱۴ھ۔ ۱۸۹۶ء) میں ریاست ''الور'' (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد ایران کے سادات سے تھے جہاں سے مغلیہ دور حکومت میں بسلسلہ تبلیغ اسلام ہندوستان آئے۔ اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان تشریف لائے وہ سید اسماعیل شاہ قادریؒ تھے۔ آپ بڑے ہی باکرامت صاحب علم اور پابند سنت تھے آپ بلگرام ''فرخ آباد'' یوپی سے ہوتے ہوئے ''الور'' میں قیام پذیر ہوئے۔ انہی کے پڑپوتے سید نثار علی شاہ اپنے زمانے کے مشہور عالم دین اور صاحب عرفان بزرگ گزرے ہیں۔

ابتدائی تعلیم:

مولانا ابوالحسنات کی عمر ابھی پانچ سال تھی کہ آپ کو ''مفتی زین الدین'' مرحوم کے درس میں داخل کرایا گیا جہاں حافظ عبدالحلیم اور حافظ عبدالغفور سے حفظ قرآن مکمل کیا۔ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ مرزا احمد بیگ مرحوم سے اردو و فارسی کی کتب مروجہ کا مطالعہ کیا اور فن تجوید پر قاری ''قادر بخش'' صاحب مرحوم الوری کی نگرانی میں آپ نے مہارت حاصل کی۔(۱)

۱۹۰۸ء میں آپ حفظ قرآن، اردو و فارسی، انشاء پردازی اور قرأت و تجوید میں خاصی دسترس حاصل کر کے فارغ ہوئے۔

اساتذہ:

آپ نے پندرہ سال کی عمر میں جلالین، تفسیر بیضاوی، کتب احادیث، منطق، فقہ و اصول فقہ اور ادب

(۱) تذکرۂ علماء اہلسنّت و جماعت لاہور، ص ۳۱۵، مولفہ صاحبزادہ اقبال احمد قادری ایم اے

عربی میں مکمل عبور حاصل کرلیا۔ مزید علمی فقہی کتب کا درس استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور اعلیٰ حضرت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی سے لیا اور اسناد فضیلت حاصل کیں اور علم طب نواب حامی الدین خاں مرادآبادی سے سیکھا۔

مولانا ابوالحسنات ایک متجسس اسکالر کی طرح حصول تعلیم وتبلیغ اسلام کے سلسلے میں ابتدائے عمر میں شہر شہر، قریہ بقریہ اور مکتب بہ مکتب گئے۔ ہر صاحب علم کے پاس پہنچے۔ زانوئے ادب تہ کیا اور دامن مراد بھرا۔ آپ کے طالب علمی کے زمانے کی ایک ذاتی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بمبئی، جے پور، بھرت پور، دہلی، آگرہ، متھرا، لاہور، ملتان، پشاور، بریلی، رام پور، بدایوں، پیلی بھیت، غرضیکہ برصغیر کے ہر قصبہ وشہر میں علم کی خوشہ چینی کے لیے قیام کیا۔

تمتع زہر گوشئہ یافتم　　　　زہر خرمئے خوشئہ یافتم

مسجد ''تریولیہ'' کی شہادت:

آپ علوم دینیہ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ''الور'' کی مسجد ''تریولیہ'' ہندوؤں نے شہید کردی۔ اس واقعہ نے مسلمانانِ ''الور'' میں رنج واضطراب کی لہر دوڑادی۔ جواں سال ''ابوالحسنات'' کو مسجد کی ناموس نے پکارا اور ملکی سیاست میں کود پڑے۔ مسجد کی تعمیرِ نو اور بحالی کے لیے جدوجہد کرنے لگے اور زور خطابت سے مسلمانوں کے سینوں میں آگ لگادی۔ سٹی پولیس نے آپ کو گرفتار کرلیا مگر مسلمانوں کی منظّم جدوجہد نے مہاراجہ ''الور'' کو مجبور کردیا کہ مسجد کو واگزار کرنے کا حکم دے اور پھر اسے سرکاری خرچ پر ازسرنو تعمیر کرایا اور ابوالحسنات کو رہا کردیا گیا۔

یادرہے کہ اس زمانے میں ریاستی عوام کی زندگیاں اور مال ودولت والی ریاست کے رحم وکرم پر ہوا کرتی تھیں۔ ان کے حکم یا فیصلہ کے خلاف احتجاج بھی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے راجاؤں کے

---

(۱)　حوالہ بالا، ص ۳۵۵

(۲)　تذکرۂ علماء اہلسنّت۔ مولفہ محمود احمد قادری کانپور۔

ریاستی جور و استبداد کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ریاستی رعایا کو تو عام انسانی حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ ایسے دور میں احتجاج کر کے یا ایک منظّم تحریک سے ایک مقصد حاصل کر لینا بڑی بات ہے۔

اولاد و اخلاف:

آپ ابھی سولہ ۱۶ سال کے ہی تھے کہ آپ کی شادی کر دی گئی۔ یہ شادی آپ کے خاندان کی ایک معزز شخصیت اور زبان فارسی کے مدرس حسین الدین مرحوم کی نواسی سے بمقام ''تجارہ'' میں ہوئی۔ آپ کے چار لڑکے، تین لڑکیاں ہوئیں، ان میں حضرت مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور آپ کی علمی اور عملی زندگی کی قابلِ یادگار تھے جن کا ۱۹۹۹ء میں لاہور میں انتقال ہوگیا۔ آپ محکمہ اوقاف کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ مشیر معاملات مساجد وزرات رہے، زونل خطیب رہے اور اپنے عہدے پر خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔ آپ بڑے سلجھے انداز میں گفتگو فرماتے اور بڑے دردمند نوجوان تحریک ختم نبوت میں جب آپ کو لاہور کے قلعے میں تشدد کی روایات سے دوچار ہونا پڑا تو آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ کو موت کے خوف سے ڈرایا گیا' تختہ دار پر لایا گیا مگر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ثابت قدم رہے۔

تصانیف:

مولانا ابوالحسنات قلمی تبلیغ کو منظّم پیمانے پر رواج دینے کی خواہش رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی موضوعات پر مختلف کتابیں لکھیں تا کہ ملک کے گوشے گوشے سے اہل علم استفادہ کر سکیں۔ آپ کی تصانیف جو آج تک شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

۱) تفسیر الحسنات۔ (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔)

۲) اوراقِ غم۔

۳) صبحِ نُور۔

۴) الناصح۔

۵) طیبُ الوَردة علی قصیدة البُردة (تازہ ایڈیشن مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ۔)

۶) مسدس حافظ الوری۔

۷) مخمس حافظ

۸) دیوانِ حافظ اردو

۹) ترجمہ کشف المحجوب (مکتبہ المعارف لاہور)

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ آپ کے قلم سے متعدد رسالے تصنیف ہوئے جو ہنگامی اور سیاسی تحریکوں پر بڑے کام آتے تھے۔

لاہور میں آمد:

۱۹۲۰ء میں آپ ''الور'' کو چھوڑ کر آگرہ میں قیام پذیر ہوئے اور ایک مطب جاری کیا مطب گلاب خانہ آگرہ میں تھا جو تھوڑے عرصے میں خدمت خلق کا ادارہ بن گیا۔۱۹۲۲ء میں آپ کے والد حضرت علامہ سید دیدار علی شاہ صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) آگرہ سے لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خاں کے خطیب مقرر ہوئے تو مولانا ابوالحسنات ان دنوں ایک بہترین قاری شعلہ بیاں خطیب، شاعر اور ماہر طبیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ والد مکرم کے استعفاء کے بعد مرزا ظفر علی خاں (ریٹائرڈ جج) متولی مسجد وزیر خاں کے اصرار پر آپ مسجد وزیر خاں کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے۔

ان دنوں آپ اپنے خاندان سمیت لنڈے بازار کے ایک مکان میں قیام پذیر ہوئے اسی زمانے میں دہلی دروازے کے اندر ''چنگڑ محلّہ'' میں ایک ویران مسجد کی تعمیر و توسیع کا منصوبہ بنایا گیا جس میں آپ کے والد اور برادر محترم علامہ ابوالبرکات سید احمد القادری کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تشکیل میں حصہ لیا۔ یہ سنیوں کا ایک عظیم دینی ادارہ تھا جو نصف صدی تک سنیوں کے علوم و فنون کا مرکز رہا تھا۔ یہاں سے بڑے بڑے علماء، فقہاء، مفتی، مقرر، خطیب اور ادیب و مناظر فارغ التحصیل ہوئے اور دنیائے علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس دارالعلوم کے شاگرد موجودہ دینی درسگاہوں کے شیخ الحدیث، شیخ الفقہ اور کئی کتب کے مصنف اور شارح بخاری ہوئے۔

لاہور کی سیاسی فضاء:

واضح رہے کہ ۱۹۲۶ء سے لے کر قیام پاکستان تک لاہور سیاسی تحریکوں کا مرکز بنا رہا اور اہلِ لاہور نے سیاسی قیادت پر ہمیشہ اچھے اثرات مرتب کیے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جس تحریک کہ اہلِ لاہور نے قبول کرلیا وہ سارے ہندوستان پر چھا گئے یہ سیاسی تحریکوں اور دینی مباحث انگریز کے پھیلائے ہوئے خیالات اور غلامی کے خلاف ایک احتجاج تھا حضرت مولانا ابوالحسنات ان ایام میں لاہور میں مقیم تھے۔ ہر سیاسی اور دینی تحریک کا جائزہ لیتے اوران میں اپنا کردار ادا کرتے۔

کشمیر چلو کی مہم، مسجد شہید گنج کی تحریک، خاکسار موومنٹ، احرار کشمکش، مجلس اتحاد، شہادت علم الدین، مولانا ظفر علی خاں کا دم مست قلندر، دھر گڑھ، پھر تحریک آزادی ہند اور قیام پاکستان جیسی تحریکیں ابھرتی رہیں اور مولانا ہمیشہ حق کی آواز پر لبیک کہتے رہے وہ بلا خوف تنقید اپنے خیالات کا اظہار کرتے پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد، تحریک آزادی کشمیر اور پھر تحریک ختم نبوت میں مرکزی کردار کی حیثیت سے آگے بڑھے۔ علماء ومشائخ کے علاوہ عوام الناس نے آپ سے پورا پورا تعاون کیا نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت میں لاہور کے وہ پہلے عالم دین ہیں جو بنارس سنی کانفرنس میں شریک ہوئے اور ایک تاریخی ریزولیوشن پاس کروائے، قائداعظم کو یقین دلایا کہ برصغیر کی عظیم سنی اکثریت مطالبہ پاکستان میں آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے قیام پاکستان کی حمایت میں بڑی تن دہی سے کام کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء جمعیۃ العلماء ہند اور کانگریس میں شمولیت کی وجہ سے گاندھی اور نہرو کی حمایت میں فتوے دیتے اور مسلمانوں کو اپنی علمی وجاہت سے مطالبہ پاکستان سے روکتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے علاوہ اس دور کا، دیوبندی طبقہ مسلمانوں کی اس فکری تحریک سے دور ہی رہا، بلکہ مسلمانوں کو دور کرتا رہا۔ مولانا ابوالحسنات اور دوسرے سنی علماء نے ان نام نہاد علماء کا مقابلہ کیا اور عوام پر ثابت کردیا کہ نیشنلسٹ علماء اپنے مقام سے کتنے بے خبر ہیں۔؟

حج بیت اللہ:

۱۹۴۵ء میں آپ پہلی بار حج کو روانہ ہوئے۔ دیارِ حبیب میں عربی زبان میں تقاریر کیں۔ یہ تقاریر

اتنی فصیح و بلیغ تھیں کہ دنیائے اسلام سے آئے ہوئے علماء نے آپ کی تقریر کو سراہا اور خراج تحسین پیش کیا۔ گنبد خضرا کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کے دل پر کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ قصیدہ بردۃ پڑھتے اور بارگاہِ رسالت میں ہدیہ عقیدت پیش کرتے۔ واپسی پر آپ نے قصیدہ بردۃ کی اردو میں شرح کی جو بعد میں ''طیب الوردۃ فی شرح قصیدہ البردۃ'' کے نام سے شائع ہوئی یہ کتاب اہل دل وایمان کے لیے اب بھی سرمایہ جان وایمان ہے (حال ہی میں لاہور سے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع ہوا ہے۔)

مسلم لیگ ایجی ٹیشن:

آپ نے تحریک قیام پاکستان میں نمایاں کردار کا مظاہرہ کیا علماء ومشائخ کے وفد مرتب کیئے پنجاب کے ہر شہر ہر قصبہ کی طرف نکل پڑے ''خضر وزارت'' کی ساری سختیوں کے باوجود اپنی مہم میں مصروف رہے آخر کار گرفتار کر لیئے گئے اس ملک کی آزادی اور قیام پاکستان کے لیے آپ نے قید وبند کی صعوبتوں کو لبیک کہا۔ یہ آپ کی جدوجہد آزادی کا نتیجہ تھا کہ شیوخ کے لاکھوں مرید اور علماء کے ہزاروں شاگرد مطالبہ پاکستان کے حامی بن گئے۔ مسلم لیگ نواب زادوں کے محلات سے نکل جا پہنچی۔ قائداعظم نے مولانا کی کوششوں کو بڑا سراہا اور ایک خط میں مولانا کا شکریہ ادا کیا۔

واضح رہے کہ مورخین نے مولانا کی اس اہم ملی خدمات کو تحریر کرنے سے تاریخی ظلم کیا ہے جو انہوں نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی میں ادا کیا تھا اور اس اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کی گئی تھی اس اسمبلی میں مولانا کی مساعی کا بڑا حصہ تھا آپ نے عوام وخواص کے دلوں پر یہ بات نقش کر دی تھی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا ہے لہذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔

۴/ مارچ ۱۹۴۸ء کو غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ مدرسہ انوار العلوم ملتان (سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاول پور) نے مولانا ابوالحسنات کو ایک مفصل خط لکھا، اور اہل سنت و جماعت کی بے نظم زندگی پر بڑا دردمندانہ اظہار خیال کیا، اور حضرت کو آمادہ کیا کہ ہم مل کر کام کریں۔

اس خط کے بعد ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸/ مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پاکستان بھر کے سنی علماء کی عظیم الشان

کانفرنس بلائی گئی۔اس کانفرنس میں ملک بھر کے سنی علماء ومشائخ نے بنام ''جمعیۃ العلماء پاکستان'' ایک سیاسی تنظیم کی بنیادرکھی ،اور مولانا ابوالحسنات کواس کا پہلاصدر منتخب کیا گیا، جب کہ علامہ سعید کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے۔(۱)

تاریخی اعتبار سے قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کے سنی علماء ومشائخ کواعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ اور معتمد ساتھی حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے (۱۹۲۵ء۔۱۳۴۴ء) میں برصغیر کے اعاظم اوراکابر اہلسنّت ومشائخ القادر چشتیہ،نقشبندیہ،سہروردیہ،اشرفیہ،فردوسیہ کومدرسہ نعیمیہ مرادآباد میں جمع کیااور آل انڈیا سنی کانفرنس (یعنی الجمعیۃ العالیہ المرکزیہ) کی بنیادرکھی گئی تھی ،جس کے ناظم اعلیٰ حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین کومنتخب کیا گیا تھاجب کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی اس مجلس کے صدر بنے ،اور صدارت حضرت شیخ المشائخ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھویؒ کے نواسے حضرت علامہ سید محمد اشرفی الجیلانی کچھوچھویؒ کے حصہ میں آئی تھی اور مستقل صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ (علیہ الرحمۃ) (۱۳۷۰ھ۔۱۹۵۱ء) منتخب کیے گئے تھے اور قیام پاکستان کے بعد ۴/ مارچ ۱۹۴۸ء میں انوار العلوم ملتان کے کانفرنس میں اس کا نام تبدیل کر کے جمعیۃ العلماء پاکستان رکھ دیا گیا۔جب کہ امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمۃ) نے سنی مسلمانوں کی سیاسی خدمات اور دفاع کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ اورتحریک انصارالاسلام جیسے تنظیموں کو بریلی میں خود قائم فرمایا تھااور بعد میں انہی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے خلفاء اعلیٰ حضرت نے کئی سیاسی ودینی سربراہوں سے ملاقات کی تھی اور موقف رضویہ کو پہنچانے میں نمایاں کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔نیز تحریک خلافت،تحریک موالات،تحریک شدھی، تحریک وہابیت، تحریک ندوہ، وغیرہ کا بھی مقابلہ کیا گیا تھا، گویا جمعیت العلماء پاکستان کا نام مقتضائے حالات وزمانہ تبدیل ہوتا رہااور حقیقی ومعنوی اہداف ومقاصد وہی تھے جوامام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ترتیب دیئے تھے۔

مولانا ابوالحسنات کاتحریک آزادی کشمیر میں کردار:

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کشمیری مسلمانوں پرظلم وستم کے خونی واقعات نے پاکستان کے مسلمانوں

کے دلوں کو زخمی کر دیا۔ یہ سلسلہ آزادی ادھوری نظر آنے لگی اور کشمیر کے مہاراجہ نے بھارتی حکومت سے مل کر کشمیر کے چالیس لاکھ مسلمانوں کا سودا کر دیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر دیا۔ یہ الحاق عالمی ضابطہ اخلاق اور انصاف کے منافی تھا اور کشمیر کی کثیر آبادی کی خواہشات کے بالکل برعکس تھا۔ کشمیر کا مسلمان اپنی آزادی کے تڑپ رہا تھا پاکستان کے سیاسی اور دینی جماعتوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور مولانا ابوالحسنات نے صدر جمعیۃ العلماء کی حیثیت سے جہاد کا اعلان کر دیا اور غازیان کشمیر کی اعانت کے لیے ملک میں ایک زبردست تحریک چلائی۔ عوام نے دل کھول کر ''کشمیر فنڈ'' جمع کرنے میں حصہ لیا اور غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات اپنے ہم مشرب علمائے دین کی جمعیت میں کئی بار محاذ کشمیر پر گئے۔ مجاہدین کے حوصلے بڑھائے۔ میدان جنگ میں پہنچ کر فوجیوں کے کیمپ میں مجاہدانہ روح پھونکنے کے لیے تقریریں کیں اور سامان جنگ اور دیگر ضروریات جمع کر کے پہنچائیں۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں لاکھوں روپے کی مختلف اشیاء محاذ کشمیر پر پہنچائیں ان میں گرم کپڑے ادویات اور جیپ کاریں شامل تھیں۔ آزادی کشمیر کے لڑنے والے مجاہدین سپہ سالاروں نے جمعیۃ العلماء خدمات کا جس طرح اعتراف کیا ہے اس کی جھلک ان خطوط سے ملتی ہے جو مولانا ابوالحسنات کو موصول ہوئے۔ ہم ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

کرنل خرین شاہ صاحب، کیپٹن عطاء اللہ صاحب

مجاہد فاروقی بٹالین۔ پونچھ

(۲۸ ستمبر ۱۹۴۸ء)

بحضور جناب قبلہ مولانا ابوالحسنات،

صدر جمیعۃ العلماء پاکستان

مسجد وزیر خاں لاہور

آداب و تسلیمات!

نیازمندان کو بذریعہ اخبارات اور احباب کے خطوط سے پتہ چلا ہے کہ جناب مجاہدین محاذ پونچھ کشمیر خصوصاً فاروقی بٹالین حویلی کے بارے میں بہت زیادہ خیال فرما رہے ہیں، ہم جناب کی اس غائبانہ شفقت

کا اپنے مجاہدین کے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے نیک بزرگوں کا سایہ ہم پر ہمیشہ رکھے۔

ہماری التماس ہے کہ ہمارے بہادر ننگے بھوکے مجاہدوں کی جو انشاء اللہ بھوکے شیروں کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور توپوں سے جاٹکراتے ہیں، تشریف لاکر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

(۲)

السلام علیکم!

میں آزاد کشمیر گورنمنٹ محکمہ دفاع کی طرف سے آپ کے تحائف وعطیات (جو تین جیپ کاروں، ٹریلز اور مختلف قسم کے کپڑوں پر مشتمل ہے) کے لیے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں گے اور جنگِ آزادی جیتنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

۱۳۔ دسمبر ۱۹۴۷ء تراڑ کھل

کرنل حبیب الرحمٰن

چیف آف اسٹاف آزاد فورسز

(۳)

مکرمی صدیقی صاحب،

السلام علیکم!

حاملین رقعہ ہذا علمائے کرام (بہ قیادت مولانا ابوالحسنات لاہور) کچھ سامان برائے مجاہدین لائے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ خود محاذ پر جاکر تقسیم کریں پہلے ہم نے کچھ ملٹری پابندی کا ذکر کیا ہے مگر چونکہ یہ آپ خود تقسیم کرنے کا وعدہ عوام سے کرآئے ہیں اس لیے اگر رضا صاحب سے ملٹری احکام کے ساتھ اجازت دلادیں تو یہ اپنی جیپ پر سامان لے جائیں گے اور مجاہدین کو کچھ اسلامی وعظ ونصیحت بھی کرنا چاہتے ہیں اس لیے آپ انہیں سہولت پہنچائیں۔

سید احمد علی شاہ وزیر دفاع۔ آزاد کشمیر

مندرجہ بالا خطوط کی روشنی میں ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا ابوالحسنات محاذ کشمیر پر کتنی جرأت اور ہمت سے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ان کی قابل قدر کوششوں نے مجاہدین میں جس جذبہ جہاد کی روح تازہ کی تھی اس کا اعتراف آزادی کشمیر کے زعماء بار بار کر چکے ہیں۔

۱۹۴۹ء میں ایک پرفریب معاہدے کی رو سے جنگ آزادی کشمیر بند ہوگئی مجاہدین کو ایک مخصوص حد تک واپس آنا پڑا۔اس حد کو ''خطہ متارکہ'' دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے درمیان عالمی امن کا رشتہ رگ جاں بن کر رہ گیا ہے جس کے دونوں طرف جذبات کے لاوے پھٹتے رہتے ہیں خون کی یہ نازک سی لکیر پاک وہند کے درمیان کسی وقت بھی آتش فشاں کی طرح پھٹ سکتی ہے۔

۱۹۶۵ء کے اوائل سے ہی مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں پر ضرورت سے زیادہ ظلم وستم کے دروازے کھل گئے بھارت نے مقبوضہ کشمیر کو غیر آئینی طور پر ہندوستان کا ایک حصہ بنا کر کشمیری عوام کی سولہ سالہ جدوجہد آزادی پر پابندی لگادی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا اور یہ مجبور ومقہور کشمیری مسلح ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے ،مقبوضہ کشمیر کے اندر جو گزری سو گزری ،مگر بھارت کے حکمرانوں کا یہ خیال تھا کہ یہ سب کچھ پاکستان کی طرف سے ہو رہا ہے، چنانچہ بھارت کی فوجیوں نے ۱۲ اگست کو آزاد کشمیر کی بعض اہم چوکیوں پر حملہ کر کے انہیں اپنے قبضے میں کرلیا اور پاکستان کے علاقوں پر گولہ باری شروع کردی ان حالات میں پاکستان خاموش نہیں رہ سکتا تھا، کشمیریوں کی پکار پر پاکستان کے جیالے اٹھے اور وہ تین دن کے مختصر عرصے میں ہندوستانی فوجیوں کے مضبوط قلعے چھمب اور جوڑیاں کو اڑا کر رکھ دیا۔اکھنور چند لمحوں کی مار تھا کہ بھارت نے لاہور اور سیالکوٹ پر حملہ کر کے کشمیر کی آگ کو پاک وہند کی سرحدوں پر پھیلا دیا اس جنگ میں پاکستانی قوم کی مثالی قربانیاں زمانہ میں ضرب المثل بن گئیں مگر روسی وزیر اعظم کی مداخلت نے دونوں قوموں کی قوت کو ''معاہدہ تاشقند'' کی قبر میں دفنا دیا اب اس قبر پر سے ''اٹوٹ انگ'' اور امن کی راہیں مل گئیں'' کے وظائف پڑھنے والے مجاوروں کی گونج دونوں قوموں کے لئے ''وجہ تسلی'' بنتی جارہی ہے گر کشمیر کا لاوا پھر اندر ہی اندر پک رہا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ   توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

مولانا ابوالحسنات اور تحریک ختم نبوت:

تحریک ختم نبوت قادیانی فرقہ کی ان تبلیغی سرگرمیوں کا ردعمل تھا جو اس جماعت کے سربراہوں نے ملک کی سیاسی حالت اور اپنے چند متبعین کی حکومت کے بلند مناسب پر فائز ہونے کی شہ پر ملک میں شروع کرر کھی تھیں، قادیانی فرقہ اعتقادی طور پر اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی نفی کرتا ہے، جنہیں کسی طرح نہ بدلا جاسکتا ہے اور نہ اس کا بدل تلاش کیا جاسکتا ہے، انگریز کے زمانہ میں بقول بانی تحریک قادیانیت انہیں بڑے سکون سے کام کرنے کا موقع ملا اور وہ علماء اسلام کی تردید اور عوام اہلسنّت کے احتجاج کے باوجود فرنگی دور حکومت میں پھیلتے، پھلتے چلے آئے مگر ملک آزاد ہونے کے بعد اس تحریک کے ایک بہت بڑے ستون محمد ظفر اللہ خان کو جب مرکزی وزارت میں خاص اہم عہدہ ملا تو اس فرقہ نے پوری تنظیم کے ساتھ ملک کے اندر اور باہر ایک مہم چلانا شروع کردی اور عیسائی مشنری کی طرح پاکستان کے غریب اور خاص کر دیہاتی عوام کو اپنی بد اعتقادیوں کا شکار بنانے لگے۔ ہر مکتب فکر کے علماء زعماء، صوفیا اور مشائخ نے ایک جان ہوکر خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو قادیانی فرقہ کی چیرہ دستیوں کے تدارک کے لیے پکارا۔ ظفر اللہ خان کی علیحدگی اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے پر زور دیا گیا۔ خواجہ مرحوم ان دنوں اپنی فکر سے بہت کم سوچتے تھے وہ ظفر اللہ کی زبان بن کر عوام سے بات کرنے کے خوگر ہو چکے تھے، اس تحریک میں اہلسنّت، دیوبندی، شیعہ، وہابی، احرار، اور جماعت اسلامی، غیر مقلد غرضیکہ ہر مکتب فکر کے علماء نے ابوالحسنات کو اپنا قائد منتخب کرلیا اور حکومت کو نوٹس دیا کہ وہ ایک مقررہ وقت کے اندر اندر ان مطالبات پر غور کرے جس کے لئے ملک کا ہر فرد بے چین ہے اس سلسلے میں مولانا ابوالحسنات کی قیادت میں ایک وفد کراچی پہنچا تا کہ وزیر اعظم سے بالمشافہ بات کرلی جائے، ملاقات کے دوران خواجہ صاحب مرحوم نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس تحریک کو دبانے کے لیے سب سے پہلی غلطی یہ کی کہ اس وفد کے سب اراکین کو گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا اس خبر نے ملک بھر کے مسلمانوں کے اضطراب میں اضافہ کردیا ہر جگہ احتجاج ہونے لگے، جلوس نکلنے لگے، مظاہرے ہونے لگے اور گرفتاریوں سے جیل خانے پناہ مانگنے لگے، ملک کے ہر جیل اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی، ویرانے آباد ہوگئے، زنداں خانے شہروں میں تبدیل ہوگئے، علماء اور صوفیا لیڈر، طلباء، خطبا غرضیکہ "جگر

داشت بزنداں خانہ رفت'' لاہور میں مولانا محمد حسین صاحب نعیمیؒ، مولانا خلیل احمد قادریؒ، مولانا غلام الدین، مولانا محمد عمر اچھرویؒ، مولانا غلام معین الدین نعیمی، حافظ محمد عالم سیالکوٹی، مولانا ترنم، مولانا عبد الغفور ہزارویؒ، مولانا مودودی، سید محمود گجراتیؒ، مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا محمد یوسف سیالکوٹی، احرار میں سے مولوی محمد علی، شیخ حسام الدین، قاضی احسان شجاع آبادی، ماسٹر تاج دین انصاری۔ زمیندار کے مولوی اختر علی، نوائے پاکستان کے مولانا غلام مرتضیٰ خاں میکیش غرضیکہ صوبہ بھر کے علماء گرفتار کر لیے گئے لاہور کے مایوس مگر مضطرب عوام کو مجاہد ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی نے سنبھالا اور مسجد وزیر خاں میں اس قدر جوش اور زوردار تقریریں کیں کہ تحریک کی مرکزیت قائم ہوگئی حکومت نے عاجز آ کر بہت سے شہروں کو فوج کے حوالے کر دیا لاہور اور دوسرے بڑے بڑے شہروں پر مارشل لاء نافذ کر دیا گیا، ایوبی حکومت کے جنرل اعظم خان ان دنوں مارشل لاء کے چیف منسٹر تھے، ان کے ہاتھوں پنجاب پر کیا گزری؟ یہ ایک خونچکاں داستان ہے اس کے لیے تفصیلی قلم اٹھانے کی شاید ایک صدی بعد کے مورخ کو پوری آزادی اور ہمت ملے مگر ایک بات جواب لطیفہ بن گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی گوالے کی بھینس از راہ لطف وسڑک پر ''اڑنگ'' دیتی تو اس کے مالک کو کم از کم چودہ سال سزا ہوتی، بشر طیکہ بھینس کا ''اڑنگنا'' نعرہ تکبیر یا ختم نبوت کا ہم آواز ثابت ہو جائے، مجاہد ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی کی تقاریر نے سارے پنجاب کی طنابیں کھینچ لیں، مگر ایک دو ہفتے میں جنرل کی فاتح فوج نے لاہور فتح کر لیا۔ مولانا کو غالباً قصور کے قریب گرفتار کر لیا گیا، گرفتاری کے بعد ان پر کیا گزری؟ یہ اس وقت کے اخبارات کے کالم شہادت دیں گے، مگر نیازی صاحب پیر قلندر شاہ لاہوری کی زبان بن کر کہتے رہے۔

مائیم و کوئے عشق ہزاروں ملامتے
یارب دریں مقام وہیں استقامتے

گولیاں سرسائیں، مقدمے چلے، ٹلٹکیاں لگ گئیں، سزائیں ہوئیں، کوڑے برسے، جائیدادیں ضبط ہوئیں اور علمائے کرام سے ان کے خدا اور رسول کے علاوہ جو کچھ متاع تھی چھین لی گئی۔ فیض نے اس ابتلاء میں انہی لوگوں کی ترجمانی کی تھی۔

ہاں کج کرو کلاہ کہ سب کچھ لٹا کے ہم
پھر بے نیاز گرش دوراں ہوئے تو ہیں

قریب تھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائشی لیڈروں نے حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے بعد ازاں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مولانا ابوالحسنات کو جیل میں یہ خبر دی گئی کہ ان کے اکلوتے جواں سال صاحبزادے خلیل احمد قادریؒ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہے۔ جیل میں بوڑھے باپ پر کیا گزری ہوگی؟ یہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ہم لکھ سکتے ہیں، اس کیفیت کو وہی محسوس کر سکتے ہیں جو ان حالات میں کسی اصول کی خاطر نبرد آزما ہوئے ہوں۔ علامہ مرحوم نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی سنت میں صبر جمیل کا مظاہرہ کر کے اپنے کردار کو ہمارے لیے مشعل راہ بنا دیا۔ آپ نے بے ساختہ الحمدللہ کہا اور فوراً کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا یہ ہدیہ قبول فرمالیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی گرفتار شدہ مجاہدین میں حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی بھی گرفتار کر لیے گئے تھے اور ان کے خلاف بھی پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا تھا۔

ع یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے

مولانا ابوالحسنات نے ایام اسیری میں ہی قرآن پاک کی تفسیر بنام ''تفسیر الحسنات'' لکھنے کا کام شروع کر دیا اور تفسیر کا معتدبہ حصہ جیل میں ہی لکھا۔ اگرچہ وقتی طور پر تحریک دب گئی لیکن ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی تو کامیابی سے ہمکنار ہوگئی اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، حضرت مولانا محمد ذاکر اور دیگر علماء اہلسنّت و جماعت کی جدوجہد اور کوششوں سے پاکستان قادیانی اور مرزائی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیدیئے گئے۔ (۲)

مولانا ابوالحسنات نے ''ملزم'' کی حیثیت سے عدالت عالیہ میں جس بے باکی سے اپنے نصب

(۱) بتصرف تذکرۂ علماء اہلسنّت و جماعت لاہور ص ۳۳۵۔ مولفہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

(۱) اکابر تحریک پاکستان ص ۱۳۹، احمد صادق قصوری مطبوعہ مکتبۂ رضویہ گجرات ۱۹۷۶ء/ قادیانیت پر آخری ضرب کاری ص ۸، مطبوعہ ورلڈ اسلامک مشن ٹرسٹ پاکستان

العین کی وضاحت کی اس کے لیے ہائی کورٹ کا مفصل فیصلہ دیکھئے، جسے سابق چیف جسٹس محمد منیر صاحب نے لکھا اور ''منیر رپوٹ'' کے نام سے سامنے آیا یہ ایک کتابی شکل میں حکومت مغربی پاکستان نے چھپوایا تھا۔ جیل کی بے سختیاں، موسم کی شدت میں گرم علاقوں کی سرد اور ناقص غذا کے استعمال کی بے پناہ بلاؤں نے پس دیوارزنداں ہی آپ پر آپ کی صحت پر ناگوار اثر ڈالا تھا، رہائی کے بعد پوری طرح علاج اور کوشش کے باوجود آپ کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور اس بیماری نے جب طول پکڑا تو موت کو بہانہ مل گیا آج اصولوں کو مصلحت کی نذر کرنے والے جب مولانا کی سیاسی اور دینی خدمات پر تنقید کرتے ہیں تو غالب یاد آجاتا ہے۔

بیاد و رید گر ایں جابود زباں دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتی دارد

حضرت مولانا ابوالحسنات مایہ ناز خطیب، مناظر، مترجم، مورخ اور سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ فن ونظم پر بھی قدرت کاملہ رکھتے تھے، اور اپنا حافظ تخلص کرتے تھے انجمن حیات اسلام، لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی۔

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

حضرت مولانا سید ابوالحسنات نے فوراً اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

تو ہی خود، جب اے دلِ حسن جو ہو، اسیر زلف دراز میں
تو کمی ہو کیوں ترے سوز میں، تیرے فکر آئینہ ساز میں
جو دبائے حشر کے فتنے سب، جو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کام آپ کے لطف کا، یہ ہے لطف آپ کے ناز میں
تری آرزو تو سعید ہے مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمال یار کی دید ہو، رہے تو لباس مجاز میں

تجھے اور وصل کی آرزو، تجھے دید حسن کی جستجو
نظر ہوس تری، آبرو نہیں چشم بندہ نواز میں

یہ غزل سن کر علامہ اقبال دیر تک عالم وارفتگی میں روتے رہے، اس غزل کوانھوں نے ''جذبات حافظ'' کے عنوان سے یاد کرلیا تھا۔[1]

بالآخر ۲/شعبان المعظم، ۲۰/جنوری (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) بروز جمعہ اہل سنت کا یہ بطل جلیل (مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری) دنیا سے رخصت ہوا اور وقت رخصت یہ شعر اس کے زبان پر تھا:

حافظ رند زندہ باش، مرگ کجا و تو کجا
تو شد فنائے حمد، حمد بود لقائے تو

یہ آپ کی اسلامی خدمات کا ایک ثمر تھا کہ آپ کو حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے احاطہ مزار میں آخری آرام گاہ ملی۔

اور مولانا غلام دستگیرؒ نامی شخصیت نے تاریخ وفات کہی۔

دریغا ابن دیدار علی شاہ/ محمد احمد شیریں بیان رفت
ابو البرکات را اخ مکرم/ کہ بجمود دراعم کلاں رفت
خلیلش جانشین نام بردار/ بماند، چونکہ فخر خاندان رفت
بتاریخ وفاتش گفت نامی/ ابو الحسنات اجمل از جہاں رفت

اور حضرت حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ نے ''لقد دخل الجنۃ'' (۱۳۹۰ھ) سے تاریخ وصال استخراج کی (۲)۔

اور روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی ملی سیاسی، مذہبی، وفکری خدمات کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور واضح کیا کہ امام احمد رضا خان بریلوی کی طرح ان کے تلامذہ خلفاء بھی کسی طرح بھی اپنی ذمہ داریوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔

---

(۱) ہفت روزہ ''قندیل'' لاہور ۲۰/نومبر ۱۹۶۶ء/ ایس ایم ناز۔

(۱) ماہنامہ سواد اعظم لاہور۔ ۳/فروری ۱۹۶۱ء

مراجع و مصادر

۱) الیواقیت المہریہ،ص ۷۷ مولفہ مولانا مہر علی، و تذکرہ علماء اہلسنّت و جماعت لاہور۔

۲) تذکرہ اکابر اہلسنّت پاکستان، مکتبہ القادریہ لاہور۔ مولفہ علامہ عبدالحکیم شرف القادری

۳) ماہنامہ ضیاء حرم، ختم نبوت نمبر ۴ ۱۹۷ء۔

۴) ہفت روزہ ''قندیل'' لاہور ۲۰ / نومبر ۱۹۶۶ء

۵) روزنامہ نوائے وقت ۲۱ / جنوری ۱۹۶۱ء

۶) تذکرہ علماء اہلسنّت / محمود احمد قادری مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

۷) ماہنامہ، سواد اعظم لاہور، ۳ / فروری ۱۹۶۱ء

۸) روئیداد، مرکزی جمعیۃ علماء پاکستان، پاکستان لاہور

تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی (علیہ الرحمۃ) ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ کو مرادآباد (یوپی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی (علیہ الرحمۃ) ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ (مرادآباد) بغرض تعلیم حاضر ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ جلسۂ دستار بندی میں حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۴۰ھ)، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، مولانا محمد فاخر اجملی الہٰ آبادی، مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا اعجاز حسین رام پوری، وغیرھم اکابرین اہلسنّت و جماعت جلوہ افروز ہوئے تھے، کچھ عرصہ بعد آپ کو جامعہ نعیمیہ کا مہتمم بنادیا گیا اور پھر بعد میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء تک آپ مسلسل ۴۰ سال تک اس ادارہ کے مہتمم رہے۔[1]

حلیہ مبارکہ:

درمیانہ قد، کشادہ پیشانی، صاف رنگ، خوبصورت چہرہ، سراپا علم و فضل، پیکر زہد و تقویٰ اور مجسمۂ اخلاق و مروّت، ایک عظیم محدث و فقیہ، مفسر و ادیب اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمہ وقت عمل پیرا رہتے تھے۔

بیعت:

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں حضرت سیّدنا شیخ المشائخ علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۵۵ھ)

---

(۱) علامہ شرف القادری، ''تذکرہ اکابرین اہلسنّت''، ص ۲۲۰، لاہور

کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ہی آپ کو سلسلۂ اشرفیہ میں اجازت وخلافت حاصل ہوچکی تھی اور تاج العلماء کے خطاب سے نوازے گئے اور بعد میں یہی خطاب آپ کے نام کا ایک حصہ بن گیا۔ بقول مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ (سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی حکومت پاکستان) آپ کو حضرت امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی سے بھی خلافت حاصل تھی اس طرح آپ اشرفی اور رضوی بھی تھے۔

تدریس وافتاء:

فن فتویٰ نویسی میں بھی ''تاج العلماء'' کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک آپ نے درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کو اپنے عقائد اور عمل سے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت علامہ حاجی لعل خان مدراسی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فرزند نسبتی حاجی عبدالعزیز خان کے توسط سے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بحیثیت وائس پرنسپل تقرر ہورہا تھا مگر جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں معمولی مشاہرہ پر ہی خدمت کو اس عہدہ جلیلہ پر فوقیت دی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت صدرالافاضل نے فرمایا کہ ''میاں وہاں آپ کو اچھا مشاہرہ تو مل جائے گا تو یہاں دین کی خدمت کرنے کے لیے کون آئے گا؟''۔

دوسری جانب آپ کی والدہ محترمہ نے بھی دباؤ ڈالا کہ میاں اگر پتھر بھی ایک جگہ پڑا رہتا ہے تو وہ بھی نشان راہ بن جاتا ہے، تم نے اپنی عمر عزیز کے بیشتر سال اس ادارہ کی خدمت میں صرف کیے ہیں۔ لہٰذا یہیں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ دنیاوی منفعت تو آتی جاتی رہتی ہے، قدرت کو اگر دینا ہے تو یہیں انتظام کردے گی۔ اس واضح ہدایت کے بعد آپ یک سوئی کے ساتھ مدرسہ نعیمیہ میں کام کرتے رہے۔

۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں صدرالافاضل کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۸ء میں ماہنامہ السواد الاعظم (مرادآباد) کے مدیر ہوئے اور بڑی کامیابی اور وقار کے ساتھ اس کو چلایا۔[1]

---

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، ''تحریکِ آزادی ہند اور السواد الاعظم''، ص ۲۶۰۔

سیاسی خدمات:

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں جب مرادآباد میں آل انڈیا سنّی کانفرنس قائم ہوئی تو آپ اس کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ پھر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریک پاکستان کی پرزور تائید کی اور ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے ذریعے پاکستان کے موقف کونمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

تحریک سوراج کے خلاف تحریک:

ہندوستان کی سیاست میں تحریکِ خلافت اور تحریک موالات نے جو جوش و جذبہ اور بیداری پیدا کی، اسی نے تحریک سوراج اور تحریک کانگریس کو فروغ بخشا، اس تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ اپنے ماہنامہ ''السوادالاعظم'' کے ایک شمارہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں تحریک سوراج نہایت زور وشور سے چلی اور ملک نے عاقبت بینی و دوراندیشی کو بالائے طاق رکھ کر ایک غوغا مچادیا اور مدہوش ہو کر ایسے کے معنیٰ ''ہندوراج'' کے ہوتے ہیں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو حکومت سے لڑوانے کے لئے مورچہ پر رکھ لیا تھا، حتیٰ کہ گورنمنٹ سے مقابلے کے لئے جو تحریک تھی اس کا نام ''ترک موالات'' تجویز کر کے یہ بات گورنمنٹ کے خاطر نشین کرنی چاہی تھی کہ حکومت سے جنگ و مقاطعہ مسلمانوں کی طرف سے ہے اور حکومت کیلئے جو لفظ تجویز کیا تھا وہ اپنی پرانی غیر رائج زبان کا لفظ سوراج تھا، جس کا یہ مطلب تھا کہ حکومت کے مستحق تو ہندو اور بھینٹ چڑھانے کے لئے مسلمان تھے۔ اور کتنے مسلمان ان ہنگاموں میں مارے گئے؟ کتنے اپنے اختیار سے بے روزگار ہو گئے اور ان کی معاش خراب ہو گئی اور ہندوؤں نے ان کی جگہ پر قبضے جمائے! طالبِ علموں نے اسکول چھوڑ دئے اور پھر چلتے چلاتے ایک ہجرت شوشہ چھوڑ کر کتنوں کو بے خانماں کر دیا گیا اور اس سوراج کی بدولت مسلمانوں نے وہ ناکردنی افعال کئے کہ خدا کی پناہ۔[1]

لیکن مسلمان یہی سوارج حاصل کرنے کے لئے کانگریس کے ساتھ شریک ہو رہے تھے اور اس سے

---

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، ''تحریکِ آزادی ہند اور السوادالاعظم''، ص ۲۶۱۔

مسلمان بے خبر تھے کہ یہ ان کے لئے مفید ہوگا یا مضر؟ اس موقع پر تاج العلماء نے مسلمانوں کو حقیقت سے آگاہ کیا کہ جو قوم بدیشی اور غیر ملکی ہونے کی بناء پر حکمراں کو بھی ملک بدر کرنے پر تلی ہوئی ہے وہ حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہندوستان میں نہ رہنے دے گی۔ ہندوؤں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی گنجائش پیدا ہو سکے گی واقعات کی تکذیب اور خیال خام ہے، ہندو اپنا دھرم 'اہنسا' بتاتے ہیں لیکن ہمیشہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہتے ہیں۔[1]

تمام ہندوستان کے مسلمان اس تحریک سے علیحدہ ہیں معدودے چند اشخاص کے جو غلط فہمی یا کسی اثر کا شکار ہو گئے ہیں ان کی شرکت مسلمانوں کی شرکت نہیں سمجھی جاسکتی مگر ہمیں ان سے بھی عرض کرنا ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں، فکر صائب سے کام لیں اور مسلمانوں کی جمہوریت سے علیحدہ نہ ہوں، ہندوؤں کی ذہنیت پر نظر ڈالیں۔

حضرت تاج العلماء "کانگریسی تحریکات" کے عنوان سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "اس گروہ کا دین و مذہب ملک پرستی ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ مُلک کی تمام آسائشیں اور راحتیں صرف انہیں کے لئے ہیں اور یہاں کی طویل وعریض فضا میں کسی دوسرے کو چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ (۲)

سوراج کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال دیا جائے جس کو ہندو اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں یا تہہ تیغ کر ڈالا جائے دین وملّت سے مرتد کر کے غلام بنالیا جائے اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بس کرنے پر مجبور کیا جائے یہ سوراج آریہ قوم کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔

---

(۱) ڈاکٹر مسعود احمد، "تحریکِ آزادی ہند اور السواد الاعظم"، ص ۲۶۰۔

(۲) ماہنامہ "السواد الاعظم"، ص ۱۲، ۱۳۳۹ھ، مرادآباد۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے سوراج کا حصول مسلمانوں کی موت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لئے آپ بڑی دل سوزی کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔

''خدا نہ کرے کہ ایسا منحوس سوراج کا وقت کبھی آئے ورنہ مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو ہندوؤں نے اپنے عہدِ حکومت میں ہندوستان کی قدیم اقوام کے ساتھ کر رکھی تھی بلکہ تجویز تو یہ ہے کہ جس طرح بدھ مت کو ہندوؤں نے ہندوستان سے نیست و نابود کردیا اسی طرح مسلمانوں کا بھی نام ونشان مٹادیں، ہندوؤں کی یہ تمنّا پوری نہیں ہوسکتی اگر مسلمانوں میں سے زرخرید لوگ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں، مگر بدقسمتی سے ہندوؤں کو ایسے افراد اور ایسی جماعت ہاتھ آگئی جو ''جمعیۃ العلماء'' نام کی جماعت شب و روز ہندو مقصد کی اشاعت میں سرگرم رہی اور اس کے اراکین اسلام اور مسلمانوں کے خون میں غوطہ لگا رہے تھے''۔ (''سوادالاعظم''، ۱۳۹۹ھ)

مسلمانانِ ہند کو ہوشیار ہونا چاہیے، یہ خاموشی اور سُستی کا وقت نہیں ہے، ہر جگہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسی جماعتوں سے بے تعلقاتی و بیزاری کا اظہار کریں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے نمائندے نہیں اور مسلمان ان کی آواز سے متفق نہیں ہیں۔

تاج العلماء نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ ایک عرصہ سے جمعیۃ العلماء کے نام سے ہندوستان میں ایک جماعت قائم ہے جس کے صدر مولوی کفایت اللہ دہلوی اور ناظم مولوی احمد سعید ہیں۔ ۳۰ رمئی تا ۵ رمئی ۱۹۳۰ء کو اس جمعیت کا امروہہ میں سہ روزہ اجلاس ہوا تھا جس میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو شریک تھے مراد آباد کانگریس کمیٹی کے ہندو اراکین وعہدہ داران اس میں زیادہ نمایاں نظر آرہے تھے اس اجلاس میں سول نافرمانی میں کانگریس کے ساتھ تعاون کی قرارداد منظور کی گئی۔ چنانچہ ارباب جمعیت پر تنقید کرتے ہوئے تاج العلماء لکھتے ہیں۔

---

(۱) ماہنامہ ''السوادالاعظم''، ص ۱۲، ۱۳۳۹ھ، مرادآباد

''ارباب جمعیۃ نے ہندوؤں کے ساتھ وُدّ اور محبت کو قائم رکھا اور نہ ارتداد کا سیلاب روکا، شردھانند کو اسلام سوز حرکات سے باز رکھا، نہ ہندوؤں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی، نہ خلافت کمیٹی کے زمانے میں جب مسلمان قہقہے لگا رہے تھے اور بتوں کی نقاب کشائی کے لئے جاتے تھے، ہوں میں گلال ملنے اور رنگ کھیلتے تھے اس وقت کوئی حکم اسلام کا انہیں سنایا بلکہ اس کے علی الرغم جب غازی عبدالرشید نے شرُدھانند کو قتل کیا تو اس غازی کو جنت کی خوشبو سے محروم گردانا گیا''۔

تاج العلماء بیان کرتے ہیں کہ امروہہ کے جس اجلاس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں شرکت کے لئے مفتی محمد کفایت اللہ، صدر جمعیۃ العلماء ہند نے صدر الافاضل کو کئی خطوط لکھے اور پھر دعوت نامہ بھیجا لیکن صدر الافاضل نے مندرجہ ذیل معذرت نامہ ارسال فرمایا جو مومنانہ سیاسی بصیرت پر شاہد ہے۔

مکتوب صدر الافاضل بنام مفتی کفایت اللہ دہلوی:

عنایت فرمائے من جناب مولوی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی

صدر جمعیۃ العلماء زاد عنایۃ' ماہو المسنون

کے بعد گزارش ہے کہ میرے پاس جناب کے خطوط اور دعوت نامے پہنچے ہیں جناب سے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اس کا احساس فرمائیں کہ گذشتہ تجربوں نے یقین دلایا ہے کہ ہندو مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو سوراج سے زیادہ عزیز جانتے ہیں انہیں کسی طرح گوارا نہیں کہ سرزمین ہند میں مسلمانوں کا وجود رہے اگر یہ تجربے نہ ہوتے تو بھی مسلمانوں کو قرآن پاک پر یقین ہے مشرکین کی شدت عداوت قرآن پاک میں وارد ہے، ان سے نفع کی امید و وفاداری کی توقع خیال باطل ہے اسی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بالعموم گاندھی اور کانگریس کی تحریکوں سے اس وقت تک قطعاً علیحدہ ہیں۔

آپ ''جمعیۃ'' کو ایسے طریق عمل سے بچائیے جو گاندھی تحریک کے ہم معنی یا اس کی تائید ہو، اگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا تو علاوہ ان مصائب کے جو ہندو پرستی کی بدولت اٹھانے پڑیں گے مسلمانوں کی جماعت کے

انتشار اوران کے اس نئے اختلاف کا وبال بھی آپ کی گردن پر ہوگا جو اس نئی تحریک سے پیدا ہوگا۔

اگر جمعیۃ نے قانون شکنی میں گاندھی کی روش اختیار کی تو یقیناً مسلمانوں کے دوٹکڑے ہوجائیں گے اور آپس میں کٹ مریں گے آپ کو نہایت دانائی اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ وماعلینا الا البلاغ[1] مکتوب کے مندرجات سے جو سیاسی بصیرت اور گہرائی مترشح ہے وہ اہل نظر پر ظاہر ہے لیکن مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور وہ راستہ اختیار کیا جو مسلمانوں کے لئے مفید نہ تھا۔

نیز آپ لکھتے ہیں کہ جب حضرت صدر الافاضل سے مسٹر گاندھی کی تحریک عدم تعاون اور قانون شکنی میں مسلمانوں کی شمولیت سے متعلق جب فتویٰ لیا گیا تو آپ نے تحریر فرمایا۔

کانگریس یا گاندھی کی تحریک کی شرکت یا علیٰحدہ کوایسی تحریک جو گاندھی کی شرکت کے ہم معنیٰ ہے مسلمانوں کے لئے ہرگز روانہیں، ان سے اتحاد اور ان پر اعتماد اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، لہٰذا مسلمان گاندھی اور کانگریس کی تحریکات اور ان تحریکات کے تائید سے پہنچانے والی حرکات سے قطعاً اجتناب برتیں۔ (واللہ سبحان اعلم)

محمد نعیم الدین

۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

نیز صدر الافاضل فرماتے ہیں کہ کانگریس کے ساتھ اتحاد فی نفسہ برانہ تھا لیکن اہلِ علم و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک کمزور قوم طاقت ور قوم کے ساتھ اتحاد کرتی ہے تو بظاہر وہ قوی ہوجاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس طاقت ور قوم کے ہاتھ اس کا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے اس اتحاد کے لئے بڑی دانائی اور دور اندیشی اور بصیرت کی ضرورت رہتی ہے اس زمانے میں مسلمان قوم کا جو حال تھا اس کا نقشہ تاج العلماء نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

گورنمنٹ برطانیہ کی قلم رو میں بہ لحاظ تعداد اور بڑی قومیں آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان ان میں ایک کی تعداد

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''۔ ۱۳۳۸ھ، مرادآباد

ایک ہے تو دوسرے کی اس سے چہارم پہلی قوی ہے اور دوسری نہایت کمزور پہلی میں نظم وارتباط ہے دوسری میں کمالِ بدنظمی وانتشار پہلی میں ہر ایک فرد دوسرے کا معین ومددگار ہے دوسری میں بھائی بھائی کا دشمن اور خونخوار، پہلی مالدار ہے اور دوسری نادار۔ پہلی حکام رس ہے دوسری بے زبان پہلی کا عنصر حکومت کے ہر دفتر میں کثرت سے ہے اور اپنی قوم کی ہر ممکن اعانت کے لیے ہر وقت مستعد اور دوسری کے افراد حکومت کے محکموں میں برائے نام پہلی قوم دوسری قوم کو کھائے جارہی ہے اور دوسری قوم کی بے کسی اس درجہ پہنچ گئی کہ وہ فریاد کے لئے بھی آواز نہیں اٹھا سکتی، شکایت کرتے بھی ہمسایہ کے ظلم سے ڈرتی ہے۔[1]

ایسی حالت میں مسٹر گاندھی کو اپنا مقتدا اور پیشوا بنانا کہاں تک صحیح تھا؟ یہ بات کسی نے نہ سوچی، اس طرف علماء اہلسنّت نے متوجہ فرمایا کہ گاندھی کی پیروی کرنا اور ہندوؤں کا ساتھ دین اسلام کی فطرت کے خلاف ہے، اس بات کو نہ صرف علماء اہلسنّت بلکہ خود ہندو لیڈروں نے بھی محسوس کیا چنانچہ لالہ لاجپت رائے آنجہانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

ایک ہندو لیڈر کا خوف:

ایک اور چیز جو ایک عرصہ سے میرے لئے وجۂ اضطراب ہورہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوت غور وخوض دوں، گذشتہ چھ ماہ میں میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور نا قابلِ عمل شئے ہے وہ مسلمان راہ نما جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کرلیا جائے پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز ہندو مسلم اتحاد کے راستہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔ (۲)

---

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''۔ص۲۴۔۱۳۳۸ھ، مراد آباد

(۲) مفتی محمد عمر نعیمی ''تفرقہ اقوام''، ص۸، مراد آباد۔

اس واضح حقیقت کے باوجود جس کو علماء حق اور خود ہندوؤں نے محسوس کیا ہندو مسلم اتحاد کی بات کی گئی اور مسلمانوں کے لئے مسٹر گاندھی کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا چنانچہ ۱۹۴۰ء میں جب ابوالکلام آزاد آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر بنے تو انھوں نے صدارتی خطبے میں کامیابی کے لئے مہاتما گاندھی کی راہنمائی پر اعتماد کو ضروری قرار دیا۔

لیکن مسٹر گاندھی کی راہنمائی کی حقیقت کیا تھی؟ وہ ایک فلسفہ حیات تھا، جس کی بنیاد ہندو مذہب پر قائم تھی کیونکہ گاندھی جی اوّل و آخر ایک سچے اور راسخ العقیدہ ہندو ہی تھے ایسے شخص سے کسی دوسرے مذہب کے مفاد کی توقع رکھنا عبث تھی، مسلمانوں سے ہندوؤں کا اتحاد اسی وقت ممکن تھا جب وہ فلسفہ اسلام کو چھوڑ کر سیدھے گاندھی کو اپنا لیتے کیونکہ بقول لاجپت رائے ہندو مسلم اتحاد میں اسلام سب سے بڑی رکاوٹ ہوسکتا ہے۔

☆ فلسفہ گاندھی والی بات جو اوپر کہی گئی، محض قیاسی نہیں بلکہ یقینی ہے جس کی شہادتیں موجود ہیں، چنانچہ مشہور ہندو لیڈر راجا ریہ کرپلانی نے کانگریس کے لائحہ عمل کے متعلق اپنے بیان میں یہ صراحت کی ہے جو قابلِ توجہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ کانگریس کی ہر اسکیم گاندھی جی کے فلسفہ کے تحت چلائی جائے گی یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آپ کسی اسکیم اور فلسفۂ زندگی کے اصول پر چلاسکیں، کانگریسی اسکیموں کا قلم کسی اور فلسفہ پر نہیں لگایا جاسکتا یہ فلسفۂ زندگی دنیا کے کسی اور فلسفۂ زندگی کے ماتحت نہیں بنایا جاسکتا ہے علی ہذا القیاس جو سوشلسٹوں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سوشلزم اور گاندھی ازم، بالکل جدا جدا چیزیں ہیں جن میں کوئی مطابقت پیدا نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال گاندھی جی کا فلسفۂ زندگی ایک ایسا مکمل فلسفہ ہے جس سے تمام قوم بھی صحیح رہبری حاصل کرسکتی ہے اور فرداً فرداً اشخاص بھی، اس سے سیدھا راستہ پاسکتے ہیں''۔ [1]

---

(۱) ''جریدہ انصاری''، دہلی، ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر اخبار مدینہ لکھتا ہے:

''کانگریس کے ہر بشر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفۂ زندگی کو دنیا کے تمام دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے بہتر سمجھے اور کانگریس کے پروگرام کو گاندھی کے فلسفہ کی روشنی میں دیکھئے جو شخص ایسا نہیں کرسکتا وہ کانگریس کا ممبر نہیں بن سکتا''۔

بحیثیت مسلمان یہ اندازِ فکر کتنا غیر اسلامی ہے مگر مسلمانوں کے عقل وشعور پر کچھ ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ انھوں نے اسلام کے ایک زندہ فلسفۂ حیات کے ہوتے ہوئے گاندھی جی کے فلسفے کو ترجیح دی، چنانچہ ابوالکلام آزاد نے اپنے صدارتی انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا انتخاب صدارت کے لئے درحقیقت مہاتما گاندھی کی قیادت پر اعتماد کا آئینہ دار اور اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے اوران کے پروگرام سے بالکل متفق ہے''۔

گاندھی جی کے پروگرام سے متفق ہونا درحقیقت فلسفہ گاندھی کو اپنانا تھا جو بقول اچاریہ کرپلانی: ''دنیا کے دوسرے فلسفہ ہائے زندگی سے قطعاً مختلف پروگرام تھا''۔ اور بقول مدیر اخبار مدینہ: 'تمام فلسفوں سے بہتر ہے ظاہر ہے جو یہ فلسفہ اپناتا ہے وہ عملاً مسلمان نہیں رہتا''۔

چنانچہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے بالکل ٹھیک کہا تھا:

''جو مسلمان کانگریس میں شریک ہیں وہ مسلمان ہیں کب؟''۔

میاں صاحب اگر اپنے ایمان کی خیر منانا چاہتے ہیں تو مسلمان کانگریس سے مسلم لیگ میں جائیں۔

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ کانگریس کسی سیاسی تحریک کا نام نہ تھا بلکہ آخر میں یہ ایک ہندو مذہبی تحریک بن گئی تھی، اس لئے جب کانگریس میں کھل کر فلسفہ گاندھی کی بات ہونے لگی تو مسلمانوں نے عموماً اور علماء اہلسنّت نے خصوصاً فلسفہ اسلام کی بات کی اور حقیقت میں اس طرح ہندوستان اور پاکستان دو متضاد اور مختلف مذہبی ذہنیتوں کی نمائندگی کررہے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان علماء حق کی کوششوں سے فلسفۂ اسلام سے پہلے متعارف تھے اور اسلامی

تحریک کے لئے راہ ہموار ہوچکی تھی لیکن سیاسی سطح پر غالباً سب سے پہلے دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانان ہند کو علامہ اقبال نے اس طرف متوجہ فرمایا اور موصوف ہی نے قائداعظم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جنھوں نے اسی فکر سے خود بھی قوت حاصل کی اور پوری قوم کو طاقت ور بنا کر منزل تک پہنچایا۔

علامہ اقبال فکری طور پر دسویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (علیہ الرحمۃ) ۱۰۳۴ھ/م ۱۶۲۴ء سے بے حد متاثر تھے، تاثر کی انتہا ہے کہ انھوں نے اپنی تصویر خودی کی بنیاد حضرت مجدد کے تصور وحدۃ پر رکھی اور پھر جس طرح حضرت مجدد مسلمانان ہند کو دور اکبری کی پستی سے نکال کر عالمگیری دور کی بلندیوں پر لے گئے، اسی طرح علامہ اقبال مسلمانان ہند کو برطانوی دورِ حکومت اور سوراج کی پستیوں سے نکال کر پاکستان کی بلندیوں پر لائے۔

اور یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ علامہ اقبال معاصرین میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۲۱ء) سے بھی بے حد متاثر تھے۔ چنانچہ غالباً اسی سال علی گڑھ میں ایک دعوت کے موقع پر پروفیسر محمد سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۹۳۳ء) سربراہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی موجودگی میں علامہ نے فاضل بریلوی کی علمیت اور فقاہت کو خوب خوب سراہا۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ ''السواد الاعظم'' بھی پڑھتے رہے ہوں، کیوں کہ اس دور پر آشوب میں یہی ایک رسالہ تھا جو ان کے افکار وخیالات کے معیار پر پورا اتر سکتا تھا۔

ایک طرف گاندھی جی نے اپنا فلسفہ پیش کیا تو دوسری طرف علمائے اہلسنّت نے اسلامی فلسفہ پیش کیا، مگر دونوں میں زمین وآسمان کا فرق تھا، فلسفہ گاندھی ابھی تجربے کی منزل سے نہیں گزرا تھا اور اسلامی فلسفہ تجربہ کی منزل سے گزر چکا تھا اور اپنے پیچھے تیرہ سو سالہ تاریخ رکھتا تھا، ۱۹۴۷ء کے بعد دونوں پر عمل کا وقت آیا فلسفہ گاندھی کی طور پر اپنایا گیا، لیکن اس کا فیض غیر مسلمان فسادات کی نذر ہوگئے اور اچھوتوں کو بھی وہ مقام حاصل نہ ہوسکا، جس کے لئے گاندھی جی بظاہر کوشاں تھے اس کے برخلاف پاکستان میں اگرچہ اسلامی فلسفہ کو جزوی طور پر اپنایا گیا لیکن اس کا فیض ہندو مسلمان دونوں کو ملا، ۱۹۴۷ء سے آج تک ایک ہندو بھی پاکستان

میں فسادات کی نذر نہیں ہوا اِن تجربات سے دونوں فلسفوں کی اہمیت اور جدید دنیا کے لئے فلسفہ اسلام کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کہنے کو ایک لا مذہب حکومت ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ گاندھی جی کے فلسفہ حیات پر عمل پیرا نہیں، لیکن حقیقت میں وہ اسی فلسفہ کے سہارے چل رہی ہے اور وہاں ہر شخص گاندھی جی کی تمناؤں اور مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہے، دورِ جدید کا یہ ایک مؤثر حربہ ہے کہ مصلحت وقت کے تحت جو چاہے نام رکھ لو اور جو چاہے فیصلہ کرلو، مگر اندرون خانہ کرو وہی جو من میں ہے، اسی طرح کام بھی بن جاتا ہے اور بدنامی بھی نہیں ہوتی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور ان کے شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مندرجہ بالا سیاسی افکار وخیالات سے اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ دونوں عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند نگاہ دور اندیش ماہرِ سیاسیات بھی تھے، حالات و واقعات پر آپ کی پوری نگاہ تھی چنانچہ آپ نے ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۱ء اور ۱۹۴۰ء میں ہندوؤں اور جمعیت العلماء ہند والوں کے حالات وواقعات پر جو تبصرہ کیا تھا وہ آج بھی اسی نہج پر مستمر ہے۔

مولانا محمد عمر نعیمی زندگی بھر تدریسی، صحافتی اور فتویٰ نویسی، کے فرائض انجام دینے میں مصروف رہے، اسی لئے تصنیف وتالیف کے لئے انہیں مکمل موقع نہ مل سکا تھا لیکن اگر ماہنامہ ''السواد الاعظم'' میں جس کے آپ عرصہ تک ایڈیٹر بھی رہے، آپ کے مطبوعہ مضامین اور اداریوں کو ہی جمع کرلیا جائے تو کئی ضخیم کتب مجلدات میں مرتب ہوسکتی ہیں، اسی طرح اگر آپ کے فتوؤں کو جمع کیا جائے جو آپ نے وقتاً فوقتاً جوابات دیئے تو وہ بھی کئی جلدوں میں ترتیب دیئے جاسکتے ہیں، ممکن ہے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے صاحبزادگان میں سیّدی ومولائی مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ اس اہم امر کی جانب سوچ رہے ہوں؟

خزائن العرفان کی جمع وترتیب اور طباعت:

مولانا مفتی عمر نعیمی کی نمایاں دینی وعلمی خدمات میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کا ترجمہ قرآن بنام ''کنز الایمان'' کی پہلی اشاعت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا اس

کے بعد تفسیری حاشیہ ''خزائن العرفان'' کی املا اور کتابت، پروف ریڈنگ، پیسٹنگ، جلد بندی اور روز و شب اس قدر کام میں مصروف رہنا اور مالیات کی فراہمی کے سلسلے میں اہلِ خیر سے روابط رکھنا وہ امر عظیم تھا، جو آپ نے حضرت صدرالافاضل کے ہمراہ انجام دیا۔

علاوہ ازیں مجلّہ ''السواد الاعظم'' کے لئے مضامین کی فراہمی، طباعت وغیرہ کی ذمہ داری الگ تھی۔اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جو لوگ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر غلط اور بے بنیاد الزامات لگا کر عوام میں اچھالے تھے، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی نہایت ہی معقول اور منطقی دلائل سے ان کا جواب ''السواد الاعظم'' کے اداریے میں تحریر فرماتے تھے۔ان الزامات میں سے حضرت فاضل بریلوی کو یہ الزام دے کر بدنام کیا گیا جس کا اثر اب تک موجود ہے اور علمی دنیا میں ان کو اسی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔وہ الزام یہ ہے کہ ''آپ ہر کسی کو کافر کہہ دیا کرتے تھے''۔

حضرت تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس الزام کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

''جب مسلمان بنے رہنے اور مسلمانوں کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مشہور کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کے لئے کافر کہہ دینا ایک امر عادی ہے۔[1]

حضرت تاج العلماء مزید لکھتے ہیں کہ:

''صرف فتویٰ تکفیر پر کیا موقوف ہے؟۔فتاویٰ رضویہ کی بارہ مجلدات میں ایک ہی موضوع پر ہزاروں فتوے ہیں۔اگر طلاق ہی کے لئے لیے جائیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیا آپ ہر وقت طلاق ہی کے فتوے دیتے رہتے تھے؟۔اگر ایک حکیم کا رجسٹر اٹھایا جائے اس میں ایک ہی مرض کے ہزاروں مریض اور نسخے ملیں گے تو کیا اُن نسخوں کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کو دیکھو بخار بتادیا؟ آپ آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں پر کفر کے فتوے دیے گئے ہیں۔آیا اُن میں کوئی بھی ایسا ہے کہ اس سے کفر کی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور اس کو کافر کہہ دیا

(۱) ماہنامہ ''السواد الاعظم''، ص ۸۔رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، مرادآباد

گیا ہو، مگر ایسا نہیں تو ان لوگوں کو کفر کرنے سے منع کرنا چاہیے نہ کہ مفتی کافر نہ کہنے سے۔ طبیب کے پاس جو بخار والا آئے گا وہ ضرور اس کی تشخیص کرے گا اور بخار کا نسخہ لکھے گا۔ نہایت بے عقلی ہوگی اگر آپ مریض کو دوا اور پرہیز پر تو آمادہ نہ کریں لیکن طبیب کو بخار تجویز کرنے سے روکیں۔ اور اس پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے اپنی عمر میں ہزار ہا آدمیوں کو بخار بتایا ہے یہ آپ کی عادت ہی ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر بنایا نہیں جاتا بلکہ انسان اپنے قول وعمل سے خود کافر بن جاتا ہے۔ مفتی صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب اگر اس کا قول وعمل صحیح ہے تو مفتی کے کہہ دینے سے کافر نہیں ہوجاتا۔ اس لیے تشویش وفکر نہ ہونی چاہیے۔ اور ایسے الزامات سے توبہ کرنا چاہیے"۔

مذکورہ بالا جوابات کی روشنی میں ایسا لگتا ہے کہ حضرت تاج العلماء اپنے استاد صدرالافاضل کی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے حقیقی ترجمان تھے اور آپ مسلسل چالیس سال تک دینی، سیاسی، تدریسی خدمات اور تحریک پاکستان کے لئے نمایاں کردار ادا کرتے رہے تھے۔ جس وجہ سے مرادآباد اور قرب وجوار کے ہندو آپ کے سخت مخالف ہوگئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کو زیادہ دنوں مرادآباد میں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا، اس لئے آپ احباب کے مشورے سے تقسیم ہند کے بعد یعنی ۱۹۵۱ء میں ترک وطن کر کے مرادآباد سے پاکستان کراچی آگئے اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد مولانا شاہ احمد نورانی) کے اصرار پر کراچی ہی میں قیام پزیر ہوگئے اور کراچی میں ایک دینی ادارہ بنام ''مخزن عربیہ بحر العلوم'' قائم فرمایا۔

نیز جامع مسجد آرام باغ میں ابتدائی طور پر خطابت وامامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔ آج کل یہ فرائض آپ کے بڑے صاحبزادے علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی (سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان) انجام دے رہے ہیں۔ جبکہ آپ کے دوسرے صاحبزادگان میں حافظ محمد ازہر نعیمی، وغیرھم بھی متعدد دینی و سماجی خدمات میں مصروف نظر آتے ہیں۔

تحریک ختم نبوت میں خدمات:

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی تحریک میں حصہ لے چکے تھے، اس جرم میں انہیں گرفتار کر کے سنٹرل جیل کراچی میں منتقل کر دیا گیا تھا، آپ عرصے تک جیل میں مقید رہے تھے، اسی اثناء میں آپ پر جو شدت کی گئی تھی اس کے کافی دنوں تک اثرات موجود رہے بلکہ آخر ایام میں ان ہی اثرات سے ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ (۱۷ر مارچ ۱۹۶۶ء) کو آپ کراچی میں وفات پا گئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی نماز جنازہ کے فرائض آپ کے خلف اکبر مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہٗ نے انجام دیے۔ اس کے بعد صلوٰۃ وسلام کی گونج میں آپ کی تدفین مسجد ''دارالصلوٰۃ' ناظم آباد کراچی کے ایک گوشے میں ہوئی۔(۱)

مفتی محمد محمد عمر ۱۳۸۵ھ آپ کا تاریخ وصال نکلتا ہے اس موقع پر جناب صابر براری نے درج ذیل تاریخ وفات لکھی:

ہو کیوں نہ چشم حق میں یوں اشکبار صابرؔ
عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قدیمی

تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دین میں
تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد تمیمی

شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضرہ کے
اسلاف ذی شرف کے مجموعہ عمیمی

پہنچا دے ان کو یارب دربار مصطفیٰ میں
دے خلدان کو تیری ہر شان ہے کریمی

سال وصال صابرؔ لکھ فقر کو ملا کر
ہادی اہل سنت مفتی عمر نعیمی

(۱۹۶۶ء۔۱۳۸۵ھ)

اور مولانا ضیاء القادری بدایونی نے درج ذیل تاریخ وفات کہی:

عالم ذی جاہ مولانا عمر تھے سراج علم، مثل ماہِ مہر (۱۳۸۵ھ)

اے ضیاءؔ ہے آپ کا سال وصال عالی ہمت رحمت اللہ علیہ

اور آپ خود اپنے مرقد میں زبانِ حال سے مترنم ہیں۔

بعد وفا تربت مادر زمین مجو
در سینہ ہائے عارف مردم مزار ما

☆☆☆

حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں بدایونی نعیمی علیہ الرحمۃ

شیخ التفسیر والحدیث والفقہ حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں ابن مولانا محمد یار خان بدایونی شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں محلّہ قلعہ کھیڑہ/اوجھیانی ضلع بدایوں، یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ روحانی اعتبار سے حضرت شیخ الاسلام سیّد شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی، پھر مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں داخل ہو کر ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء میں مولانا قدیر بخش بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، اسی زمانے میں بریلی جا کر حضرت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف بھی ہوئے۔

مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے بعد مدرسہ اسلامیہ، مینڈھو (ضلع علی گڑھ) میں داخل ہوئے چونکہ یہ مدرسہ دیوبندی مکتب فکر سے تھا۔ اس لیے وہاں سے تعلیم ترک کر کے مرادآباد، چلے آئے اس واقعہ کا ذکر مفتی صاحب نے اپنے مجموعہ کلام ''دیوان سالک'' کے ایک حاشیہ میں بھی کیا ہے۔

آپ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخل ہوئے اور حضرت صدر الافاضل مولانا شاہ سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ (قدس سرہ) کی مردم شناس نگاہوں نے جوہر قابل پہچان لیا اور ابتدائی طور پر خود پڑھانا شروع کیا، پھر بے پناہ مصروفیات کی بناء پر حضرت مولانا احمد حسن کانپوری) جو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے تلمذ وخلیفہ بھی تھے انہیں مرادآباد بلا کر مفتی صاحب کی تعلیم ان ہی کے سپرد کر دی، ایک سال بعد مولانا مشتاق کانپوری میرٹھ تشریف لے گئے مفتی صاحب بھی استاذ گرامی کے ساتھ رہے اور ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کر لی، اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔

تدریس:

آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل کے بعد عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے کیا، جہاں تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے ذمہ تھا بعد ازاں ''مدرسہ مسکینیہ'' دھوراجی، کاٹھیاواڑ گجرات میں نو سال تک تدریس اور خطابت کے فرائض انجام دیے، اس کے بعد پھر آپ نے ایک سال کے لیے ''جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور تقریباً تین سال رکھوچھ شریف ضلع فیض آباد یو پی میں تدریسی خدمات انجام دیے) پھر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سیّد ابوالبرکات شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے بلانے پر آپ پاکستان تشریف لائے اور تقریباً بارہ تیرہ برس دارالعلوم خدام الصوفیہ گجرات، اور دس برس انجمن خدام الرسول میں فرائض تدریسی انجام دیے، وصال سے قبل تک جامعہ غوثیہ نعیمیہ (۱) گجرات میں تصنیف و تالیف افتاء اور تدریس کا کام انجام دے رہے تھے۔

۱۹۴۶ء میں جب مرکزی انتخابات ہوئے تو ہر طرف مسلم لیگ اور پاکستان کا نعرہ بلند تھا، علاقہ ''روہیل کھنڈ'' خاص طور پر بریلی میں صرف مسلم لیگ کا شہرہ تھا، بدایوں کے علماء و عمائدین میں مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ غلام نظام الدین، مولانا عبدالصمد مقتدری اور مولانا احمد یار خان نعیمی نے بڑا کام کیا اور عوام کو مسلم لیگ میں شمولیت کے لیے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔

قصبہ اوجھیانی مفتی احمد یار خان کے آبائی گاؤں میں مسلمانوں کے تقریباً ۱۷ ووٹ تھے جن میں سے پندرہ ووٹ، مسلم لوگ کو ملے آخری ووٹ مفتی احمد یار خان نعیمی کا تھا علاقہ کے مسلمان اور عوام بہت خوش تھے کہ مفتی صاحب صرف ووٹ ڈالنے کے لئے گجرات پنجاب سے سفر کر کے اوجھیانی پہنچے تھے، تاکہ اپنے

---

(۱) جامعہ غوثیہ نعیمیہ آپ نے اپنے استاد حضرت صدر الافاضل کی یاد میں شہر گجرات میں قائم کیا۔ اور اسی ادارے کے تحت آپ نے بے شمار دینی و سیاسی تدریسی تصنیفی خدمات انجام دیے اب آپ کے صاحب زادگان کی اولاد میں سے کوئی صاحب دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ووٹ سے مسلم لیگ کے امیدوار کو کامیاب کر سکیں، مفتی صاحب اگرچہ درس و تدریس میں زیادہ تر وقت صرف کرتے تھے تاہم مختلف مواقع پر ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھی خدمات انجام دیتے رہے تھے بالخصوص تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حضرت صدر الا فاضل مولانا شاہ سیّد نعیم الدین مراد آبادیؒ نے قرارداد پاکستان کے لیے جو کوششیں کیں مفتی صاحب اس میں برابر شریک رہے ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں نظریہ پاکستان کی تائید کے لیے بنارس میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' منعقد ہوئی تو آپ پنجاب کے علماء و مشائخ کے تعلیمی وفد میں شامل تھے۔

زیارت حرمین:

آپ پانچ دفعہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے ۴۶ سال تک خدمت درس و تدریس میں سینکڑوں علماء کو فیض یاب فرمانے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل تصانیف کا ایک معتد بہ ذخیرہ یادگار چھوڑا جس سے مسلک اہلسنّت و جماعت کو فروغ دینے میں بڑی تقویت ملی۔

تصانیف

۱) تفسیر نعیمی (تفسیر مکمل/مطبوعہ/گجرات)

۲) نعیم الباری شرح بخاری، بخاری شریف عربی حاشیہ، غیر مطبوعہ۔

۳) مرأة المناجیح فی شرح مشکواة المصابیح مجلدات ۸، مطبوعہ گجرات۔

۴) نور العرفان فی حاشیہ القرآن، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلویؒ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان پر تفسیری حاشیہ، مطبوعہ، لاہور۔

۵) جاء الحق دو جلدیں، اردو مطبوعہ علمی تنقیدی کتاب، علم العقائد

۶) شان حبیب الرحمٰن/فی آیات القرآن، مطبوعہ (سیرت)

۷) علم المیراث، مطبوعہ، فقہ

۸) اسلامی زندگی، مطبوعہ

۹) سلطنت مصطفیٰ (مطبوعہ) سیرت

۱۰) دیوان سالک، مطبوعہ، ادب وتصوف وشعر

۱۱) علم القرآن، مطبوعہ

۱۲) رسالہ نور، مطبوعہ (سیرت النبی)

۱۳) رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء مطبوعہ (فضائل وکتاب وسنّت)

۱۴) مواعظ نعیمیہ، خطبات، مطبوعہ گجرات

۱۵) نئی تقریریں، خطبات، مطبوعہ گجرات

۱۶) فتاویٰ نعیمیہ، فقہ، مطبوعہ

اس طرح آپ نے تدریس، تصنیف وتالیف کے علاوہ پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے استفتاء کے جوابات بھی دیے، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں ''فتاویٰ نعیمیہ'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب مطبوعہ ہے فتاویٰ نعیمیہ حصہ اول ص ۱۴۱ میں ایک فتویٰ درج ہے جو مولانا کفایت اللہ دہلوی کے رد میں ہے۔ اس فتویٰ کے اقتباسات سے ہی حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی کے تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قارئین کے لیے صرف ایک اقتباس درج کیا گیا ہے:

''مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ الدھلوی کی تصحیح سے ایصالِ ثواب، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہہ ماہی، برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے اس فتویٰ کے ردّ میں مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں مفتی کفایت اللہ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثبت نہیں۔ اس تحریر سے مفتی کی کیا مراد ہے؟ آیا یہ ہے کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا یہ کہ ہیئت ثابت نہیں؟۔ بہ تقدیر

اوّل غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے اور بالیقین قولاً وفعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ عقائد اہلِ سنّت میں سے ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے:

"وفی دعاء الاحیاء الاموات، و صدقاتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للا موات"

اوراحادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے، اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت، نہ صحابہ کرام نہ تابعین، نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ آئمہ مجتہدین، سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے، دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے، حضور کے اصحاب واتباع کا معمول ہے، یہ علم اور فتوے نویسی لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیائت ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لیے اس کے جملہ خصوصیات ہئیات کا اثبات بھی ضروری ہے؟ ایسا ہوتو قرآن کے اعراب اس کے پارے، منزلیں، رکوع، وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ، یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ تفاسیر قرآن ومدارس اسلامیہ، سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات وہئیات کے زمانہ اقدس میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں، اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت نہ پائی جاء اس کو حکم شرعی سمجھا جائے وہ بدعت اور قابل رشک ہے اور اس کا مرتکب گناہ گار ہے مفتی صاحب مثل ونظیر سے کیا مراد لیتے ہیں؟ یہی کہ اس شے کی ہو بہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتویٰ نویسی بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دینا مہر لگانا خیر القرون میں کہاں تھا؟ مدرسہ امینیہ ہی بدعت، ایسے مدرسہ ان خصوصیات وہئیات کے ساتھ خیر القرآن میں کب پائے گئے تھے؟ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا جاتا ہے ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے، شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی ﷺ میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا جاتا تھا اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے پھر خیر القرون میں بدعت کی قید کس طرح صحیح ہوسکتی ہے؟ مفتی کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا

جائے اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے؟ لفظ لکھتے اور معنی نہیں سمجھتے اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجیے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کرے مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیوں کہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات بعد کے لوگوں کے اختراعات ہیں تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی، لہٰذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گناہ گار بتانا غلط اور باطل ہوا اور ایسے باطل حکم کو جو اپنا دل سے گھڑا ہو۔ بصورت فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے ایسی بدعت سیئہ ہے جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے، آخر میں مفتی نے لکھا ہے لہٰذا یہ تمام رسوم بدعات ہی ہیں اور ان کا ترک کرنا اور ان کے رکوانے میں کوشش کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا ہے کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے پھر ان کے ترک کرنے یا کرانے کی کوشش کرنا منع ہے اور آگے جو حدیثیں اس نے لکھیں ہیں من احدث فی امرنا اور کُلُّ بدعةٍ ضلالة الحدیث اور ومن رائ منکم منکراً (الحدیث) ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگریس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی زندگی کو کانگریسی واغیت کے اشارہ ابرو پر نثار کرڈالنا یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنیں لہٰذا بدعت ثابت ہوئیں اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے اور حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ (احمد یار خان عنہ)

وفات:

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی (قدس سرہ) کا وصال ۳ رمضان المبارک ۲۴ اکتوبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو ہوا، نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سیّد احمد شیخ الحدیث دارالاحناف لاہور نے پڑھائی، مفتی صاحب کے جنازہ میں شرکت کے لیے لاہور سے علماء کرام کا ایک وفد جس کی قیادت علامہ شرف القادری کررہے تھے گجرات گیا، حضرت مفتی صاحب کی زیارت کی۔ چہرہ پھول

کی طرح کھلا ہوا تھا، اس وقت یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ ان پر موت کی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔

آپ کی یادگار میں دو صاحب زادے مولانا مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی اور دوسرے مولانا مفتی مختار احمد خان نعیمی رحمہ کا شمار بھی اہلسنّت و جماعت کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا۔

مولانا مفتی مختار احمد نعیمی مرحوم ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہل سنت پاکستان کی حیثیت سے حضرت علامہ الحاج شیخ الحدیث احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں مسلک اہلسنّت کے لیے نمایاں خدمات انجام دیتے رہے تھے اور قائد اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ صدر جمعیت علماء پاکستان کی قیادت پر غیر متزلزل یقین واعتماد رکھتے تھے۔

خلاصہ بحث

۱) مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے خاص شاگردوں اور مشاہیر اکابرین اہلسنت و جماعت میں شمار کیے جاتے تھے۔

۲) تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۳) تمام زندگی امام احمد رضا بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے فلسفے فکر ونظر کو فروغ دینے اور تصنیف وتالیف و تقریر کے ذریعہ فروغ دینے میں مصروف رہے۔

۴) آپ مجمع العلوم وفنون تھے لیکن آپ کا خصوصی موضوع علم فقہ وحدیث وتفسیر تھا۔

۵) آپ روحانی اعتبار سے چشتی قادری رضوی بھی تھے۔

آپ کے تلامذہ میں پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان کے مولانا قاضی عبدالنبی کوکب تھے، جنھوں نے فلسفہ رضا کو فروغ دینے کے لیے لاہور میں یوم رضا کے نام سے ۱۹۷۰ء میں ایک عظیم سیمینار کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک کے معروف اہل علم ودانش علماء وفقہاء پیشوایان اسلام نے امام احمد رضا بریلوی (علیہ الرحمۃ) کو ان کی فکری نظری، دینی، سیاسی، ملی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

مراجع

۱) اکابر اہلسنت / مصنفہ علامہ شرف القادری لاہور

۲) سیرت سالک / مولفہ قاضی محمد عبدالنبی کوکب مطبوعہ لاہور۔

۳) مقدمہ مراۃ المناجیع فی ترجمہ، المشکوۃ المصابیح مطبوعہ لاہور۔

۴) مقدمہ جاءالحق ج ا مطبوعہ گجرات

حضرت مولانا شاہ محمد اجمل سنبھلی علیہ الرحمۃ (۱)

(المتوفی ۱۳۸۳ھ مطابق ۸/ستمبر ۱۹۹۳ء)

۱۵/محرم ۱۳۲۲ھ سنبھل مرادآباد یوپی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد اور بڑے بھائی سے پائی، شرح جامی تک اپنے چچیرے بھائی مولانا شاہ محمد عمادالدین سنبھلی سے پڑھی۔ معقول ومنقول کی تحصیل وتکمیل حضرت صدرالافاضل مولانا حکیم محمد نعیم الدین مرادآبادی/قدس سرہ سے حاصل کرکے ۱۳۳۹ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ آپ حضرت فاضل مرادآبادی (علیہ الرحمۃ) کے معیت میں بریلی میں حاضر ہوکر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا (قدس سرہ) سے بیعت کی ۱۳۴۴ھ میں ''مدرسہ اسلامیہ حنیفہ'' قائم کیا اور درس دینا شروع کیا۔ ساری عمر افادہ درس واعظ وارشاد میں بسر فرمائی، نہایت پختہ مشق مدرس تھے۔ حضرت مولانا شاہ حامد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت قطب العالم مخدوم علی حسین اشرفی کچھوچھوی قدس سرہما سے اجازت و خلافت پائی تھی۔ کئی سال مسلسل علیل رہے بالآخر ۱۳۸۳ھ مطابق ۸/ستمبر ۱۹۹۳ء کو رحلت فرماگئے۔ (اناللہ و انا الیہ راجعون) آپ کا مزار سنبھل مرادآباد میں ہے۔

تصانیف:

آپ نے مولوی حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی معروف کتاب ''شہاب ثاقب'' کے ردّ میں ''شہاب ثاقب' لکھی اور لکھنے کا خوب حق ادا کیا۔ آپ کی اور دوسری کتاب ''فیصلہ حق باطل'' ہے۔ آپ کی یہ دونوں علمی تحقیقی کتابیں معروف ہیں۔

---

(۱) تذکرہ علماء اہلسنّت، محمود احمد قادری

حضرت مولانا ابوالخیر نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی (علیہ الرحمۃ) نسباً آرائیں، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد صوفی مشرب، پاکیزہ سیرت اور صاحب دل بزرگ تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۶/رجب المرجب ۱۳۳۲ھ/۱۰/جون ۱۹۱۴ء کو موضع ''سوجیکی ضلع اوکاڑہ'' میں ہوئی۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) جد امجد حضرت مولانا احمد الدین (۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء) سے حاصل کرنے کے بعد سلف صالحین کی سنت کے مطابق طلب علم کے لیے سفر شروع کیا اور متحدہ ہندوستان کے دور دراز مقامات پر جا کر متعدد علماء کرام سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی، اس سلسلے میں استاذ العلماء حضرت مولانا فتح محمد جیسوی محدث بہاولنگری (م ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے بعد حزب الاحناف لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ ''الوری'' علیہ الرحمہ (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) خلیفہ امام احمد رضا خان بریلوی اور مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری الوری (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) خلیفہ امام احمد رضا خان بریلوی سے دورہ حدیث پڑھا۔ حضرت محدث ''الوری'' دورہ حدیث پڑھنے والوں کو اکثر فرمایا کرتے کہ:

''اس بار تم مولانا محمد نور اللہ کے طفیل پڑھ رہے ہو''۔

دورہ حدیث مکمل کرنے کے بعد ۲۳/نومبر ۱۹۳۳ء شعبان ۱۳۵۲ھ کو سند فراغت ودستار فضیلت عطا کی

گئی اس موقع پر امام اہل سنت محدث ''الوری'' علیہ الرحمۃ نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ خصوصی اسناد سے بھی نوازا اور کنیت ''ابوالخیر'' عطا کی۔ بعد میں حضرت مولانا ابوالبرکات نے آپ کو فقیہ اعظم کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) نے بھی اپنے گرامی نامہ میں حضرت کے نام کے ساتھ فقیہ اعظم کا لقب تحریر فرمایا۔

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ نے اپنی فطری ذکاوت و ذہانت سے زمانہ طالب علمی ہی میں علوم درسیہ کے متعدد علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ ایسے تمام تمام علوم کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔

درس وتدریس:

تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے استاد گرامی حضرت مولانا فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری کے مدرسہ مفتاح العلوم میں کچھ عرصہ صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں تحصیل دیپال پور کے ایک قصبے فرید پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔ جملہ علوم وفنون درس نظامیہ کی تدریس کے کام خود انجام دیئے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورہ حدیث کا آغاز فرمایا۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دورہ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق (علیہ الرحمۃ) بھی شریک درس تھے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم الشان علمی ادارے کی متقاضی تھی۔ جس کے لیے یہ جاگیردارانہ ماحول مناسب نہ تھا۔ اس لیے آپ نے ۱۹۴۵ء/۱۳۶۴ء کو بصیر پور میں ڈیرہ جمالیا۔ یہ پسماندہ علاقوں خصوصاً خطۂ زمین جس پر اب دارالعلوم موجود ہے، قزاقوں کا مسکن تھا۔ اس وادی غیر ذی زرع کو اس عاشق مصطفیٰ نے اپنی شبانہ روز محنت، پیہم لگن اور جہد مسلسل سے عظیم یونیورسٹی بنا دیا۔

آپ نے مسلسل پچاس سال قرآن، حدیث اور دیگر علوم وفنون کا درس دیا۔ جب سنت یوسفی پر عمل

پیرا ہوتے ہوئے جیل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی حدیث شریف پڑھتے رہے۔اسباق سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں آپ نے آپریشن کرایا، زخم ابھی مندمل نہیں ہونے پائے تھے، نقاہت حد سے زیادہ تھی مگر آپ نے اس عالم میں بھی سلسلہ تدریس منقطع نہ ہونے دیا۔ یکم اپریل ۸۳ء کو شدید علیل ہوئے۔اس سے قبل یعنی ۳۱/مارچ کو بھی آپ نے باقاعدگی سے طحاوی شریف کا سبق پڑھایا۔عمر بھر اپنے مرشد کامل کے بتائے ہوئے محبوب وظیفے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ سے فیض یافتہ ملک کے گوشے گوشے میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء وتبلیغ کے ذریعے رشد وہدایت میں مصروف ہیں۔

بیعت وخلافت:

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرشد کامل کی جستجو کی اور ۱۹۴۰ء میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تو حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔بس پھر کیا تھا آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی۔

ایک ہی بار ہوئی وجہ گرفتاریٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

حضرت مفتی اعظم سید ابوالبرکات (علیہ الرحمۃ) کے مشورے سے حضرت صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے رہبر کامل نے خود ہی ارشاد فرمایا:

''مولانا آپ کا وظیفہ درس وتدریس ہے''۔

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم نے عمر بھر اس وظیفہ کو حرز جاں بنائے رکھا۔

فقیہ اعظم رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کی تعطیلات میں مراد آباد حاضر ہوئے تو حضرت صدر الافاضل

(علیہ الرحمۃ) نے آپ کو سلوک و معرفت کی منال طے کرائیں۔ اپنے سلاسل حدیث کی اسناد اور مختلف اشغال واعمال اور وارد وظائف کی اجازت سے نوازا۔ قلب منور کو مزید مجلی کیا اور سلسلہ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ اس تحریری اجازت نامے پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ/ ۲۸ر ستمبر ۱۹۴۲ء بروز پیر کی تاریخ درج فرمائی۔

صدر الافاضل (علیہ الرحمۃ) کے علاوہ حضرت کو اپنے استادگرامی مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب ''الوری'' کی طرف سے بھی اسناد حدیث اور دیگر اعمال وظائف اور سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔ جب کہ محدث ''الوری'' کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے اجازت حاصل تھی۔

حضرت کو اپنے دیگر اساتذہ حضرت مولانا ابوالبرکات قادری اور محدث بہاولنگری کی طرف سے بھی بہت عملیات اور مختلف سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔

تفقہ فی الدین:

حضرت فقیہ اعظم فتویٰ نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے آپ کی ذات مرجع خلائق تھی ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رکوع کرتے۔ فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ ایک فقیہ اور مفتی کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی (سابق چیئرمین مرکزی روایت ہلال کمیٹی پاکستان) نے فتاویٰ نوریہ کی تقریب تعارف منعقدہ ۴ر جون ۱۹۸۰ء بمقام پاکستان نیشنل سینٹر لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مفتی کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) علمی وسعت (۲) ایمانی فراست

(۳) دیانت (۴) تزکیہ نفس یعنی طہارت ظاہر و باطن

اگر یہ چار چیزیں اگر مفتی میں ہیں تو وہ صحیح معنوں میں رہنمائی کرسکتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم میں

یہ چاروں تمام اوصاف بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

فتاویٰ نوریہ کی چھ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی، وسعت نظر، قوت استدلال، صلابت رائے اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکثر و بیشتر فتوے اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کے معیار پر پورے اترتے ہیں، جن میں بیسویں مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے ایک استفتاء کے جواب میں آپ نے خود تحریر فرمایا:

''بفضلہ تعالیٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو متعدد معتمدات مذہب ضرور دیکھ لیا کرتا ہوں''۔

ایک عالم اور فقیہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ بلا تحقیق جواب نہ دے اور اگر کسی مسئلہ میں تحقیق نہ ہو تو اس کی وضاحت کرنے اور اصل صورت حال کے برملا اظہار میں اپنی توہین محسوس نہ کرے جیسا کہ امام دارالھجرۃ حضرت مالک بن انس سے ایک بار چالیس سوال دریافت کیے گئے مگر آپ باوصف اپنی جلالت علمی کے صرف چار کا جواب دے سکے اور چھتیس سوالات کے بارے میں فرمایا ''لا ادری'' ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا'' حضرت فقیہ اعظم کی ذات میں بھی یہی شان عجز و انکساری نظر آتی ہے۔ آپ اس وقت تک فتویٰ نہ دیتے جب تک کامل تحقیق نہ ہو جاتی۔

ایک فقیہ اور مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دل میں صاحب شریعت کی پختہ محبت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے اس کا قلب بھرپور ہو، وہ ایمانیات اور اعتقادیات میں متصلب ہو۔ صاحب فتاویٰ نوریہ کی ذات میں یہ اوصاف درخشاں نظر آتے ہیں۔ عشق نبوی نے آپ کو پختگی ایمان اور اتباع سنت و شریعت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ سرکار کی شان میں ادنی سی گستاخی کرنے والا بھی آپ کے نزدیک واجب القتل تھا۔ فرماتے ہیں:

''شہنشاہ کون و مکان حبیب رب رحمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذات میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کردے۔ یہ سزا اسلامی حکومت کا

فرض ہے۔ایسے بدخواہان ملک وملت کوشرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے''۔

ادائیگی حج:

آپ نے کتنے حج کیے؟ یہ تعداد خودان کوبھی یاد نہ تھی۔ایک بار کسی سائل کے استفسار پر فرمایا:

''گنتی یادنہیں رکھی ،اصل مقصود حاضری ہے جوان کی نگاہ کرم سے ہوجاتی ہے''۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کوبیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی۔

حضرت فقیہ اعظم (نوراللہ مرقدہ) کوجواد مطلق نے سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرہ ورفرمایا تھا،اگرچہ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے تاہم جب کبھی دین کی سربلندی کے لیے قربانیوں کا موقع آیا تو قوم نے آپ کومجاہدین کی صف اول میں پایا۔چنانچہ آپ نے تحریک پاکستان میں اپنے مرشد گرامی حضرت صدر الافاضل (قدس سرہ) اور دیگر اکابر علماء ومشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر اس تحریک کوکامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر نمایاں کردارادا کیا۔

۱۹۴۶ء میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ ہواتو آپ نے اپنا بھرپوراثرورسوخ استعمال کیا۔نتیجتاً اس حلقہ انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کوکامیابی ہوئی۔ جہاد کشمیر میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات قادری (علیہ الرحمۃ) (م۱۳۸۹ھ/۱۹۶۱ء) کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے پرزور حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں آپ کوایک سال قید بامشقت کی سزاسنائی گئی مگرتین ماہ بعدرہا کردیئے گئے۔۱۹۷۴ء میں سانحہ ربوہ کے باعث جب دوبارہ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہواتو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اوراس تحریک میں ناقابل فراموش کردارادا کیا۔

۱۹۴۸ء میں ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی۔اس اجلاس میں آپ شریک ہوئے۔ آپ جمعیت کے اساسی اراکین میں سے تھے اور جمعیت کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن بھی رہے تھے۔

۱۹۷۷ء میں خواص و عوام کے پرزور اصرار پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ حکمران پارٹی یعنی پی پی پی کی مخالفت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، لیکن اس مرد مجاہد نے نعرۂ قلندریہ بلند کیا۔ مخالفت کی آندھیاں اٹھیں، بدتمیزی کے جھکڑ چلے، دھمکیوں کے طوفان امڈ آئے، مگر جرات واستقلال کے اس کوہ گراں کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ آپ کے الیکشن میں حصہ لینے اور کلمہ حق کہنے کی پاداش میں حکومت وقت نے کئی انتقامی منصوبے بنائے، مگر آپ نے تمام سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر مقام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقہ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کے نتیجہ میں جبر و استبداد اور آمریت کا بت پاش پاش ہوگیا۔ نظام مصطفیٰ کی اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر عمل دیتا رہے گا۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی۔ ساہیوال سینٹرل جیل میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا اور درس قرآن کریم کے علاوہ قیدی طلباء و علماء کو بخاری شریف کا درس بھی باقاعدہ سے دیتے رہے۔

۱۹۷۸ء میں آپ کو جماعت اہلسنّت کا سینئر مرکزی نائب صدر مقرر کیا گیا۔ آخر عمر تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ کو حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کی قیادت پر مکمل اعتماد یقین تھا۔

آپ نے عمر بھر شریعت مطہرہ پر پابندی کا درس دیا۔ اس کی جھلک جابجا آپ کی تحریروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اپنے ایک فرزند نسبتی مولانا حافظ فیض الرحمٰن کوثر کے نام ایک مکتوب میں یہ نصیحت فرمائی:

''اپنے اوقات عزیزہ پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں اور استقامت علی الشریعۃ کا خاص خیال رہے کہ اصل وہی ہے اور اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں۔

اسی طرح حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری، مولانا ابوالفیاء، محمد باقر نوری اور مولانا ابوالحقائق محمد رمضان نوری (رحمۃ اللہ) کے نام تحریر فرمایا:

''شریعت غراء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں۔ ہر قسم کی خیانت سے پوری طرح پرہیز رہے، خلوص واخلاص واتفاق سے بسر کریں۔ یہ دنیا لعب ولہو ہی تو ہے۔

وصال:

حضرت فقیہ اعظم (رحمۃ اللہ) نے یکم رجب ۱۴۰۳ھ/ ۱۵/اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارکہ دوپہر ایک بجے وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے وصال کی خبر قیامت اثر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان نے دومرتبہ یہ خبر نشر کی۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ملک بھر سے لوگ بصیر پور پہنچنا شروع ہوگئے۔ ۱۶/اپریل کو غسل دینے کے بعد حضرت کو دن کے گیارہ بجے دارالعلوم کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ تین بجے مشتاقان دید، دیدار سے مشرف ہوتے رہے۔ آپ کا چہرہ انور پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس پر نورانیت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ روزنامہ مشرق لاہور نے اپنی رپورٹ میں یوں تحریر کیا۔

''مولانا مرحوم کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا''۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (علیہ الرحمۃ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے جنازہ کا اجتماع تاریخی تھا۔ روزنامہ جنگ ۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء نے جنازہ کا اجتماع ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ تاہم ایک محتاط اندازے کے مطابق جنازہ کا اجتماع دولاکھ سے بھی متجاوز تھا۔ ملک بھر سے نامور علماء ومشائخ کا جم غفیر تھا۔ مولانا تابش قصوری صاحب رقم طراز ہیں۔

''کم وبیش چالیس ہزار علماء ومشائخ'' اصفیاء وحفاظ کرام شریک جنازہ تھے، ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں''۔

نماز جنازہ سے قبل غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ نے اپنے پر درد خطاب میں

فرمایا۔

''امام الفقہاء سیدی فقیہ اعظم کے وصال سے پورا ملک یتیم ہوگیا، ہم یتیم ہوگئے، علم وتقوی دفن ہورہے ہیں''۔

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے مشرقی حصہ میں اس بحر بیکراں کو والد ماجد کے پہلو میں لٹا دیا گیا۔ اس موقع پر پیر طریقت حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی (برادر گرامی شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سیال شریف نے فارسی نظم تحریر فرمائی۔

آں ابو الخیر زبدۂ اخیار
بود اندر علوم کوہ وقار

تاجدار ولایت عرفاں
در دیار علوم دیں سردار

سنہ گنجینہ اش ز حب نبی
دلش از ذوق و شوق دیں سرشار

رحلتش غرہ زماہ رجب
سال ہفتاد و دو عمر شار

فخر آں بود چونکہ نور اللہ
مرق اوست مظہر انوار

(۱۴۰۳ھ)

حضرت فقیہ اعظم نے پانچ صاحب زادے، صاحب زادیاں بطور یادگار چھوڑے۔ صاحب زادگان میں سب سے چھوٹے حضرت علامہ محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ آج کل آپ کے جانشین کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف:

آپ نے تدریسی و انتظامی مصروفیات کے باوجود کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں معروف مندرجہ ذیل ہیں:

۱) فتاوی نوریہ (چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔)

۲) قضائے سنت فجر

۳) نور القوانین ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۳ء مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء

۴) عقود العاجد لعمار المساجد ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

۵) مسئلہ سایہ ۱۳۶۶ھ/۱۹۷۴ء مطبوعہ لاہور۔

۶) نعمائے بخشش المعروف دیوان نور مطبوعہ مقبول احمد پریس لاہور ۱۳۷۴ھ

۷) حمرۃ المصاہرۃ ترفع المناکحہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۸) مکبر الصوت ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء مطبوعہ اردو پریس لاہور ۱۹۵۶ء

۹) ضمیمہ مکبرات الصوت ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور۔

(یہ سب معلومات مقدمہ فتاوی نوریہ جلد اول ص ۶۷ تا ۱۰۱ سے ماخوذ ہیں)

حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمتہ

فخر الاساتذہ حضرت مولانا غلام جیلانی ابن مولوی حاجی غلام فخر الدین ابن مولانا حکیم سخاوت حسین حافظی فخری سلیمانی ۱۱ رمضان المبارک ۱۹۰۰ء میں ''ریاست دادوں'' علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا بزرگوار نے اپنے آبائی وطن سہسوان، ضلع بدایوں سے ترکِ سکونت کر کے یہاں اقامت کی تھی۔ ولادت کے وقت غلام محی الدین جیلانی نام رکھا گیا۔ آپ کے چچا حضرت مولانا غلام قطب الدین برہم چاری نے آپ کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں جو اس وقت مدرسہ ''انجمن اہل سنت'' کے نام سے مشہور تھا لے جا کر داخل کرا دیا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فتح پوری علیہ الرحمتہ سے ''فصولِ اکبری'' اور ''کافیہ'' پڑھی۔ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے گلستاں، قدوری، قال اقول پڑھی اور عربی انشاء کی مشق کی۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جونپوری (مؤلف ''قانونِ شریعت'') کے ہمراہ ''اجمیر شریف'' بغرض تعلیم پہنچے۔ امتحان کے بعد درجہ ''شرح جامی'' میں داخلہ ملا۔ دو ماہ بعد خوراک اور ایک روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ شرح جامی حضرت مولانا امتیاز احمد ایٹھوی، مفتی و مدرس دارالعلوم سے ختم کی۔ آٹھ سال تک مسلسل ہر سال سالانہ امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے۔ مُلا حسن کے تحریری امتحان میں ممتحن کی تحسین پر دارالعلوم نے چار روپیہ انعامی وظیفہ مقرر کیا۔(۱)

مولانا سید عبدالمجید اور مولانا عبدالحئ افغانی وغیرہ سے اخذ علوم کیا۔ شرح تہذیب کی منطقی ترکیب حضرت مولانا عبداللہ افغانی اور حاشیہ عبدالغفور کا تکملہ مولانا سید امیر احمد پنجابی سے پڑھا۔ صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی کی ہمرکابی میں اجمیر شریف سے کئی طلباء مدرسہ منظر الاسلام بریلی آئے اور یہاں انہوں نے شرح چغمینی اور محقق دوانی کے غیر مطبوعہ حواشی، قدیمہ اور جدیدہ کے ساتھ شرح تجوید اور امام رازی اور طوسی کی شروح کے ساتھ ''اشارات'' کا سبق لیا۔ ۱۳۵۲ھ میں مدرسہ منظر الاسلام کے سالانہ جلسہ میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ نے دستار فضیلت باندھی اور سند عطا فرمائی۔ سند سے سرفراز

(۱) ازمقالہ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری، ص 20

کئے جانے والے طلباء میں مولانا شاہ رفاقت حسین مظفر پوری، مفتیِ اعظم کانپور، شیخ الحدیث مولانا سردار احمد، مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسہ شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور آپ کے خصوصی رفقاء درس رہے۔

آپ نے تدریس کی ابتدا مدرسہ محمد یہ جائس رائے بریلی سے کی۔ ایک سال کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کی دعوت پر ''دارالعلوم عظمت نشان کرنال'' کے صدر مدرس ہوکر تشریف لے گئے۔ سوا سال کے بعد کانپور کی مرکزی سنی درس گاہ ''مدرسہ احسن المدارس'' قدیم میں صدر مدرس مقرر ہوکر تشریف لائے۔ شوال ۱۹۳۵ء میں خان بہادر الحاج بھیا بشیر الدین رئیس اعظم لال کرتی میرٹھی کی دعوت پر ان کے ''مدرسہ اسلامی'' اندرکوٹ میرٹھ کے منصبِ صدارت و مدرسین کو رونق بخشی۔ یہاں آپ کی آمد کے بارے میں ایک تاریخی واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ''مدرسہ میں مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دارالعلوم دیوبند کے مرید وخلیفہ اور مولوی بدر عالم میرٹھی کے پیر قاری اسحاق صدر مدرس تھے اور ظاہر ہے دیوبندی عقائد ونظریات رکھتے تھے اور بھیا بشیر الدین کا گھرانہ حضرت مولانا شاہ احمد حسن فاضل کانپوری کا مرید اور حضرت مولانا عبدالسمیع بیدل (مصنفِ انوارِ ساطعہ) کا شاگرد تھا۔ بھیا جی کو خود بھی دونوں سے نسبت حاصل تھی، اعتراض ہوا کہ سنی مہتمم اور سنی مدرسہ اور دیوبندی مدرس میں کیا تعلق ہے؟۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قاری اسحاق صدارت سے برطرف ہوکر کوٹھی میں بلا لیے گئے۔ یہ بات حلقہ دیوبند میں وقار کا سوال بن گئی۔ قاری اسحاق کے مرید مولانا بدر عالم میرٹھی مؤلف ''فیض الباری'' پیر کی حمایت میں مولانا غلام جیلانی کی علمی تذلیل پر اتر آئے، اسی موقع پر مولانا غلام جیلانی میرٹھی نے ''فیض الباری شرح صحیح البخاری'' کی علمی وفنی غلطیاں نکال کر طشتِ از بام کیا اور بتایا کہ مولانا بدر عالم اور ان کے استاذ مولانا انور شاہ کشمیر نے تفہیم حدیث کے سلسلے میں کتنی فاحش غلطیاں کی ہیں۔ آپ کا یہی علمی مباحثہ بعد میں ''البشیر القاری بشرح صحیح البخاری'' کے نام سے شائع ہوا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ (کچھوچھہ شریف) سے آپ کو بیعت وخلاف کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۳۸۹ھ میں حج وزیارت حرمین کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ (۱)

---

(۱) تذکرۂ علماء اہلسنّت، صفحہ ۲۰۵۔

مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری رضوی

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن ہاشمی عباسی رضوی قصبہ دھام نگر بالیسر صوبہ اڑیسہ میں بتاریخ ۸/محرم ۱۳۲۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔ حضرت مجاہد ملت کے والد ماجد کی خواہش کے مطابق دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں داخلہ لیا (چند سال وہاں تعلیم حاصل کی مدرسہ سبحانیہ کے اساتذہ اور مہتمم مدرسہ سے علوم وفنون حاصل کیئے پھر کچھ عرصہ کے بعد اجمیر شریف جامعہ عثمانیہ میں حاضر ہوئے اساتذہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ سے اکتساب کیا اور علم کی تکمیل کی اپنی علمی پیاس بجھا کر جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں صدرالافاضل حضرت مولانا الشاہ نعیم الدین رضوی مرادآبادی (قدس سرہ) کی خدمت گرامی میں حاضری دی اور علوم اکتساب کیا۔ پھر مرادآباد سے سلسلہ تعلیم ختم کر کے الٰہ آباد تشریف لائے یہاں مجاہد ملت کا بحیثیت مدرس اول تقرر ہوا اور بہت سے شائقین علوم نے آپ سے کسب فیض کیا۔

آپ کے اساتذہ کرام:

۱) صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی رضوی اعظمی (علیہ الرحمتہ)

۲) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری علیہ الرحمتہ (متوفی ۱۳۲۶ھ)

۳) صدرالافاضل حضرت مولانا الشاہ نعیم الدین رضوی مرادآبادی (علیہ الرحمتہ

۴) ماہر علم ادب حضرت مولانا سید حامد حسین (علیہ الرحمتہ)

۵) ماہر علم معقولات حضرت مولانا عبدالحئی سرحدی (علیہ الرحمتہ)

۶) حضرت مولانا ابوالکافی (علیہ الرحمتہ مہتمم مدرسہ سجانیہ الٰہ آباد

۷) حضرت مولانا ظہور حسام مانکپوری علیہ الرحمتہ)

بیعت وخلافت:

آپ کو شرف بیعت واجازت پہلے حضرت شیخ مخدوم الشاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (علیہ

الرحمتہ) سے حاصل ہوئی شہزادہ اعلیٰ حضرت حجتہ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا قادری بریلوی (قدس سرہ) نے خلافت واجازت سے سرسرفراز فرمایا حضرت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضی نوری قادری بریلوی (قدس سرہ) نے اجازت وخلافت عنایت فرمائی حضرت مجاہد ملت کا سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں لوگوں کو بیعت فرماتے تھے ملک کے طول وعرض میں لاکھوں مریدین ومعتقدین مجاہد ملت کے دامن کرم سے وابستہ ہیں۔

حضرت مجاہد ملت ایک عرصہ دراز تک مدرسہ سبحانیہ الہٰ آباد کے صدر مدرس رہے بعدہ آپ نے تبلیغ حق اختیار کی مختلف دینی خدمات انجام دیں اسلامی تحریکات سے وابستگی اور گمراہ فرقوں کی سرکوبی کا محبوب مشغلہ تھا ملک بھر میں آپ نے دینی ادارے اور انجمنیں قائم کرنے کا ایک عظیم سلسلہ شروع کیا جہاں اللہ تعالیٰ نے کو دولت علم وعمل سے نوازا تھا وہیں دنیوی مال ومتاع سے بھی مالا مال کیا تھا آپ کو دیکھ کر ان متقدمین کی یاد تازہ ہوتی ہے جنہوں نے رئیسانہ زندگی ترک کر کے فقیرانہ فاقہ کو پسند فرمایا اور نفس کو اپنے اوپر غالب نہیں ہونے دیا مجاہد ملت نے کئی دیوبندیوں سے مناظرہ بھی کیا اور اس میں فتح وکامرانی ہوئی۔

آپ نہایت ذہین ، دقیقہ رس ، دور اندیش اور معاملہ فہم تھے۔ درس نظامی کے جملہ فنون میں ماہر کامل اور فائق الاقرآن علم وفضل کا چرچہ پورے ملک ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔تشنگان علوم کو تشفی بخش درس دیتے تھے۔

حضرت مجاہد ملت اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے۔اسی وجہ سے مناظرہ کے اجلاس کی صدارت مجالد ملت کے سپرد کی جاتی تھی بریلی شریف میں ہونے والا تاریخی مناظرہ جس کی صدارت مجاہد ملت ہی نے کی ،مناظرہ کی فتح کے بعد محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سرادر احمد رضوی (قدس سرہ) نے ساتھ ساتھ مجاہد ملت کو مناظرہ کا دولہا بنایا گیا اور حضرت حجتہ الاسلام (قدس سرہ) نے فتح کو مبارکباد اور عمامہ وجبہ عنایت فرمایا۔

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمتہ والرضوان کا انتقال ٦ جمادی الاولیٰ ١٤٩٠ امارچ ١٩٨١ء بروز جمعہ شام اسماعیل ہوسٹل بمبئی میں ہوا۔وہاں سے نعش مبارک بذریعہ طیارہ کلکتہ لائی گئی پھر وہاں سے آپ کے وطن

مالوف کٹک اڑیسہ لے جائی گئی اور تیسرے دن اتوار کی شام تقریبا ۵ بجے دھام نگر خانقاہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ عام لوگوں کے جنازہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر ذرا تاخیر کے بعد تدفین ہوئی تو بو آنے لگتی ہے مگر مجاہد ملت کے جنازہ شریف کا تو عجیب ہی حال تھا عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ اس قدر طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی نعش مبارک بالکل تر وتازہ اور صحیح حالت میں تھی بلکہ بمبئی سے جس تابوت میں مجاہد ملت کو لایا گیا تھا جب وہ کھولا گیا تو پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرات نمایاں تھے جیسا کہ زندوں کی پیشانی پر گرمی سے پسینے کے قطرات نمایاں ہو جاتے ہیں جو مجاہد ملت کی حیات جاودانی کی کھلی کرامت تھی۔

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی بن ملا تفضّل حسین ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں سنبھل ضلع مرادآباد (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔اور ۱۹۳۳ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخل ہوئے درس نظامی کی کتابوں پر مکمل عبور حاصل کیا۔اور ۱۹۴۲ء میں آپ نے ''جامعہ نعیمیہ'' ہی سے سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔

حضرت صدرالافاضل کے علاوہ آپ نے جن قابل ذکر اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں مولانا وصی احمد سہسرامی (بہاری) مولانا شمس الدین بہاری، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی (مدفون کراچی) اور مولانا محمد یونس (بہاری) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات:

۱۹۴۲ء میں مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد (رحمتہ اللہ علیہ) نے دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کی خاطر حضرت صدرالافاضل کوایک مدرس بھیجنے کے لئے لکھا تو آپ نے حضرت مفتی صاحب کو لاہور بھیج دیا ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۸ء آپ دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔

بعدازاں آپ نے لاہور میں دارالعلوم جامعہ نعیمیہ کی بنیاد رکھی۔آغاز تدریس میں آپ کے ساتھ مولانا حافظ محمد عالم سیالکوٹی، مولانا عبدالغفور (لاہور) اور مولانا عبدالحیٔ نے معاونت کی۔

حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی (علیہ الرحمتہ) نہ صرف ایک قابل مدرس بلکہ نہایت پرتاثیر خطیب ماہر مفتی اور منجھے ہوئے سیاست دان بھی تھے، ملک وملت کے لئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

دینی وسماجی خدمات:

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت فرما کر اپنے استاد صدرالافاضل مولانا مرادآبادی کی قیادت میں حصول پاکستان کی تحریک میں شریک رہے، اسی طرح تحفظ مقام مصطفیٰ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی

خاطر آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں علامہ سید محمود احمد رضوی ابن علامہ ابوالبرکات سید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے ساتھ مل کر حزب الاحناف (جو اِن دنوں اندرون دہلی دروازہ لاہور میں واقع تھا) میں ایک مرکز قائم کیا جہاں پولیس اور فوج کے نوجوانوں کو تحریک ختم نبوت کی اہمیت پر ذاتی مشین پر پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کرتے تھے، مارشل لاء کے دوران آپ کو گرفتار کرلیا گیا۔فوجی عدالت نے بری کردیا مگر دوسرے مقدمہ کی سماعت جاری تھی کہ مارشل لاء کا زور ٹوٹ گیا اور آپ مکمل طور پر بری کردیئے گئے۔

۱۹۷۶ء میں جمعیت علماء پاکستان کی تطہیر کے لئے مفتی صاحب نے ایک زبردست مہم چلائی تھی چونکہ آپ جمعیت کو فعال بنانا چاہتے تھے اور جمعیت کو حکومت کے وظیفہ خوار اور حاشیہ بردار علماء سے پاک کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ کی کوششوں سے اس وقت ملک بھر کے سنی علماء حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی فاضل دارالعلوم منظر اسلام بریلی کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔صدر ایوب کے دور میں جب تمام علماء کو حکومتی مرضی کے مطابق عید کی نماز پڑھانے کو کہا گیا تو مفتی صاحب نے سخت احتجاج کیا چنانچہ آپ کو دوسرے علماء کے ساتھ گرفتار کر کے مچھ جیل (بلوچستان) بھیج دیا گیا۔ (۱)

۱۹۷۷ء کی تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں آپ نے اپنے دارالعلوم میں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد کاظمی کی صدارت میں علماء اہل سنت کا نمائندہ اجلاس بلایا اور ایک قرارداد کے ذریعے تحریک میں حصہ لینے کو جہاد اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو شہید قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ علماء اہل سنت اس تحریک میں مکمل طور پر پوری قوم کے ساتھ ہیں۔ (۲)

حضرت مفتی نعیمی نہایت باہمت اور باشعور علماء میں شمار ہوتے تھے اور اپنی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عالم اسلام کی نامور شخصیتوں کو دعوت دے کر جامعہ کی تقاریب میں جمع کرتے تھے۔چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے جولائی ۱۹۷۷ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے لئے جن علماء کا انتخاب کیا ان

---

(۱) تعارف علماء اہلسنّت۔۔لاہور (۲) ماہنامہ ''عرفات'' لاہور

میں آپ کا نام بھی شامل تھا لیکن بعض علماء اہل سنت اور مشائخ نے مارشل لاء حکومت کے زیر نگرانی اسلامی مشاورتی کونسل میں آپ کی شمولیت کو درست خیال نہیں کیا اس لئے آپ کونسل میں پہنچ کر حکومت کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اشاعت علم دین:

آپ نے ایک ماہنامہ مجلّہ بنام ''عرفات'' جاری کیا، جواب تک آپ کے فرزند ارجمند علامہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی ادارت میں ہر مہینے علمی اور تحقیقی مضامین کے جلو میں قارئین کے سامنے آتا ہے۔

آپ نے قاضی عیاض (رحمتہ اللہ علیہ) کی الشفاء مولانا ابوالحسنات (رحمتہ اللہ علیہ) کی ''اوراق غم'' اورالخیرات الحسان کی اس وقت طباعت کرائی، جبکہ کوئی ناشران کی اشاعت کے لئے تیار نہ تھا۔

آپ کے مشہور تلامذہ:

۱) حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی، دارالعلوم نعیمیہ کراچی [1]

۲) مولانا الٰہی بخش۔ لاہور

۳) مولانا حافظ محمد عالم/سیالکوٹ

۴) مولانا باغ علی نسیم/لاہور

۵) مولانا اشرف کاظمی/آزاد کشمیر

۶) زینت القراء مولانا قاری غلام رسول، لاہور۔

۷) مولانا محمد سعید نقشبندی خطیب دربار داتا گنج بخش لاہور کا نام سرفہرست ہے۔

ایک طویل خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۷ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر سرفراز نعیمی مدظلہ اپنے والد کے مشن کو فروغ دینے میں مصروف عمل ہیں۔

---

(۱) تفصیلات کیلئے ''حیاتِ سعید ملت''، مؤلفہ مولانا محمد ناصر خان چشتی (فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور)

حضرت علامہ قاضی شمس الدین جونپوری (علیہ الرحمتہ)

حضرت علامہ قاضی ''شمس الدین'' کے آباء واجداد ''شاہان شرقی'' کے زمانے میں جون پور میں منصب قضاء پر فائز رہے تھے۔ آپ کی ولادت بھی جون پور میں ہوئی، یہ صوبہ آج بھی اتر پردیس (یوپی) میں علمی شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب ''جعفری زینبی'' ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جونپور ہی میں حاصل کی اس کے بعد'' جامعہ نعیمیہ مرادآباد'' میں استاذ العلماء مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی سے اکتساب فیض کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ دس برس کی عمر میں ہی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان بریلوی سے بیعت ہو چکے تھے اور دارالعلوم منظر اسلام سے فراغت کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز کیے گئے۔

اس کے بعد آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ جہاں اس وقت'' دارالعلوم عثمانیہ معینیہ'' میں صدر الشریعہ مولانا مولوی حکیم امجد علی اعظمی صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات تدریس انجام دے رہے تھے۔ آپ نے ان سے درس نظامی کی کئی اہم کتابیں پڑھیں اور دورہ حدیث آپ سے مکمل کیا۔ ۱۳۵۲ھ میں جب حضرت صدر الشریعہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی اجمیر سے واپس بریلی تشریف لے آئے تو ان چالیس علماء کی جماعت میں آپ بھی شامل تھے جو دارالعلوم منظر اسلام میں دوبارہ داخل ہو کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ آپ نے دارالعلوم منظر الاسلام میں تدریسی خدمت انجام دی اور بعد ازاں آپ کی تدریسی خدمات سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور مدرسہ منظر حق ٹانڈہ، ضلع فیض آباد اور مدرسہ جامعہ رضویہ حمیدیہ بنارس کے طلباء بھی مستفید ہوئے۔ آپ مذکورہ مدارس میں کافی عرصہ تک مسند تدریس وصدارت کی زینت نشین رہے۔ آپ نے علوم حکیمیہ، تفسیر وحدیث وفقہ کا درس خصوصیت کے ساتھ دیا۔ علماء اہلسنّت میں آپ کا ایک اہم مقام تھا اور آپ کو ''شمس العلماء'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ کی تصانیف میں علم فقہ میں مشہور تصنیف بنام'' قانون شریعت'' دو جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔

خدمات:

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں دیگر علماء اہلسنّت اور مشائخ عظام کی طرح نمایاں کردار ادا کیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کی نگرانی میں جو مرکزی دارالافتاء قائم کیا گیا تھا اس کے آپ بھی رکن تھے، علاوہ تعلیمی کمیٹی کے بھی رکن رہے۔

علامہ (جسٹس) پیر کرم شاہ نعیمی الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

حضرت پیر کرم شاہ ابن حضرت پیر محمد شاہ غازی ابن پیر امیر شاہ یکم جولائی ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۶ھ موضع بھیرہ ضلع سرگودھا پنجاب میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولانا محمد قاسم بالائی کوٹی سے حاصل کی فلسفہ اور منطق حضرت مولانا محمد دین، مولانا غلام محمد پیپلاں میانوالی سے ادب، فقہ اور ریاضی وغیرہ کا درس لیا۔ یہ تمام اساتذہ اس وقت دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہی مسند تدریس پر فائز تھے۔

دورہ حدیث کے لئے آپ نے ہندوستان کی ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کا انتخاب کیا جہاں حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین (المحدث والمفسر) مرادآبادی (خلیفہ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی (علیہ الرحمتہ اور شیخ المشائخ اشرفی میاں) درس حدیث دے رہے تھے، حاضر ہوئے۔

آپ جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے ۱۹۴۳ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے مشرف ہوئے، ۱۹۵۴ء میں جامعہ ازہر مصر/قاہرہ سے الشہادۃ العالمیہ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ مصر سے واپسی کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اپنے والد اور دادا کے قائم کردہ مدرسہ ''دارالعلوم محمدیہ غوثیہ'' بھیرہ، سرگودھا سے کیا۔

روحانی تربیت کے لئے آپ اس وقت کے عظیم المرتبت شیخ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی اور بالترتیب حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی (علیھما الرحمۃ) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، خلافت واجازت وعمامہ سے مشرف کئے گئے، درس وتدریس کے علاوہ آپ ماہنامہ ''ضیاء حرم'' کا اجراء فرما کر علمی وتحقیقی مضامین سے مسلک اہل سنت وجماعت کی فروغ واشاعت میں سرگرداں رہے۔ بالخصوص اس ماہنامہ میں آپ نے ادارتی صفحات بعنوان ''سردلبراں'' نے اہل علم وفن سے خوب خراجِ تحسین حاصل کیا۔ (۱)

---

(۱) تعارف علماء اہلسنّت (مولفہ مولانا محمد صدیق ہزاروی)

آپ نے تحریک پاکستان کے زمانے میں بھی بڑی گرم جوشی سے مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں اپنے حلقہ اثر میں اپنے والد کے ہمراہ بکثرت طوفانی دورے کئے اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے فضاء ہموار کی اگر کسی مرید نے کسی مجبوری کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس وپیش کی تو اس سے قطع تعلق کرلیا جب قائداعظم علیہ الرحمتہ کے ایماء پر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو آپ بھی اپنے والد (علیہ الرحمتہ) کے ہمراہ اس میں شریک ہوئے اور قید وبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ۵۳ میں ختم نبوت کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک مصطفیٰ میں حضرت قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں تحریک کی قیادت باحسن فرمائی آپ نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش فرما کر پیرانِ طریقت کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم فرمادی، جیل سے رہا ہونے کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماعات کئے اور عوام کو نظامِ مصطفیٰ کی خوبیوں سے آگاہ کیا۔

تحریری خدمات:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں دیگر اشاعتی اداروں میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ آپ کی سرپرستی میں اس ادارے سے سب سے پہلے ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' (مولانا احمد رضا بریلوی) ضیاء القرآن فی تفسیر القرآن اور ضیاء النبی کے نام سے سیرت نبوی ﷺ کی کئی جلدیں شائع ہوئیں۔ علاوہ ازیں آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کا ختم نبوت نمبر، فاروق اعظم نمبر، صدیق اکبر نمبر، عید میلاد النبی نمبر شائع ہوئے، جو نہایت قیمتی دستاویزات ہیں۔ آپ سرگودھا، اسلام آباد اور بیرون ملک جرمنی اور لندن وغیرہ میں اپنے زیر سرپرستی کئی دینی ادارے قائم کرائے۔

۱۹۷۰ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آپ کو باضابطہ جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل نو کے عرصہ تک نائب صدر منتخب کیا گیا اور آپ ''جمعیت علماء پاکستان'' کے نائب صدر کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کے زیر اہتمام (ضلع سرگودھا میں)

جلوس کی قیادت کی بلکہ آپ نے تحریک کو کامیاب کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آپ کے تلامذہ بھی آپ کے شانہ بشانہ دینی وسیاسی خدمات میں پیش پیش رہے۔ بالآخر آپ ایک طویل عرصے تک دینی وسیاسی روحانی وعلمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۹۹ء میں انتقال فرمائے گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اولاد:

آپ کی جگہ آپ کے صاحبزادے محترم سید امین الحسنات صاحب مدظلہ علمی ودینی وروحانی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی تصانیف میں قرآن مجید کی تفسیر بنام ''ضیاء القرآن'' بہت ہی معروف ومقبول تفسیر ہے، آپ نے اس ترجمہ وتفسیر میں عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس اسلوب ومنہج کو پیش نظر رکھا ہے قابل تعریف ہے۔ آپ نے اپنے ترجمہ وتفسیر میں عصر حاضر کے علاوہ قدیم تفاسیر سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے لیکن درست موقف کے استعمال میں ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ اسی طرح آپ کی دوسری کتاب سیرت النبی ﷺ میں ضیاء النبی ہے جو کئی جلدوں میں آپ کی زندگی میں چھپ چکی ہیں۔(۱)

---

(۱) روزنامہ جنگ کراچی ۱۹۹۸ء اور ''جمال کرم'' میں تفصیلات ملاحظہ کیجئے۔

باب ششم

آپ کے معاصر علماء ومشائخ کرام کا مختصر تعارف

مبلغ اسلام علامہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں سے تھے اور ایک عظیم المرتبت عالم و عارف تھے تبلیغ دین اسلام کے حوالے سے چودھویں صدی ہجری کے علماء اور مبلغین اسلام میں آپ کی باکمال شخصیت سرفہرست نظر آتی ہے۔ آپ نے تنہا ایک انجمن کا کام کیا آپ کے عزم و حوصلہ کو پڑھ کر صدر اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مولانا عبد العلیم الصدیقی مذہبی اور سیاسی سطح پر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ نے کئی ممالک کا دورہ کیا اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا آپ اردو عربی فارسی کے علاوہ انگریزی زبان پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ مختلف ملکوں میں سینکڑوں تعلیمی، دینی اور رفاہی ادارے قائم کئے۔ مدرسے اور مسجدیں بنوائیں۔ کتب خانے قائم کئے اخبارات و رسائل اور مجلّات جاری کرائے۔ آپ نے سیاسیات میں بھی حصہ لیا۔ تحریک خلافت' تحریک موالات' اور تحریک قادیانیت کے سلسلے میں کئی ماہ قید و مشقت بھی اٹھائی۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان پاہونے کے بعد پاکستان کے لئے جدوجہد کی۔ ۱۹۴۶ء کے آل انڈیا سنی کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے لئے مسودہ آئین کی تیاری کے سلسلے میں سعی فرمائی۔

آپ نے علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ جنابِ قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی تھی انہوں نے یقین دلایا تھا کہ آئندہ اسمبلی کے اجلاس میں یہ مسودہ پاس کرالیا جائے گا لیکن وہ اس وقت تک دنیا میں نہ رہے۔ مسودہ آئین کے سلسلے میں حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد الجیلانی الاشرفی کچھوچھوی، صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' مولانا مفتی محمد عمر نعیمی' مولانا محمد عبد الحامد بدایونی علیہم الرحمۃ نے ۱۹۴۸ء میں کراچی میں تین روز تک اجلاس منعقد کئے اور اس میں مختلف مسائل زیر بحث آئے ان میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام تبدیل کر کے جمعیت علماء پاکستان رکھا گیا اور لاہور میں اکابرین اہلسنّت علماء و

---

(۱) از مقالہ پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری، روزنامہ جنگ 1985ء

مشائخ بالخصوص مولانا شاہ ابوالبرکات سید محمد قادری علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور اور ملتان میں غزالی دوراں مولانا سعید احمد الکاظمی علیہم الرحمۃ سے بھی مشورے کئے گئے۔ اس کے بعد ہی علامہ الکاظمی علیہ الرحمۃ نے ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے پاکستان کے علماء و مشائخ کا ایک عظیم الشان اجلاس بلایا تھا اور جمعیت علماء پاکستان کے اغراض و مقاصد طے کئے گئے تھے۔

مولانا محمد عبدالعلیم الصدیقی کے وصال کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا شاہ احمد نورانیؒ نے اپنے والد کے مشن کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے عوامی سطح پر مسلمانوں میں بیداری پیدا کیا و راسلام کا شعور بخشا۔ انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا۔ اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا اور اپنے حلقہ ارادت میں داخل کیا۔ تحریک نبوت ۱۹۷۳ء، تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔(۱)

---

(۱) حوالہ بالا

محدث اعظم ہند مولانا سید محمد الجیلانی الاشرفی کچھوچھوی

آپ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ کو جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے ابتدائی کتابیں اپنے نانا اور اپنے والد ماجد اور آستانہ عالیہ کے اساتذہ سے پڑھا۔ درس نظامی مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنو کے اساتذہ حضرت مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ سے پڑھی پھر آٹھ سال بعد علی گڑھ میں حضرت مولانا مفتی لطف اللہ شاگرد مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی کی خدمت میں حاضر ہو کر افق المبین کا درس لیا پھر آپ پیلی بھیت تشریف لائے اور حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی اور محدث سورتی سے حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی اور دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کر کے درس حدیث دینے لگے۔

اپنے نانا حضرت شیخ الاسلام والمسلمین شاہ سید علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے اپنے ماموں عارف ربانی مولانا شاہ ابوالمحمود احمد اشرف علیہ الرحمۃ سے مرید ہو کر تکمیل سلوک کیا اور درجہ کمال کو پہنچے۔ ایک عالم آپ سے فیضیاب ہوا اور ہزاروں غیر مسلم آپ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آپ تقریباً ۳ سال تک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کی خدمت میں رہ کر علم الفقہ، تصوف، علم حساب، ریاضی اور رسم المفتی کے درس لئے۔ حضور اعلیٰ حضرت نے بھی آپ کو خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔ آپ نے معارف القرآن کے نام سے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا شروع کیا تو ابتدائی صفحات دیکھنے کے بعد حضرت امام اہلسنّت نے آپ سے فرمایا کہ شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہیں؟۔

تدبر اور اصابت رائے آپ کا وصف خاص تھا۔ علماء اہلسنّت کے درمیان اتحاد وحمیت کے علمبردار تھے۔ ۱۳۶۵ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس کے موقع پر آپ کو بالاتفاق صدر عمومی مقرر کیا گیا جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے تا وفات صدر اعلیٰ رہے۔ ۱۷ رجب الرجب ۱۳۸۳ھ بمقام لکھنو وفات ہوئی تجہیز وتکفین کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہوئی۔ حضرت مولانا سید محمد مدنی آپ کے فرزند ثالث اور مبلغ اسلام مشہور ہیں۔

آپ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۸ء مسلسل تحریک پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے رہے تھے اس سلسلے میں

آپ کا خطبہ اجمیر، خطبہ بہار، خطبہ بدایوں اور خطبہ بنارس شاہد و عادل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی، لاہور، بھاولپور، ملتان، فیصل آباد وغیرہ کا دورہ فرمایا۔ آپ کے ہمراہ صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا مفتی عمر نعیمی بھی تھے۔ آپ نے اہلسنّت پاکستان کے لئے جمعیت علماء پاکستان کے نام سے جماعت بنانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اسی مقررہ پروگرام کے تحت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں علماء اہلسنت اور مشائخ اہلسنت اجتماع منعقد کیا تھا۔ اور علامہ الکاظمی کو جنرل سیکریٹری اور مولانا ابوالحسنات احمد قادری کو جمیعت علماء پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

آپ کا سب سے بڑا کردار اور وصف یہ ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے پورے ہندوستان میں تحریک پاکستان کے لئے بیداری پیدا کی مسلم کی حمایت کی اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پاکستان بنوایا لیکن خود پاکستان نہیں آئے۔ ہندوستان ہی میں رہنا پسند کیا۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ اشرف کچھوچھہ فیض آباد، 1980ء

شیخ الاسلام علامہ محمد ضیاالدین قادری رضوی مدنی علیہ الرحمۃ

آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔آپ کے مورث اعلیٰ عہد جہانگیری کے مشہور عالم علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ تھے۔جنہوں نے پہلی بار حضرت شیخ احمد سر ہندی کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا۔حضرت شیخ الاسلام ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ پاکستان میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم مولانا محمد حسین نقشبندی' مولانا قادر پھیروی وغیرہ سے حاصل کی پھر ہندوستان کے محدث کبیر حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ کے مدرسے دارالحدیث پیلی بھیت سے سند حدیث حاصل کر کے ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بریلی پہنچے۔اور کچھ عرصہ علم تصوف واخلاق اور علم فقہ کی تعلیم مکمل کر کے سلسلہ قادریہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔اور فضلاء منظر اسلام کے فرد کہلائے۔

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے بکثرت مشائخ سے فیض حاصل کیا۔اور اجازت حاصل کیں' ان کے شیوخ میں امام احمد رضا بریلوی' حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی کے علاوہ مندرجہ ذیل مشائخ قابل ذکر ہیں۔

سید حسین الحسنی کردی' شیخ احمد شمس مالکی القادری مراکشی المدنی' سید عبدالرحمٰن سراج مکی' شیخ محمد ہاشمی' علامہ بدرالدین حسنی شامی' شیخ احمد شریف السنوسی' طرابلسی' علامہ عبدالباقی فرنگی مہاجر مدنی' شیخ امین قطبی' شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی' علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی شیخ الاسلام' شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی' شیخ ابوالخیر' شیخ سید احمد حریری' شیخ شرف الدین کلیدار/ بغداد شریف علیہم الرحمۃ۔

حضرت شیخ ضیاء الدین مدنی ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۱۰ء میں اپنے شیخ امام احمد رضا کی اجازت سے بغداد شریف اور پھر یہاں سے براستہ دمشق مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔اس وقت ترکوں کی حکومت تھی ترکی حکومت کا خاتمہ اور سعودی حکومت کا غلبہ آپ کے سامنے ہوا۔آپ بہت سی خونچکا داستانوں کے عینی شاہد تھے۔

نجدی حکومت نے جب اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام کے مزارات اور قبے ڈھانے شروع کئے تو برطانیہ کے محکمہ جاسوسی نے ان عزائم کی تکمیل کے لئے بعض مفتیوں سے جواز کے فتوے لئے جس کا ذکر ایک جاسوس ''ہمفرے'' نے بھی اپنی یادداشت مطبوعہ لاہور میں قلمبند کیا ہے حضرت شیخ ضیاء الدین مدنی کے سامنے بھی یہ فتویٰ پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے دہشت و بربریت کے اس ماحول میں دستخط نہیں فرمائے۔ اور صاف انکار کردیا۔ اس سے دین پر آپ کی استقامت اور جرأت و بے باکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کو نجدی حکومت کی طرف سے ڈرایا دھمکایا گیا مگر

ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت مدنی تقریباً ۸۰ سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ آپ سنت نبوی کے مکمل پیکر جمیل تھے۔ کیا اعمال وافکار اور کیا اخلاق و عادات' آپ کریم النفس' محبت نواز' شفیق و خلیق' متواضع' منکسر المزاج' مہمان نواز' سخی و فیاض' عالم شریعت واقف اسرار طریقت' حافظ قرآن سلف کی یادگار تھے۔ جو آپ کو دیکھتا خدا یاد آتا۔ آپ ہمیشہ عقائد کی صحت اور نماز کی پابندی کی تاکید کرتے۔ افتراق وانتشار سے الگ رہنے کی تلقین کرتے'۔

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کو نعت کا بڑا ذوق تھا۔ امام احمد رضا کے کلام کی گونج مسجد نبوی کے زیر سایہ آپ کے دولت کدے میں سنائی دیتی۔ عشاء کے بعد بلا ناغہ محفل نعت ہوتی اور آخر میں امام احمد رضا کا مشہور سلام پڑھا جاتا۔ جس کی گونج آج سارے عالم میں سنی جارہی ہے۔

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تیری گلی میں
دنیا تیری گلی میں عقبیٰ تیری گلی میں

۱۲ ربیع الاول کو محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۷ رجب کو معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایام خلفاء واربعہ رضی اللہ عنہم مناتے۔ آپ نے ۴ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ/ ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز جمعہ، جان عزیز، جان آفرین کے سپرد فرمائی۔

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کا جنازہ باب رحمت سے مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ محراب نبوی میں

رکھا گیا۔ ساری دنیا کے حجاج اور مدینہ منورہ مکہ معظّمہ اور دیگر اسلامی ممالک کے مسلمان شریک جنازہ تھے۔ نماز جنازہ مفتی محمد علی مراد شامی نے پڑھائی جو آپ کے خلیفہ ارشد بھی تھے اس کے بعد جنازہ تین منٹ کے لئے مواجہہ شریف میں رکھا گیا پھر یہ جنازہ قدوم مبارک میں رکھا گیا اس کے بعد باب جبریل سے باہر آیا۔ اس جنازہ کی شان یہ تھی کہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا جا رہا ہے کچھ لوگ قصیدہ بردہ شریف پڑھ رہے ہیں۔ کچھ تو امام احمد رضا کا شہرہ آفاق کلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھ رہے ہیں۔

آپ کا جنازہ اس شان سے اٹھا اور جنت البقیع میں سب جا رہے ہیں کہ غلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آرہی ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک سے دوگز کے فاصلے پر وہاں قبر شریف بنائی گئی، جہاں سے گنبد خضراء صاف صاف نظر آرہا تھا۔ اللہ اللہ وصال کے بعد بھی دید کی آرزو نہ گئی۔

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے ۸۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا لاکھوں انسان آپ کے روحانی علمی فیض سے مستفیض ہوئے۔ آپ ایک سبیل رحمت تھے۔ جو ایک صدی تک بہتا رہا اور ایک عالم کو سیراب کر گیا۔ حضرت مدنی کے دو صاحب زادے ہوئے۔ ایک صاحب زادے حضرت علامہ الشیخ فضل الرحمٰن مدنی الضیائی القادری علیہ الرحمۃ تھے، موصوف پاکستان کے معروف عالم دین مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کے خسر تھے آپ کو اپنے والد ماجد مولانا ضیاء الدین مدنی، حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی، حضرت شیخ محدث بریلوی کے صاحب زادے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ (۱)

---

(۱) مجلّہ الدعوۃ (عربی)، کراچی۔ 1984

محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری علیہ الرحمہ

(۱۳۸۲ھ---۱۹۶۲ء)

شیخ الحدیث والتفسیر، جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد ابن چوہدری میراں بخش ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں موضع دیال گڑھ ضلع گرداسپور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم قصبہ دیال گڑھ میں حاصل کی ۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں اسلامیہ ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف اے کی تیاری کے لیے لاہور تشریف لائے ۔ انہی دنوں مرکزی ''انجمن حزب الاحناف'' لاہور کے زیر اہتمام مسجد وزیر خاں میں عظیم الشان اجلاس جس میں پاک وہند کے کثیر التعداد علماء ومشائخ کے علاوہ صاحبزادہ اعلیٰ حضرت حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی شریک ہوئے ۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم کو خیر باد کہہ کر مرکز علوم و معارف بریلی شریف چلے گئے ۔ حضرت حجتہ الاسلام اوران کے چھوٹے بھائی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے علمی استفادہ کیا اور آٹھ سال تک صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی مصنف (بہار شریعت) کی خدمت میں رہ کر جامعہ معینیہ اجمیر شریف سے سند فراغت حاصل کی ۔ زمانہ قیام اجمیر شریف میں حضرت مولانا سید امیر اجمیری سے بھی مستفید ہوئے ۔

آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ محمد سراج الحق چشتی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے اور سلسلہ قادریہ میں حضرت حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی سے فیض یاب ہوئے ۔ تکمیل علوم مروّجہ کے بعد پانچ سال تک جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں تشنگان علوم کو سیراب فرمایا پھر جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور علم حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں اس دور میں بے شمار اہل علم نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

قیامِ بریلی شریف کے دوران حضرت مولانا سردار احمد (قدس سرہ) نے مشہور دیوبندی مناظر

مولوی منظور احمد نعمانی سے "حفظ الایمان" (مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی) کی مشہور گستاخانہ عبادت پر 20 محرم/ ۲۵ اپریل (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) کو کامیاب مناظرہ کیا۔ یہ مناظرہ چار دن جاری رہا اور فریق مخالف کو زبردست شکست ہوئی۔

حضرت مولانا سردار احمد تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ وزیر آباد اور سارو کی میں قیام فرمایا۔ ۱۳۶۸/ ۱۹۴۸ء کے اواخر میں لائل پور تشریف لائے اور بے سروسامانی کے عالم میں درس حدیث دینا شروع کیا اور جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی بنیاد رکھی اور چودہ سال کے مختصر عرصے میں لائل پور کی کایا پلٹ دی ۔اس وقت سے جگہ جگہ سے صلوٰۃ وسلام کی روح پرور صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ ہزاروں افراد حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔سینکڑوں علماء آپ سے درس حدیث لے کر پاکستان کے گوشے گوشے بلکہ دیگر ممالک میں بھی دین متین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور عظیم دینی درس گاہ اور لائل پور کی سب سے بڑی مسجد "سنی رضوی جامع مسجد" یہ دونوں ادارے آپ کی عظمت کی یادگار اور گواہ ہیں۔

آپ ۱۹۴۵ء میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ دوسری مرتبہ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں اس سعادت سے مشرف ہوئے ، لیکن پابندی کے باوجود تصویر نہیں بنوائی۔ انہیں سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی اسی بے پناہ محبت وعقیدت کا اثر تھا کہ ان کا ہر قول و فعل شریعت وسنت کے مطابق ہوتا تھا۔سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور امام احمد رضا خان بریلوی (قدس سرہ) کی محبت عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی چونکہ فوٹو کے بغیر بیرون ملک جانے پر پابندی تھی اس لیے پاکستان آ کر بے انتہا آرزو کے باوجود نہ بغداد شریف گئے اور نہ دوبارہ بریلی شریف ۔

آپ کا وعظ اس قدر پر اثر ہوتا تھا کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا آپ کے مخالف لوگوں نے آپ کے خلاف مخالفتوں کے طوفان اٹھائے مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔آپ نے تمام عمر علوم دینیہ اور خاص طور پر حدیث شریف کی خدمت اور وعظ وارشاد کے ذریعہ عوام

کے دلوں کو حب نبوی ﷺ سے منور کرنے میں صرف کی اس لیے تصنیف وتالیف کا موقع نہیں ملا، تاہم چند تصانیف یادگار ہیں۔

۱) اسلامی قانون وراثت

۲) تبصرہ مذہبی (علامہ مشرقی کے تذکرے پر تبصرہ)

۳) مرزا مرد ہے یا عورت؟ دردِ مرزائیت

۴) موت کا پیغام مولویوں کے نام

حضرت مولانا سردار احمد (قدس سرہ) کی شخصیت اس قدر کشش تھی کہ ایک دفعہ حاضری دینے والا ہمیشہ کے لیے آپ کے دام محبت میں گرویدہ ہوجاتا تھا۔ کئی دیوبندی علماء آپ کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور آپ کی زبان مبارک سے مسلک اہل سنت کے زور دار دلائل سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بدعقیدگی سے تائب ہوکر مسلک اہل سنت کے مبلغ بن گئے۔ آپ کے سینکڑوں تلامذہ کا شمار کرنا مشکل ہے البتہ آپ کے بعض مشاہیر تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

۱) شیخ الحدیث مولانا غلام رسول لائل پوری/مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور۔

۲) علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری.....شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

۳) مولانا وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ.....نائب شیخ الحدیث/دارالعلوم امجدیہ کراچی

۴) مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی.....ناظم اعلیٰ، دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۵) مولانا ابوداؤد محمد صادق مدظلہ.....مدیر ماہنامہ رضائے مصطفیٰ/گوجرانوالہ

۶) مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی (۱۵ مئی ۲۰۰۰ء کو دنیا سے رخصت ہوئے)

۷) مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی

۸) مولانا مفتی محمد مجیب الاسلام اعظمی.....اعظم گڑھ/انڈیا

۹) مولانا علامہ عبدالرشید جھنگوی

۱۰) مولانا علامہ ابوالحسنات محمد اشرف چشتی سیالوی.....شیخ الحدیث سیال شریف

۱۱) مولانا علامہ اللہ بخش......(واں بھچراں)

۱۲) مولانا سید جلال الدین شاہ......(بھکھی شریف)

۱۳) مولانا ابوالمعالی محمد معین الدین شافعی......ناظم اعلیٰ جامعہ القادریہ لائل پور

۱۴) مولانا محمد ابراہیم خوشتر......مبلغ اسلام ماریشس

۱۵) مولانا ابوالشاہ محمد عبدالقادر شہید لائلپوری

۱۶) مولانا محمد شریف ملتانی......شیخ الحدیث مظہر العلوم ملتان

۱۷) مولانا عنایت اللہؒ/مناظر اہل سنت (سانگلہ ہل) پنجاب

۱۸) مولانا ابوالانوار محمد مختار احمد/ لائل پوری ۔

۱۹) مولانا سید زاہد علیؒ شاہ/ناظم اعلیٰ جامعہ نوریہ رضویہ لائلپور

۲۰) مولانا سید منصور شاہ مدرس جامعہ رضویہ لائلپور ۔

۲۱) مولانا فیض احمد اویسی......شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ بہاولپور

۲۲) مولانا مفتی محمد حسین سکھروی....../ایم۔پی ۔اے

۲۳) مولانا مفتی محمد امین/مہتمم جامعہ امینیہ لائل پور

۲۴) مولانا حافظ احسان الحق......صدر مدرس جامعہ امینیہ لائل پور

۲۵) مولانا سید حسین الدین شاہ......ناظم اعلیٰ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ راولپنڈی

۲۶) مولانا تحسین رضا خان (ابن مولانا حسنین رضا خان ابن حسن رضا خان بریلوی)

۲۷) مولانا ریحان رضا خانؒ ابن مولانا ابراہیم رضا خان ابن حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ نے اپنی زندگی کے زیادہ تر اوقات دین و ملت کی خدمات میں صرف کیئے لیکن اپنے اسلاف کی طرح ملکی سیاست سے الگ تھلگ بھی نہیں رہے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ نے مشاہیر علماء و مشائخ اہلسنّت کے ساتھ ۱۹۴۶ء میں اس تاریخی فتویٰ پر دستخط فرمائے جس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی جانب سے متفقہ حمایت کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس کے بعد علماء

مشائخ نے شب وروز ایک کر کے ہندوستان کے مغرب تا مشرق جنوب تا شمال طوفانی دوروں نے اضافہ کر دیا یہاں تک کانگریسیوں اور جمعیت علماء ہند والوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہندوستان بھر میں کانگریس اور اس کی حمایتی مولوی دو فیصد بھی ووٹ حاصل نہ کر سکے۔

یکم شعبان المعظم، ۲۹ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کو کراچی میں آپ نے وصال فرمایا۔ جسد مبارک شاہین ایکسپریس کے ذریعے لائل پور لایا گیا۔ اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک راستے میں ہزارہا افراد نے دیکھا کہ جنازے پر نور کی پھوار پڑ رہی ہے، حالانکہ بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ آپ کی نماز جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی نماز جنازہ کی۔ امامت حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری ابن صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی (شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی) نے فرمائی۔ جبکہ دوسری مرتبہ آپ کا نماز جنازہ مولانا عبد القادر (شہید) نے فیصل آباد میں پڑھائی اور آپ کا مزار سنی رضویہ جامع مسجد لائل پور کے صحن میں مرجع خلائق ہے۔ (۱)

---

(۱) روزنامہ سعادت، لائل پور۔ 1970

حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ الکاظمی الامروہوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۹۱۳ء ہندوستان کے ایک اہم صنعتی زراعتی اور علمی شہر امروہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد، سید محمد مختار کاظمی کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی نسبت سے آپ کاظمی کہلاتے ہیں آپ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے، اس لئے آپ کے بڑے بھائی حضرت علامہ سید خلیل امروہوی نے آپ کی تعلیم و تربیت اور پرورش فرمائی اور آپ نے علامہ سید خلیل امروہوی کی نگرانی میں مدرسہ اہلسنّت بحر العلوم ضلع شاہجہانپور سے درس نظامی کی تکمیل کی اور برادر گرامی کے دست مبارک پر ہی مدرسہ بحر العلوم کی سالانہ تقریب اسناد کے موقع پر سلسلہ قادریہ، چشتیہ صابریہ میں مرید بھی ہو گئے۔ آپ کی دستار بندی کے موقع پر سلسلہ اشرفیہ الجیلانیہ، کچھوچھہ کے سربراہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید شاہ علی حسین الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ سید نعیم الدین محدث مرادآبادی، حضرت علامہ نثار احمد کانپوری (علیہم الرحمۃ والرضوان) نے اپنے اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی۔ (۱)

تدریسی خدمات:

آپ مدرسہ اہلسنّت بحر العلوم شاہجہانپور سے فراغت کے بعد سب سے پہلے لاہور تشریف لائے، لاہور میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء و تلامذہ میں حضرت علامہ سید شاہ دیدار علی المحدث الوری المتوفی ۱۹۳۵ء حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد القادری المتوفی ۱۹۶۱ء، حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد (علیہم الرحمۃ والرضوان) اور کثیر تعداد میں علماء اہلسنّت دینی و سیاسی خدمات انجام دینے میں مصروف تھے ان سے ملے اور آپ کو اس وقت لاہور کے ایک معروف سنی ادارہ جامعہ نعمانیہ لاہور

---

(۱) ازمقالہ پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری، ص140

میں بطور مدرس مقرر کرلیا گیا آپ کافی عرصے تک مدرسہ نعمانیہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد پھر ۱۹۳۱ء میں اپنے وطن امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں اہلسنّت وجماعت کی ایک معروف دینی ''درسگاہ مدرسہ محمدیہ حنفیہ'' امروہہ میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔

ملتان آمد:

اسی اثناء میں ملتان کے ایک عظیم بزرگ ہستی ''حضرت نفیر عالم (علیہ الرحمۃ) ہر سال ملتان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی الاجمیری (علیہ الرحمۃ) کا عرس منعقد کیا کرتے تھے۔ حضرت علامہ شاہ احمد سعید احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت تقریر دی، چنانچہ آپ امروہہ سے ملتان بغرض تبلیغ تشریف لائے اور حضرت شیخ نفیر عالم رحمۃ اللہ علیہ علامہ موصوف کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے آپ کو مستقل طور پر امروہہ سے ملتان ہی بلالیا، حضرت کاظمی نے ابتدائی طور پر ملتان میں اپنے رہائش گاہ پر درس وتدریس کا آغاز کیا اور آپ کی تدریس کی شہرت سن کر دور دور سے علمی ذوق رکھنے والے طلباء آنے لگے اسی دوران آپ کو سید حافظ شیر بیرون لوہاری دروازہ ملتان کی انتظامیہ کی طرف سے دعوتِ درس قرآن دی گئی اور آپ نے مستقل طور پر اس مسجد میں درس قرآن کا آغاز کردیا۔

آپ کی تدریسی شہرت سے تو اہلِ پنجاب پہلے ہی سے واقف ہو چکے تھے، درس قرآن میں عوام اہلسنّت کی شرکت کثرت، کی وجہ سے ملتان کے غیر مقلدین میں ایک تعصبی بھونچال آگیا آپ درس قرآن میں بھی غیر مقلدین کے افکار کی ابطال فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے آپ کو تنگ کرنے کے لئے کئی سازشیں تیار کیں اور ان کے بڑے بڑے علماء کے ساتھ کئی علمی مناظرے ہوئے۔ جس میں ان کو شکست فاش ہوئی اور لوگ ان کے غلط اور گمراہ کن عقائد سے تائب ہو ہو کر جوق در جوق مسلک اہلسنّت سے وابستہ اور حلقہ ادارت میں شامل ہونے لگے۔

مدرسہ انوار العلوم کا قیام:

۱۹۲۵ء میں آپ نے ملتان کے بعض مخیّر حضرات کے مالی تعاون اور اپنی اہلیہ کے زیورات بیچ کر

ایک دینی مدرسہ بنام ''انوار العلوم ملتان'' قائم کیا آج یہ مدرسہ پاکستان کے مثالی سنی اداروں میں شمار ہوتا ہے اور یہاں سے فارغ ہونے والے ہزاروں علماء کرام ملک کے کونے کونے میں خدمت دین پر متعین و فائز ہیں۔

آپ ایک صاحب طرز ادیب و شاعر بھی تھے۔ آپ کے اشعار میں زیادہ تر حبِ رسول ﷺ کا پہلو نمایاں ہوتا تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل شعری تصنیف سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم امجدیہ کراچی میں بروز چہار شنبہ بعد نماز عشاء ۲۳ صفر المظفر ۱۳۸۸ھ بمطابق ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء عرس اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ منعقد ہوا۔ عرس کے موقع پر ایک نعتیہ مشاعرہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔ صدر مشاعرہ حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ تھے۔ نعتیہ مشاعرہ میں مصرع طرح مندرجہ ذیل تھا۔

ع ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

رات ڈیڑھ بجے صدر مشاعرہ علامہ کاظمی نے اعلی حضرت کی زمین میں اپنی کہی ہوئی مندرجہ ذیل نعت سنائی۔

کیا شان شہنشاہِ کونین نے پائی ہے
ختم آپ کی ہستی پر ہر ایک بڑائی ہے

ہر ایک فضیلت کے ہیں مظہرِ کامل وہ
کیا ذاتِ شہِ والا خالق نے بنائی ہے

کون ان کے برابر ہو کون ان کے مماثل ہو؟
ایسی تو کوئی ہستی آئے گی نہ آئی ہے

جنت کا خیال اب کیا آئے مرے دل میں
تصویر مدینے کی آنکھوں میں سجائی ہے

آزادِ دو عالم ہے وہ کاظمیؔ مسکین
آقائے دو عالم سے لو جس نے لگائی ہے

مجلّہ تعلیمات، ملتان ۱۹۹۰ء کی ایک اشاعت میں صفحہ ۴۴ پر لکھتا ہے۔ حضرت نے اپنے پیر و مرشد حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہوی علیہ الرحمہ متوفی (۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء) کے عرس مبارک منعقدہ ۶ شوال ۱۴۰۵ھ کے موقع پر اپنے اختتامی خطاب میں اپنے مریدین کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ''بنیادی نصیحت یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہو''۔ میں آپ کو بتادوں کہ امام اہلسنّت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک میرا مسلک ہے، میرے تمام مریدین اسی مسلک پر قائم رہیں جو اعلیٰ حضرت کے مسلک سے ایک قدم بھی باہر رکھے گا، وہ میرا مرید نہیں، ہاں وہ میرا مرید نہیں''۔ (۱)

تحریک پاکستان میں بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں، آپ نے ابتداً مسلم لیگ کے اسٹیج سے قیام پاکستان کے لئے کئی جلسے منعقد کئے، ۱۹۴۶ء میں قرارداد پاکستان کی توثیق کے لئے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' بنارس میں مسلمانانِ امروہہ کی طرف سے وفد کی صورت میں شریک ہوئے، جس زمانہ میں کانگریس اور احراری علماء سردھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کی مخالفت کررہے تھے، اس وقت آپ حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پیر صاحب مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی، حضرت شیخ الاسلام علامہ شاہ خواجہ قمر الدین سیالوی (علیہم الرحمۃ والرضوان) کی رفاقت میں الگ قومیت اور آزاد پاکستان کے لئے سعی مسلسل اور جدوجہد میں پیش پیش رہے۔ کانگریس اور احراری مقررین کے اعتراضات کے جوابات دینے میں آپ کو ملکہ تامہ حاصل تھا، چونکہ قیام پاکستان کے بعد منطقی اعتبار سے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا نام پاکستان میں بطور سیاسی یا دینی جماعت کے استعمال کرنا مناسب نہیں تھا، اس لئے علامہ کاظمی اور دیگر علماء اہلسنّت و مشائخ نے مناسب سمجھا کہ مشائخ اہلسنّت اور علماء کرام سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کر کے سنیوں کی ایک الگ تنظیم بنائی جائے، چنانچہ آپ نے حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد الاشرفی الجیلانی اور مولانا محمد عبدالعلیم الصدیقی

---

(۱) ماخوذ مجلّہ معارفِ رضا کراچی، جنوری ۲۰۰۵ء، صفحہ ۲۰ تا ۲۳

میرٹھی، حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد (حزب الاحناف لاہور) کے مشورہ سے ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ ''جمعیت علماء پاکستان'' کی بنیاد رکھنے کے لئے ملتان شہر میں مشائخ اہلسنّت کا ایک عالمگیر کنونشن طلب کیا، اس کنونشن سے قبل حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو کئی سیاسی مشورے دے چکے تھے اور اس سلسلے میں علامہ سعید کاظمی نے کئی اقدامات بھی کئے۔ ان میں آپ نے سب سے پہلے مندرجہ ذیل خصوصی دعوت نامہ تمام علماء ومشائخ کرام پاکستان کو جاری فرمایا۔ جس میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل کے اسباب وعلل اور متحدہ ہندوستان میں علماء کرام اور مشائخ عظام کی عظیم سیاسی ودینی قربانیوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ نیز قیام پاکستان کے بعد سنی علماء کرام اور مشائخ کے درمیان افتراق وانتشار کے سبب مخالفین پاکستان کے حکومتی مناصب پر چھا جانے کے وجوہات اور اسباب بھی بیان کئے گئے تھے۔

چنانچہ آپ کی تحریک جدوجہد اور مسلسل کوششوں سے ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں ملک بھر کے علماء ومشائخ کا عظیم اجتماع ہوا اور متفقہ طور پر ''جمعیت علماء پاکستان'' کی تشکیل کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر اور حضرت علامہ سید احمد کاظمی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء میں بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیت علماء پاکستان ''پاکستان کے مشرقی اور مغربی کے علماء اہلسنّت و مشائخ پر مشتمل ایک اجلاس لاہور میں طلب کر کے ''جمعیت علماء پاکستان'' کا باضابطہ تعارف اور دستوری معاملات بھی علماء ومشائخ کے سامنے پیش کئے، اور ان کی منظوری حاصل کی دستوری قواعد کے لئے باقاعدہ منظوری کی درخواست کی علماء کرام نے اس کی اشاعت اور اس پر عمل درآمد کرنے کی نہ صرف منظوری دے دی بلکہ تمام علماء ومشائخ عظام کی طرف سے ''جمعیت علماء پاکستان'' کا تعارف پاکستان کے لئے دستوری خاکہ کی ترتیب وجمع کی ذمہ داری علامہ ابوالحسنات اور علامہ کاظمی کے سپرد کی گئی۔

علامہ کاظمی اور دستور پاکستان:

حصول آزادی کے بعد اس کی بقا کے لئے ملکی استحکام کا مرحلہ سامنے آتا ہے، جس کے ضمن میں سب سے پہلا نمبر ملک کا دستور وآئین ہے۔

دستور پاکستان:

دستور کیا ہے؟ ایسے قواعد واصول کا نام ہے جنہیں منتشر اور غیر منضبط امور کو مجتمع اور منظم کرنے کے لئے بنایا جائے اور وہ اصول ان تمام افراد و جزئیات کو حاوی ہو جن کے لئے ان کو وضع کیا گیا ہو۔ کسی ملک کا دستور وہی ہوسکتا ہے جو اس سے متعلق تمام اندرونی و بیرونی معاملات و امور کو حاوی ہو ملکی قوت و استحکام کا دارومدار قانون کی طاقت پر ہوتا ہے کسی ملک میں کوئی قانون اس وقت تک کوئی قوت نہیں پکڑ سکتا جب تک کہ وہ رفتار زمانہ اور ملکی ماحول کے مطابق رہتے ہوئے عام باشندوں کے حسب حال نہ ہو۔

حکومت کی گرفت قانون کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے قانون کا ناقص اور ضعیف ہونا حکومت کی گرفت کو ڈھیلا کردے گا اور ملک میں لاقانونیت پھیل جائے گی۔

اس میں شک نہیں کہ لادینی یا بدمذہبی کی بنیادوں پر بنایا ہوا دستور ہر حال میں خطرناک اور مضر ہی ہوتا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ ایسی ملکی حکومت میں جہاں جمہوری اقتدار کسی اقلیت کے زیر اثر نہ ہو، اور وہاں کے جمہور باشندے پاکیزہ مذہبی معاشرہ رکھتے ہوں، لادینی قانون نافذ کرنا ملک اور حکومت دونوں کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں ڈال دینے کے مترادف ہوگا۔ اور اگر جبر وتشدد سے کام لے کر لادینی دستور لوگوں پر مسلط کردیا جائے تو اس کے خوفناک نتائج کا خطرہ ہر وقت محسوس ہوتا رہے گا جس کا دور ہونا سوائے مذہبی دستور نافذ ہونے کے کسی طرح ممکن نہیں۔

کسی ملک کا دستور اس کی تعمیر کا پہلا مرحلہ ہے لہذا انفاذ دستور سے پہلے ان مقاصد ونظریات کو سامنے رکھنا اشد ضروری ہے جو حصول آزادی اور قیام ملک کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ یہ اقدام بالکل ایسا ہوگا کہ گویا کسی معمار نے اصل بنیاد سے ہٹ کر تعمیر شروع کردی۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہم دستور سے پہلے قیام پاکستان کے بنیادی مقصد کو وضاحت کے ساتھ سامنے لے آئیں۔ قیام پاکستان کا سنگ بنیاد و تاسیس مسلمانوں کے وجود کا تصور ہے یعنی اگر ہندوستان میں مسلمان قوم کا کہیں وجود ہے تو اس کے آزاد، وجود کے لئے پاکستان کا ہونا لازمی ہے اور اگر سرے سے اس

کے وجود ہی کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر واقعی پاکستان کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر الحمدللہ مملکت خداداد، پاکستان کے قیام نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ مسلمان قوم ایشیا کے اس براعظم میں موجود ہے اور دشمنوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لئے انشاء اللہ موجود رہے گی۔

مختصر یہ کہ پاکستان کے اس بنیادی نکتہ کے پیش نظر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان اور پاکستان کے لئے مسلمانوں کا وجود لازم ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی بنیادی نکتہ کے پیش نظر جس بلند شخصیت نے جمہوریت مسلمہ کو مطالبہ پاکستان پر متفق کر کے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی اور یقین محکم کے ساتھ جنگ آزادی لڑی اور انگریزوں پر پسپا کیا اور بالآخر کامیابی نے اس کے قدم چومے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مخلصانہ جدوجہد کو قیام پاکستان کی صورت میں کامیابی سے ہمکنار فرمایا ہم کیا ہماری نسلیں بھی اس کے احسان کو فراموش نہیں کر سکیں۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قائداعظم مرحوم کے ذہن میں اس بنیادی نکتہ کی وہی تشریح تھی جس کو پہلے دن سے جمہوریت مسلمہ پیش کر رہی ہے، یعنی ہماری قومیت عین اسلام ہے اور اسلام عین قومیت، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ پاکستان کی بنیاد صرف اسلام ہے اور اس کا خالص نظام۔

اگر قائداعظم مرحوم آج دنیا میں موجود ہوتے تو اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے مطالبہ پاکستان پر ساری قوم کو اسلام ہی کے نام پر متفق کیا تھا۔ اور قائد ملت مرحوم کی زندگی میں ۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء کو سابق مجلس دستور ساز پاکستان نے قرارداد مقاصد کو منظور کر کے میرے اس دعویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ان چمکتی ہوئی دلیلوں اور ناقابل انکار حقیقتوں کی روشنی میں قوم کا یہ مطالبہ بالکل صحیح اور درست ہے کہ پاکستان وہی ہونا چاہئے جو کتاب وسنت کی رو سے خالص اسلامی دستور ہے۔

پاکستان کے باشندے اور دستور:

پاکستان کی غیر مسلم اقلیتیں اگر اسلامی دستور کہلانے کے باوجود اسلامی دستور کی مخالفت میں ایڑی

چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں میں ایک گروہ وہ ہے جو محض نام کا مسلمان ہے اسے اسلام واسلامیات سے کوئی تعلق نہیں حتی کہ وہ اسلامی دستور کا لفظ تک سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اسلامی دستور کے الفاظ سے تو نہیں چڑ تا لیکن اس کے معنی کا تصور اس کے لئے سوہان روح ہے تیسرا گروہ اسلامی دستور کا حامی ہے اور وہ صرف کتاب وسنت کی روشنی میں تدوین دستور کا مطالبہ کر رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں ائمہ اربعہ کے اصول کی پابندی کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اجتہاد پر ذاتی بصیرت پر اعتماد رکھتے ہیں چوتھا گروہ جمہور مسلمانوں کا ہے جو کتاب وسنت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہادیہ کی روشنی کو ضروری سمجھتا ہے۔

پہلا گروہ تو سرے سے اسلامی دستور کا لفظ ہی نہیں سننا چاہتا، البتہ دوسرا گروہ اسی فکر میں ہے کہ اگر بحالت مجبوری ملکی دستور کا نام اسلامی دستور رکھنا پڑے تو اسلام کے نام سے غیر اسلامی دستور مرتب کر کے نافذ کر دیا جائے گویا دونوں گروہ اسلامی دستور کی مخالفت میں متفق ہیں۔

پہلے گروہ سے دوسرا گروہ زیادہ خطرناک ہے اس لئے وہ قرآن اور اسلام کا نام لے کر حق کے لباس میں باطل کو پیش کرنے پر انا مشاق ہے۔

اسی گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) احادیث کا ذخیرہ مجموعہ خرافات ہے اس لئے قرآن کے سوا کسی چیز کو ماننے کے لئے تیار نہیں اگرچہ اس دعویٰ میں قرآن کو ماننے کا ذکر ہے مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن کو ماننے کا یہ دعویٰ بالکل بے حقیقت ہے اس لئے کہ جب قرآن کی صحیح تفسیر صرف احادیث نبویہ ہیں تو ان کا انکار یقیناً قرآن کریم کے مرادی معنی کا انکار ہے لہٰذا واضح ہوگیا کہ اسلامی دستور کے متعلق ہر دو گروہ کا نظریہ درحقیقت ایک ہی ہے۔

اس مختصر مضمون میں ان دونوں گروہوں کے نظریات پر تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکتی اس لئے اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ان کے نظریات چونکہ ہمارے ملک کے جمہور باشندوں اور حصول آزادی کے بنیادی اصول ومقاصد کے قطعاً منافی ہیں اس لئے ملکی تعمیری کے کسی گوشہ میں اصولی طور پر ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

پاکستان کی ذی اقتدار جماعت بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہے کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں چل سکتا جو حصول آزادی اور قیام پاکستان کے بنیادی اصول کے خلاف ہو اس لئے ہمارے ملک کی سب سے بڑی ذمہ داری جماعت سابق مجلس دستور ساز پاکستان نے قرآن پاک اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف قانون سازی کا سدباب کرنے کے لئے قرارداد مقاصد کا یہ ضابطہ منظور کیا کہ ''کسی مجلس قانون ساز کو قرآن پاک اور سنت رسول کے خلاف قانون سازی نہ کرنی چاہئے۔

اب تیسرے گروپ کو لیجئے وہ اس بات میں تو جمہور مسلمانوں سے متفق ہے کہ دستورِ اسلامی قرآن وحدیث کے مطابق ہونا چاہئے مگر اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے اصول اجتہاد کو یہ سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اس کا مسلک یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو براہِ راست سمجھنا چاہئے محض وہ اجتہادی بصیرت جو پہلے کے مجتہدین اور ائمہ میں پائی جاتی ہے اس وقت کے کام سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی نہیں اس بنا پر اس گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اس وقت کے حالات میں شاہراہ عمل تعمیر کرنے کے لئے ایسی مستقل قوت اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم ومنہاج کی پابند نہ ہو۔

ایک صحیح اسلامی ریاست کسی متعین امام کی تقلید اور متعین فقہ کی پیروی کے اصول پر قائم نہیں ہوسکتی بلکہ لازم ہے کہ اس کی بنیاد راہِ راست کتاب وسنت اور اجتہاد وشوریٰ پر ہوا اور وہ تمام اجتہادی امور کسی تحقیق وترجیح کے بغیر مختلف ائمہ کے اجتہادات پر نظر ڈال کر اپنے لئے ان اقوال وآراء کا انتخاب کرے جو اس کی نظر میں کتاب وسنت اور روح اسلامی سے قریب تر نظر آئیں۔

ایک صحیح اسلامی ریاست کی تو عین مصلحت اور خواہش یہ ہوگی کہ لوگ فکر واجتہاد سے کام لیں، اور تقلید کی بندشوں سے آزاد ہوں۔ اور اگر کوئی اس کی خواہش کے خلاف تقلید کی بندشوں ہی میں جکڑے رہنا پسند کرے تو حکومت کو اس میں بھی خلل انداز ہونے کی کوئی وجہ نہیں لیکن اس شخص کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت سے بھی مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس کی طرح اپنے پاؤں میں تقلید کی بیڑیاں پہن لے اور فکر واجتہاد سے مستعفی ہوجائے۔

اس لئے یہ گروہ دستور اسلامی کے ساتھ حنفی کی قید نہیں لگانا چاہتا تاکہ نیا اجتہاد کرنے اور ہر مسلک

خیال کے حسب پسند مسائل مستنبط کرنے کا دروازہ کھلا رہے اور کسی خاص مسلک (مثلاً حنفی) کی پابندی لازم نہ آجائے۔لیکن اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا یہ مسلک یہ ہے کہ جب ہمارے ملک میں حنفی المذہب مسلمانوں کی اکثریت عظیم ہے تو دستور اسلامی میں حنفی کی قید لگنا ضروری ہے تاکہ لفظ ''دستور اسلامی' جوایک جنس عام ہے اور یہ دستور اسلامی شیعی، اور دستور اسلامی شافعی وغیرہ سب کو شامل ہے تاکہ حنفی کی فصل سے خاص اور ممتاز ہو جائے۔

اس لئے یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اسلامی قانون کی اساس و بنیاد، کتاب وسنت ہی ہے اور اس میں تمام قوانین شخصی ومنزلی ملکی کا خزانہ موجود ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کتاب اللہ کے مجمل وجوہ ہونے اور احادیث نبویہ کے وسیع اور کثیر ہونے اور انسانی عقول کے متفاوت ہونے کی بنا پر کتاب وسنت کو مختلف نقطہ ہائے نظر سے سوچا گیا ہے اور استنباط مسائل میں استدلال کے مختلف طریقے اور اصول منہاج استعمال کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے مسائل اجتہادیہ (فرعیہ) میں لازمی طور پر اختلاف رونما ہوا اور مختلف اصول ومنہاج سامنے آگئے چنانچہ واقعاتی دنیا کے اس ناپذیر واقعہ کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خیر القرون ہی میں خصوصا ۸۰ھ سے لے کر ۲۲۱ھ۔

امام اعظم ابوحنیفہ تا وفات امام احمد بن حنبل، جمہورِ اسلامی فرقوں مثلاً حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ کے ائمہ ومجتہدین نے کتاب وسنت پر مختلف زاویہ ہائے نظر اور طرق استدلال، سے مختلف احکام جزئیہ نکالے اور مختلف اصول ومنہاج بنائے، جس کے نتیجہ میں اہل سنت کے نزدیک کتاب وسنت کی کم از کم چار قسم کی مختلف تعبیرات وتشریحات کے چار مجموعے علیحدہ علیحدہ مرتب ہوئے جو مختلف جزئیہ اور متعدد اصول ومنہاج پر مشتمل ہیں یہی چار مجموعے اپنی متعینہ یکجائی اور ہمرنگ شکل میں فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی کہلائے اور تیسری صدی کے فوراً ہی بعد سے جمہوریت کا اجماع ہوگیا کہ ان ہی مسالک اربعہ میں سے کسی ایک مخصوص مسلک و تلقین فقہ پر یکجائی کی شکل میں عمل کرنا چاہئے تاکہ ایک طرف خیر القرون میں مزاج شناسانِ نبوت کے ہاتھوں تیار شدہ ان مجموعوں کے ہوتے ہوئے آنے والے دور تنزل وانحطاط میں کم نظر اور ناقص الفہم مدعیان اجتہاد کے حوصلے بے لگام نہ ہونے پائیں۔اور دوسری طرف امت مسلمہ ان چار مرکزوں میں سے کسی ایک متعین

مرکز پر قائم رہ کر مذہبی فکر وعمل کی شیرازہ بندی ضبط ملت اور وحدت کلمہ کی شان پیدا کرتی رہے اور ان مرتبط مجموعوں کے تمام اجزاء اور ان کے طبعی نظام کو اقتدار پسندی اور وجاہت طلبی کی دست ظلم گھٹانے، بڑھانے، پراگندہ اور منتشر کرنے پر قادر نہ ہوسکے۔

یہ مجموعہ ہائے قوانین کتاب وسنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ جس طرح سنت کتاب کا عطر ہے بالکل اسی طرح فقہ ائمہ اربعہ کا یہ مجموعہ سنت کا ثمرہ یعنی کتاب وسنت ہے۔ دونوں کا خلاصہ اور ایسے فلاسفہ اسلام دماغوں کا نکالا ہوا لب لباب ہے جس کو قرب زمانہ رسالت اور غایت تقویٰ وطہارت اور کمال نور فراست کی وجہ سے اس کا زیادہ حق حاصل تھا۔

اس دور پرآشوب میں مدعیان اجتہاد کا ضعیف ورکیک تاویلات کے پیش نظر کتاب وسنت کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کرنا اور ائمہ سلف کے اصول اجتہاد کی قید سے مطلق العنان ہوجانا فتنۂ انکار حدیث کا ہوا دینے اور منکرین حدیث کو قوت پہنچنے کے مترادف ہے اس لئے کہ ائمہ سلف کے اصول ومنہاج کی پابندی سے بچنے کے لئے جو اعزار باردہ ان لوگوں کی طرف پیش کئے جاتے ہیں اس قسم کی کمزور دلیلیں منکرین حدیث پیش کیا کرتے ہیں مثلاً یہ حضرات اقوال فقہائے کے ضعیف واختلاف کی آڑ لیتے ہیں اس کے بالمقابل منکرین حدیث اختلاف روایات اور ضعیف احادیث کا عذر بیان کرتے ہیں۔

مدعیان اجتہاد کسی ایک مجتہد کے اصول ومنہاج کی پابندی کو فکر ونظر کے منافی جانتے ہیں اور منکرین حدیث اتباع سنت کو برائی اور روایات کی کورانہ تقلید اور نقد ونظر کے خلاف سمجھتے ہیں۔ نئے مجتہد، ائمہ سلف کے اصول کی پابندی کو تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں اور منکرین حدیث سنت نبوی کی پیروی کو کوتاہ بینی قرار دیتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث نے حدودِ سنت سے متجاوز ہوکر مضامین قرآنیہ میں ہر قسم کی تاویل وتحریف کا دروازہ کھول دیا، بالکل اسی طرح منہاج سلف سے عدول کرنے والوں نے نہ صرف فقہ ائمہ بلکہ کتاب و سنت کو بھی خواہشات واغراض نفسانیہ کے سانچے میں ڈھالنے کا راستہ صاف کردیا۔

لہٰذا جمہور مسلمین کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کی موجودگی میں کسی شخص کو وضع قانون کا

حق نہیں پہنچتا اسی طرح کتاب وسنت کی ان ٹکسالی اجماعی تعبیرات وتشریحات اربعہ کی موجودگی میں کسی شخص کو یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ نبض شناسانِ کارِنبوت ائمہ متقدمین وسلفِ مجتہدین کی دماغی عرق ریزیوں اور نکتہ سنجیوں کے ذریعے بطن کتاب وسنت سے نکالے ہوئے ان درہائے شاہوار سے نظر پھیر لے یا حنفیوں کی کثرت عظیمہ والے ملک میں اس مجموعہ قانون کو پسِ پشت ڈال دے یا حسب پسند خود اس میں کاٹ چھانٹ کرے جو خوبصورت فقہ حنفی اور دستور حنفی ایک منظّم ومرتبط شکل میں موجود ہے جو بارہ سو برس سے کروڑہا سلف صالحین کی حسین تائید سے موید اور برکت اتفاق سے متبرک ہو چکا ہے جو تنقید وتخصیص کے مراحل سے گزر چکا ہے جو کتاب وسنت یعنی دلیل نقل اور طریق نظر یعنی دلیل عقل دونوں کے عین مطابق ہے جس میں بڑھتے ہوئے تمدن وتہذیب کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔ جس کا قانون ملکی نرم وسیع آسانی اور سہل العمل ہے۔ جس نے مطیع غیر مسلموں کو نہایت فیاضانہ حقوق بخشے ہیں جس نے غیر مسلموں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو ملکی گورنمنٹ نے کسی غیر قوم کو نہیں دیئے جو اس حد تک صائب الرائے ہے جس حد تک کسی قانون اور فقہ کا صائب الرائے ہونا ممکن ہے۔

ایسے مجموعہ قوانین کو اس کے ماننے والوں کی اکثریت عظیمہ والے ملک میں نہ پسِ پشت ڈالا جا سکتا ہے اور نہ اجتہاد خام کی خود پسندی کو دخل دے کر اس کا کچھ حصہ لے کر اور کچھ چھوڑ کر اس کے نظم ارتباطی کو فنا کیا جا سکتا ہے اسے نافذ کر دینے کی دیر ہے نہ کہ مستقل قوت اجتہادیہ والے عنقا کے پیچھے دوڑنے کی نہ ہرجائی پن کے میدان میں سرگرداں رہنے کی نہ زرداں اور دردسرے خریدنے کی جدید دور کے نئے مجتہدوں کا یہ کہنا بھی عجیب قسم کی ابلہ فریبی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی خواہش تو یہی ہوگی کہ لوگ جدید فکر واجتہاد سے کام لے کر تقلید کی پرانی بندشوں سے آزاد ہوں اور اگر کوئی شخص تقلید کی قید میں مقید ہونا چاہے شوق سے رہے، حکومت کو بھی بلاوجہ اس میں خلل انداز ہونے کی ضرورت نہیں مگر اس شخص کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس کی طرح تقلید کی بیڑیاں پہن کر فکر واجتہاد سے استعفٰی دے دے۔

میں ان مدعیان اجتہاد سے پوچھتا ہوں کہ منکرین سنت کو آپ کیا جواب دیں گے؟ اگر وہ بعینہ آپ

کی اسی دلیل کو آپ کے سامنے رکھیں اور کہیں کہ ایک صحیح اسلامی ریاست کو تو عین مصلحت اور خواہش یہ ہوگی کہ لوگ کتاب اللہ کے وسیع اور لامتناہی علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے اپنے فکر و اجتہاد سے کام لیں گزشتہ اور پرانی روایات کی تقلید اور عہد رسالت سے صدیوں بعد جمع شدہ ذخیرۂ احادیث کی بندشوں سے نجات حاصل کریں اور اگر کوئی شخص روایات کی دنیا میں گم رہنے اور ان کی بندشوں کو اپنے اوپر مسلط رکھنے کا خواہش مند ہو تو اسے اختیار ہے حکومت کو بھی خواہ مخواہ اس کے معاملہ میں مخل ہونے کی حاجت نہیں مگر اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرے کہ حکومت بھی اس روایتی قید و بند میں مبتلا ہو کر عقل و فراست اور فہم و درایت سے مستغنی ہو جائے۔

منکرین حدیث کے جواب میں آپ جو کچھ فرمائیں گے جمہور مسلمین کی طرف سے اپنے لئے بھی وہی سمجھ لیجئے۔ اس کے بعد مجتہدین حال کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں کہ صحیح اسلامی ریاست کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ کتاب و سنت کی ان صحیح تعبیرات و تشریحات کو پس پشت ڈال دے جو رسول ﷺ نے نور نبوت کی روشنی میں اپنے اقوال اور اعمال مقدسہ کے ذریعہ بیان فرمائیں اور کامل نور بصیرت و نور فراست رکھنے والے ائمہ سلف نے امت مسلمہ کے سامنے رکھیں۔

سنت نبوی کتاب اللہ کی صحیح تفسیر ہے اور فقہ ائمہ کتاب و سنت کی بہترین تفسیر ہے، اس لئے ہر صحیح اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہ ائمہ کی قید سے آزاد ہونے کے بجائے ریاستی امور میں اس متعین امام کی تقلید اور اس متعین فقہ کی پابند ہو، جو اس اسلامی ریاست کے جمہور باشندوں کی اکثریت عظیمہ کا مسلک ہے، تا کہ جمہور عوام کے مذہبی رجحانات اور ریاست امور میں تصادم واقع نہ ہو۔

مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ مسلمانوں کا چوتھا گروہ جمہوریت مسلمہ ہے جس کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ دستور پاکستان خالص اسلامی دستور ہونا چاہئے مگر اس کے ساتھ ''حنفی'' کی قید لگنا ضروری ہے۔ کیونکہ پاکستان کے رہنے والے جمہور مسلمان حنفی المذہب ہیں اور مذہب حنفی اپنی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے ہر طبقہ کے انسانوں کی تمام ملکی ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب اور بے حد موزوں واقع ہوا ہے، بالخصوص بڑھتے ہوئے تمدن کے ساتھ اس کو بڑی مناسبت ہے چنانچہ دنیا کی بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتوں میں یہ

مسلک قانون سلطنت رہا اور سیکڑوں برس تک یہی قانون حنفی جاری رہا۔

انگریزی اقتدار قائم ہونے کے بعد ایک مدت تک ہندوستان میں یہی فقہ حنفی رائج رہی عدالتوں میں حنفی قاضی انصاف کے لئے بیٹھتے تھے اور حنفی قانون صرف پرسنل لاء تک محدود نہ تھا بلکہ وہی ملکی قانون بھی تھا۔ ماضی قریب تک بعض ریاستوں کی اکثر عدالتیں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے دیتی رہیں حتی کہ اس وقت عدالتوں اور ادارہ جات نظم ونسق میں اسی فقہ حنفی کے ملکی قانون کی بے شمار اصلاحیں ہندو پاکستان میں رائج ہیں۔

عنان حکومت جن ہاتھوں میں رہی اور جن خاندانوں کو عروج سلطنت نصیب ہوا، ان میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کے پابند تھے، خاندان سلجوق، سلاطین ترکی، محمود غزنوی، نورالدین زنگی، وغیرہ سب حنفی قانون اور فقہ حنفی کے پابند پیرو تھے۔ ترکیہ میں چھ سات سو سال یہی قانون حنفی جاری رہا، خلافت عباسیہ کے مایہ ناز اور چشم و چراغ خلیفہ ہارون الرشید کی وسیع سلطنت ان ہی اصول پر قائم رہی اس کی عالمگیر حدود مملکت میں فقہ حنفی کے اقنوم ثانی اور امام دوم امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ) چیف جسٹس رہے۔

مقصد یہ ہے کہ حنفی قانون بے شمار اسلامی سلطنتوں کا ملکی قانون رہنے کی بناء پر اتنا مکمل اور جامع ہوگیا ہے کہ اب اس کو بلا تامل کسی اسلامی ریاست کا ملکی قانون قرار دیا جاسکتا ہے یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے نئے مسائل زندگی پیدا ہوگئے ہیں لیکن انہیں حل کرنے کے لئے امام اعظم کے کامل اصولِ اجتہاد کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی داعی اجتہاد کی مسلسل قوت اجتہادیہ درکار نہیں۔

اس دور جمہوریت میں جمہوری اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلک جمہور کے مطابق ملکی قانون ''دستور اسلامی حنفی'' بنایا جائے۔ البتہ دوسرے تمام اسلامی فرقوں کو پرسنل لاء میں اپنے مذہب کے مطابق عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی ہوگی۔ ان کے تمام مذہبی معاملات میں ان ہی کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کو نافذ کیا جائے گا۔

دستور اسلامی کے ساتھ حنفی کی قید لگنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قرآن وحدیث کی غلط تفسیر و تشریح کرکے لادینی بد مذہبی کو دستور میں شامل کرنے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے گا۔

لہٰذا میں مجلس دستور ساز پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں کہ ملک میں جلد از جلد ''دستور اسلامی حنفی'' نافذ کیا جائے اس کے خلاف کوئی قانون جمہوریت مسلمہ کے لئے قابل برداشت نہ ہوگا (۱)۔

یہ تھے حضرت علامہ غزالی دوران کے دستور پاکستان کے بارے میں علماء ومشائخ سے خطابِ مختصر کے بعد اقتباسات سنی علمائے کرام اور مشائخ کے مطالبات ابھی جاری تھے کہ تحریک پاکستان اور طویل عرصہ تک دینی وسیاسی خدمات انجام دینے والا سینوں کے عظیم قائد اور مذہبی وسیاسی رہنما امام اہلسنّت فاضل بریلوی (علیہ الرحمۃ) کے خلیفہ مجاز اور جمعیت علماء پاکستان کے پہلے منتخب صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری الوری ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء اپنے خالق حقیقی کی طرف منتقل ہوگئے۔

اور اس کے ساتھ ہی علامہ الکاظمی کی جس درمندانہ اپیل نے پاکستان کے سنی علماء ومشائخ کرام کو ۱۹۴۸ء میں ایک جگہ جمع کردیا تھا پھر بے حسی، غفلت اور آپس میں افتراق وانتشار کا شکار ہوگئی۔ اور بقول پیرزادہ علامہ اقبال فاروقی ''جمعیت علماء پاکستان کی اس بدنظمی اور بے عملی سے علماء اہلسنّت کی سیاسی اور دینی گرفت عوام کے ذہن وقلب پر نہ صرف سست پڑگئی بلکہ سنی عوام مایوس ہوکر ان عناصر سے ملنے لگے جو سنیت کو دیگر عقائد سے ملوث کرنے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ بعض سیاسی مصلحتوں کی بناء پر مہر بہ لب ہوگئے بعض معاشی ناہمواریوں سے بڑی بڑی ملازمتوں کی نذر ہوگئے اور جو لوگ باقی رہ گئے وہ مرکزیت اور صوبائیت کے چکر میں الجھ گئے۔

علامہ اقبال فاروقی مدظلہ مزید لکھتے ہیں کہ مولانا ابوالحسنات کے وفات کے بعد جمعیت کی صدارت صاحب زادہ فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ آلومہار شریف کے حوالے ہوئی لیکن جب وہ صدر ایوب خان کے باضابطہ جائز وناجائز اعلانات کی حمایت کرنے لگے تو ان کی اس حمایت کو عوام اہلسنّت اور مشائخ جمعیت علماء پاکستان کے دستور کے خلاف محسوس کیا۔ اور معروف علماء اہلسنّت کی ایک جماعت بالخصوص مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لاہور، صاحبزادہ محمود شاہ گجراتی، قاضی عبدالنبی رحمۃ اللہ علیہ کوکب لاہور، مولانا عبدالغفور ہزاروی

(۱) مقالاتِ کاظمی، جلد دوم ص 120، مطبوعہ ملتان/ تذکرہ اہلسنّت وجماعت لاہور

اور مولانا عبدالقیوم ہزاروی نے ۱۹۶۸ء میں ایک متوازی جمعیت علماء پاکستان قائم کر کے صاحبزادہ فیض الحسن کو برطرف کر دیا۔ جبکہ کراچی میں تحریک پاکستان اور سنی علماء کرام کی ایک عظیم شخصیت مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ ذاتی طور پر بنام ''مرکزی جمعیت علماء پاکستان'' ایک الگ متبادل تنظیم بنا کر کام کا آغاز کر چکے تھے۔

علماء اہلسنّت اور مشائخ کی اس افتراق و انتشار نے علامہ سعید احمد الکاظمی اور مولانا ابوالحسنات کی جمعیت علماء پاکستان کو نہ صرف ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیا بلکہ پاکستان کی سب سے بڑی اکثریتی عوام اہلسنّت کی سیاسی ومذہبی پارٹی بڑی بدنظمی کا شکار ہو کر عبرت سرائے دہر بن کر رہ گئی تھی۔

ع آسماں را حق بود گر خوں بسیار بر زمین

الحمدللہ، علامہ کاظمی اس واقعہ کے بعد بھی تھکے نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد کرتے رہے اور علماء کرام سے رابطے میں رہے۔ یہاں تک کہ پھر جمعیت علماء پاکستان کو دوبارہ زندگی دلانے میں اس وقت کامیاب ہو گئے، جب جون ۱۹۷۰ء میں مولانا عبدالحمید خان بھاشانی اس وقت کے مشرقی پاکستان کے لیڈر نے گھیراؤ اور جلاؤ کی تحریک پورے پاکستان میں شروع کی تھی اور پاکستان تباہی کی طرف چل پڑا تھا اور ٹھیک اس موقع پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نئے سیاسی لیڈر بن کر عوام میں ابھرے تھے۔ وہ بھی پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھ کر مولانا بھاشانی، اور دیگر سوشلزم والی تنظیموں کو بھی فائدہ پہنچا رہے تھے۔ مسٹر بھٹو کو چین کے ماؤزے تنگ سے ایک خاص قربت تھی۔ چنانچہ اس وقت پیپلز پارٹی کے تمام دفاتر سے ''ماؤ زے تنگ'' کے افکار پر مشتمل متعدد کتب کراچی اور پاکستان میں مفت تقسیم کی جا رہی تھیں، اس نازک موقع پر کراچی کے مقتدر علماء کرام اور مشائخ عظام، بالخصوص حضرت علامہ شاہ احمد نورانی الصدیقی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی، مفتی ڈاکٹر سید شجاعت علی القادری، مولانا جمیل احمد نعیمی، مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی، مولانا شفیع اوکاڑوی، مولانا مفتی سید سعادت علی قادری، مولانا مفتی محمد حسین سکھر والے، مولانا محمد اقبال حسین نعیمی، مولانا محمد یعقوب کیماڑی والے، مولانا الحاج پیر فاروق رحمانی دہلوی، مولانا مفتی ظفر علی نعمانی، مولانا محمد حسن حقانی، مولانا القاری محمد مصلح الدین صدیقی، مولانا مفتی محمد عبداللہ نعیمی المجددی، مولانا پیر قاسم مشوری لاڑکانہ، مولانا مفتی خلیل احمد برکاتی حیدرآباد سندھ، مولانا مفتی محمود الوری حیدرآباد سندھ، مولانا سید محمد علی رضوی وغیرہم نے کراچی میں مرکزی

جماعت اہلسنّت کی تشکیل نو وترتیب دے کر ایک عظیم منصوبہ بندی کے تحت کام کا آغاز کر دیا نیز کراچی کے سنی دار العلوم اور مدرسوں کے نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے حضرت استاذی علامہ عبد المصطفیٰ الازہری شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی کی سرپرستی میں ایک تنظیم بنام مرکزی ''انجمن طلباء عربیہ'' کی تشکیل دی جا چکی تھی۔ اس وقت مولانا مفتی منیب الرحمٰن (مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی، چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان) کو صدر منتخب کیا گیا تھا اور دیگر عہدیداران میں مولانا قاری محمد اسماعیل خطیب شافعی مسجد کراچی، مولانا مفتی عبد المجید کشمیری، مولانا المفتی احمد میاں برکاتی، مولانا مختار احمد قادری مردانی مدرسہ دار العلوم امجدیہ کراچی، مولانا نوا الہادی، ڈاکٹر مولانا اشرف سموں ٹھٹھوی، طلباء دار العلوم امجدیہ کراچی وغیرہم بھی تھے، طلباء اتحاد وتنظیم کی طرف سے علماءِ لاہور، کراچی وپشاور کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ جب تک علماء اہلسنّت اور مشائخ اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہوں گے نہ ملک بچ سکے گا اور نہ ہم بچ سکتے ہیں اور مسلک اہلسنّت کو جو شدید نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری علماء اہلسنّت ومشائخ عظام پر ہوگی۔ ماہ جون ۱۹۷۰ء میں بمقام ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع فیصل آباد میں ''آل پاکستان سنی علماء مشائخ کانفرنس کے نام'' سے زیر صدارت حضرت علامہ الحاج فضل الرحمٰن المدنی (خلف اکبر حضرت علامہ الحاج مفتی ضیاء الدین احمد مدنی (خلیفہ امام احمد رضا بریلوی) کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا گیا۔

اس کانفرنس میں تقریباً پورے پاکستان (مشرقی ومغربی) سے 10 لاکھ سنی عوام علماء ومشائخ شریک ہو کر حضرت شیخ الاسلم والمسلمین خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت علماء پاکستان کا صدر اور حضرت علامہ الحاج مفتی سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اس وقت پھر سے پورے ملک میں جمعیت علماء پاکستان کو ایک عالمگیر سیاسی ودینی حیثیت حاصل ہوگئی اور علامہ احمد سعید شاہ کاظمی کی مسلسل جدوجہد اور کوششوں سے اہلسنّت کا قافلہ رواں دواں اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

آپ کے علمی آثار

حضرت علامہ سعید احمد الکاظمی اس وقت بھی تحریکی، تدریسی، تبلیغی، اور سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ

کئی علمی تصنیفی خدمات میں بھی مصروف عمل رہے تھے اور انہوں نے مندرجہ ذیل تصانیف بھی کیں۔ اُن میں:

1- تسبیح الرحمٰن عندالکذب والنقصان
2- کتاب التراویح
3- مزیدۃ النزاع عن مسئلۃ السماع
4- الحق المبین
5- تسکین الخواطر
6- التحریر اوراس کی شرح التقریر
7- حیات النبی
8- اسلام اور سوشلزم
9- معراج النبی
10- طلباء کا اسلامی کردار
11- تقریر منیر
12- التبشیر والتحذیر
13- حجیت حدیث
14- میلاد النبی
15- مکالمہ کاظمی ومودودی
16- اسلام اور عیسائیت
17- تحقیق قربانی
18- فتویٰ حنفی
19- نفی الفیئ
20- آئینہ مودودیت

قابل ذکر ہیں اور مطبوعہ ہیں اور حال ہی میں آپ کا ترجمہ قرآن بنام ''البیان'' بھی طبع ہو چکا ہے۔آپ کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل معروف ومشہور ہوئے۔

☆ مولانا حسن الدین ہاشمی، اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور۔

☆ مولانا مفتی جسٹس ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی، جج شرعی عدالت حکومت پاکستان، سابق ممبر سنڈیکٹ جامعہ کراچی

☆ مولانا حسن حقانی مدظلہٗ، دارالعلوم امجدیہ کراچی، سابق ایم پی اے صوبہ سندھ۔

☆ مولانا مشتاق احمد چشتی مدظلہٗ، نائب شیخ الحدیث مدرسہ انوارالعلوم ملتان

☆ علامہ المفتی محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مفتی غلام سرور قادری، شیخ العلوم جامع نظامیہ لاہور

☆ مولانا پیر محمد چشتی مدظلہٗ، جامع غوثیہ، پشاور

☆ مولانا فرید ہزاروی، دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ

حضرت علامہ احمد سعید الکاظمی (علیہ الرحمۃ) فطری طور پر بہت ہی ہمدرد، مخلص اور خلیق اور ملنسار آدمی تھے۔ حضرت غزالی دوران مسلسل دینی، سیاسی، تبلیغی، سماجی، علمی، تصنیفی اور مسلکی خدمات انجام دینے کے بعد ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں بعد افطار ملتان میں رحلت فرماگئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ حضرت قائد اہلسنّت مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھانا تھا اور آپ بروقت ملتان پہنچ بھی گئے تھے اور مسلسل مائیک پر یہ اعلان ہوتا رہا تھا کہ مولانا شاہ احمد نورانی کراچی سے پہنچ چکے ہیں جو نماز جنازہ پڑھائیں گے، لیکن پھر بعد میں اعلان ہوا کہ حضرت غزالی دوراں کے صاحبزادے پروفیسر مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ جنازہ پڑھا رہے ہیں۔

پاکستان کے مختلف اضلاع وشہر سے آئے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں علماء ومشائخ کے ساتھ مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نماز جنازہ ادا کی اور آہوں وسسکیوں کی فضاء میں باغِ ملتان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی اس موقع پر شاہد اکبرآبادی ثم کراچوی نے یہ تاریخ وفات لکھی۔

جب سے گئے وہ خلد کو شاہد یہ فکر تھی
کوئی ملے تو پوچھوں وہ کیسے ہیں خلد میں؟
دیکھا جو مضطرب مجھے تاریخ بول اٹھی
احمد سعید الکاظمی اچھے ہیں خلد میں

(۱۹۸۶ء)

اب آپ کی روحانی وتنظیمی جانشینی کے فرائض آپ کے صاحب زادے حضرت پروفیسر مظہر سعید کاظمی اور مولانا حامد سعید کاظمی مدظلہما انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

علامہ مفتی عبدالمصطفیٰ الازہری، المتوفی ۱۴۱۰ھ

آپ کی ولادت ۱۹۱۶ھ قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (یوپی بھارت) میں ہوئی آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ عالم، حکیم اور مفکر تھے۔ بہار شریعت کی تصنیف ان کی علمی کارناموں میں سے ایک عظیم یادگار ہے۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر علوم وفنون اور درس نظامی کی مروجہ کتب مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں (جہاں آپ کے والد صدر، مدرس ہو گئے تھے) اور دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں ۔۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۸ء اجمیر شریف بعد بریلی شریف میں دوسال تک درس نظامی کی جملہ کتب کا درس لیا اس کے بعد ۱۹۳۱ء میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے، اور وہاں تین سال تک، بحثیت طالب علم مقیم رہے، اور شہادۃ العالمیہ کی اسناد حاصل کیں۔ ۱۹۳۸ء میں واپس پر پہلا حج کیا اور مدینہ طیبہ میں قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کے ہاں قیام کیا اور پھر بریلی شریف میں اپنے والد ماجد سے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث سبقاً پڑھیں ۔۱۹۳۶ء میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی سے کے دستار فضیلت حاصل کی، فراغت کے بعد عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے بحثیت مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ سے آغاز کیا۔ ۱۹۳۹ء تک وہاں مدرس رہے۔ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۲ء تین سال آپ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام مسجد بی بی جی بریلی میں مدرس رہے۔ ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۸ء چھ سال آپ نے ہندوستان میں یوپی کی عظیم یونیورسٹی جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظمی گڑھ میں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے اور جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں بحثیت شیخ الحدیث درس حدیث کا آغاز فرمایا او ر ۱۹۵۲ء تک وہاں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۵۳ء میں جامعہ رضویہ ہاروں آباد ضلع بھاول نگر، میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور ۱۹۵۸ء تک وہاں درس حدیث دیا، اس کے بعد مفتی ظفر علی نعمانی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی کی دعوت پر تشریف لائے اور ۱۹۵۸ء سے ۸۸ء اور ۱۹۸۹ء تک پورے تیس سال جامعہ امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث والفقہ کے منصب پر فائز رہے، اور آپ کی سرپرستی میں ہزاروں فتاوے دیئے گئے۔

آپ نے تدریس، علمی، فقہی دینی خدمات کے علاوہ سماجی اور سیاسی زندگی بھی گذاری، تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بنارس کی سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء سے لیکر قیام پاکستان تک، ہندوستان میں مسلم

امہ کی نشاۃ ثانیہ اور مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کیلئے انتخابی مہم میں پورے اعظم گڑھ میں دھواں دھار تقاریر فرمائیں، اور مسلم لیگی امیدوار ضلع اعظم گڑھ سے کامیاب ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان لے کے کچھ، ایام تک سیاسی زندگی پر دینی خدمات غالب رہیں تا آنکہ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۸۹ء تک سیاسی سماجی اور ملی محاذ پر ملک کی عظیم اکثریت اہل سنت و جماعت کی شیرازہ بندی اور جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اہل سنت اور تبلیغ اسلامی جیسی ملی، مذہبی وسیاسی جماعتوں میں فعال کردار ادا کیا، ۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے نعرے کے خلاف حضرت قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں سنی مسلمانوں کی صف بندی کی، اور ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں سوشلزم کے علمبردار، ریٹائرڈ میجر جنرل اکبر خان امیدوار پیپلز پارٹی کو لانڈھی کورنگی کے حلقہ انتخاب سے ۹ ہزاروں ووٹوں سے شکست فاش دیکر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۴ء جنرل ایوب خان کی مارشل لائی دور میں سیاسی جماعتوں (بشمول جمعیت علماء پاکستان) پر قدغن ہونے کی وجہ سے آپ نے انجمن تبلیغ الاسلام کی بنیاد ڈالی مولانا عبدالحاد بدایونی صدر، اور علامہ ازہری مرکزی نائب صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں مولانا بدایونی سے بعض معاملات میں اختلافات کے باعث وہ اور ان کے رفقاء مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا سعادت علی قادری وغیرہ انجمن سے علیحدہ ہوگئے، اور جماعت اہلسنّت کی ۱۹۶۶ء میں بنیاد ڈالی گئی جس کے پہلے صدر علامہ ازہری اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نائب صدر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۳ء علامہ ازہری اسی منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۱ء میں مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، اور ۱۹۸۵ء تک رہے۔ ۱۹۸۵ء کے عام انتخاب ملیر سعود آباد سے امیدوار ہونے اور جماعت اسلامی کے امیدوار کو ۱۰ ہزار ووٹوں سے شکست دیکر رکن قومی اسمبلی کے منتخب ہوئے اور مئی ۱۹۷۳ء کے سیاسی دور میں قومی اسمبلی میں مسلمانوں کی تعریف آئین میں شمولیت کے حوالہ سے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بل کی حمایت میں اسمبلی میں دن رات جدوجہد کی۔ آپ میں اردو، عربی، فارسی میں شعر گوئی کا بھی ذوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ آپ ماجد تخلص کرتے تھے مگر آپ نے اپنی شاعری کو صرف اور صرف حمد باری تعالیٰ، نعت مصطفیٰ اور منقبت اولیاء کیلئے ہی محدود رکھا۔ آپ کا وصال کراچی میں ہوا۔ آپکا مزار دارالعلوم امجدیہ میں میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کے کئی تلامذہ ملکی وملّی خدمات انجام دینے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں اُن میں:

☆ پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری، رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

☆ علامہ محمد حسن حقانی مہتمم جامعہ انوار القران گلشن اقبال کراچی

☆ علامہ غلام دستگیر افغانی / کراچی

☆ علام غلام نبی فخری / جامعہ حامدیہ رضویہ کراچی

☆ پروفیسر حافظ محمد حبیب / جناح کالج کراچی

☆ علامہ ڈاکٹر محمد سعید / بانی طارق بن زیاد کالج کراچی

☆ مولانا حافظ قاری محمد اسماعیل ازہری / خطیب کوکن مسلم سوسائٹی کراچی

☆ مولانا مختار احمد قادری مدرس دار العلوم امجدیہ کراچی

☆ مولانا افتخار احمد قادری سابق شیخ الحدیث

☆ مولانا عبد العزیز حنفی مفتی دار العلوم امجدیہ کراچی / دار لعلوم امجدیہ کراچی

☆ مولانا عبد الحلیم ہزاروی۔ کراچی

☆ مولانا محمد اسحاق اظہر دار العلوم قادریہ کراچی (المرکز القادری)

☆ مولانا حافظ محمد اسماعیل شیخ الحدیث / دار العلوم امجدیہ کراچی

☆ مولانا غلام قمر الدین سیالوی / ناظم دار العلوم امجدیہ کراچی

☆ مولانا مفتی احمد میاں برکاتی / شیخ الحدیث دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد / سندھ

☆ اور ڈاکٹر عبد الباری صدیقی وغیرہ ہم

امام اہلسنّت فاضل بریلوی کے مرید اور صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت، مولانا امجد علیؒ اعظمی کے صاحبزادے اور پچاس سال تک مسند درس و تدریس پر قال اللہ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزمہ خواں علامہ مولانا محمد عبد المصطفیٰ الازہری ماجد اعظمی شیخ الحدیث والفقہ دار العلوم امجدیہ کراچی، جماعت اہل سنت کے بانی رکن اور صوبہ سندھ جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور سابق رکن قومی اسمبلی و سابق رکن مجلس شوریٰ اور بے شمار دینی مذہبی انجمنوں اور اداروں کے سرپرست اعلیٰ بحیثیت مفکر مفسر و محدث و فقیہ و مفتی ۷۳ برس اس خاکدان عالم میں علم و فضل کے انوار تجلیات پھیلاتے ہوئے ۱۸/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو عالم فانی سے عالم جاودانی کے مکین ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ محمد حبیب اللہ قادری میرٹھی

آپ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ محلّہ خیر نگر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔والد گرامی کا اسم مبارک حضرت شاہ محمد عظیم اللہ تھا جو اپنے وقت کے عالم باعمل اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔۱۸۹۳ء میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے تھے تو غلافِ کعبہ کو تھام کر یہ دعا کی تھی:

> ''الٰہا بادشاہا بے نیازا! تیری بے شمار نعمتوں اور ان گنت احسانات کا شکریہ ادا کرنے سے زبان قاصر ہے، تیرا یہ عظیم کرم ہے کہ تو نے اپنے گھر کا طواف کرنے اور مدینہ منورہ میں اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری کی سعادت عطا فرمائی۔اے مالک ومولیٰ! یہ میری محبوب تمنا بھی پوری فرما کہ میرا اکلوتا بیٹا حبیب اللہ میری زندگی میں حفظِ قرآن کی سعادت پائے اور میں اسے خدمت دین متین میں مصروف دیکھ کر دنیا سے رخصت ہو جاؤں''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی وفات کے وقت یعنی ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ/ ۲۵ فروری ۱۹۱۲ء کو شاہ محمد حبیب اللہ علیہ الرحمۃ خطابت وامامت، افتا نویسی، وعظ وتذکیر اور تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال چکے تھے۔(۱)

حضرت شاہ محمد حبیب اللہ قادری نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں حاصل کی اور حفظِ قرآن اپنے حقیقی چچا حضرت حافظ حفیظ اللہ سے کیا۔فارسی کی تعلیم مدرسہ عالیہ رونق الاسلام، کنبوہ دروازہ میرٹھ میں مولانا ریاض الدین افضل گڑھی سے حاصل کی۔

۱۳۱۵ھ میں میرٹھ کی مشہور علمی قدیمی درس گاہ ''مدرسہ قومی'' واقع مسجد خیر المساجد میں داخل ہو کر درسِ نظامی کا آغاز فرمایا۔درس نظامی کے ساتھ ہی شہر کے مشہور طبیب حکیم نصیر الدین دہلوی سے فن طب

---

(۱) شاہ محمد عارف اللہ قادری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ اس دور میں اکثر علماء کرام درس نظامی کے ساتھ ہی کتب طب کی تکمیل ضروری جانتے تھے تاکہ خدمت دین کے ساتھ ساتھ خدمت خلق بھی کی جا سکے۔

۱۳۲۷ھ میں تمام علوم وفنون میں سندِ فراغت حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، لیکن بیرونی دوروں کی مشغولیت کی بنا پر اس مشغلہ کو ترک کرنا پڑا۔ آپ مدرسہ ''امدادالاسلام'' میں چند سال عربی وفارسی کی تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

آپ نے ایک عرصہ سے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی علمی شہرت کا چرچا سن رکھا تھا، اس لیے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں بریلی شریف حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر مسلسل حاضر ہوتے رہے۔ بریلی شریف میں ایک سال کی مسلسل حاضری، مجدد وقت کی پر اثر صحبت اور زہد وریاضت کی کثرت نے وہ جلا بخشی کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے صرف گیارہ مہینے بیس دن بعد آپ کو شرفِ خلافت سے نوازا۔ اور یہ واقعہ اب آپ حضرت کے صاحبزادہ حضرت شاہ محمد عارف اللہ قادری کی زبانی سنیے:

''جب حضرت صاحب عید الاضحیٰ کے بعد سلامِ عید کے لیے آستانہ عالیہ رضویہ پر حاضر ہوئے تو وہاں چند علماء کو خلافت عطا فرمانے کا تذکرہ سنا۔ بازار سے نئے عماموں کی خریداری دیکھی اور باہر سے آنے والے کچھ علماء سے ملاقاتیں بھی ہوئیں لیکن حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میرے ذہن کے کسی گوشہ میں یہ وہم وگمان تک نہ تھا کہ آج کی خصوصی مجلس میں سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ کی عظیم امانت (خلافت) سے مجھ ایسے حقیر وفقیر کو بھی نوازا جائے گا۔

حضرت صاحب فرماتے تھے کہ جب اکابر علماء کی دستار بندی ہو چکی تو اس فقیر قادری کو قریب بلا کر فرمایا کہ ''مولانا! دل چاہتا ہے کہ فقیر اپنے سر کا مستعمل عمامہ آپ کو دے'' اور یہ فرما کر عمامہ میرے سر پر باندھ دیا گیا اور اجازتِ بیعت دے دی گئی۔

میرے خیال میں یہ عظیم خصوصیت اس مجلس خلافت کے علاوہ شاید ہی کسی خوش

نصیب کو میسر ہوئی۔

دوسری خصوصیت یہ حاصل ہوئی کہ خلافت نامہ میں اعلیٰ حضرت نے میرے والد ماجد کا نام ''حبیبِ رضا'' تحریر فرمایا۔ چنانچہ اس مناسبت سے اعلیٰ حضرت کے خلفِ اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے منظوم شجرہ شریف میں ان دو شعروں کا اضافہ فرمایا۔

کر حبیب اللہ یا رب واسطہ محبوب کا
شاہ حبیب اللہ محبوب رضا کے واسطے
دے محبت اپنی اور اپنے حبیب پاک کی
شاہ حبیب اللہ میرے پیشوا کے واسطے (۱)

آستانہ عالیہ رضویہ سے مراجعت فرماتے ہی مسلک کی تبلیغ اور عوام میں دینی شعور پیدا کرنے کا والہانہ جذبہ پیدا ہوا۔ میرٹھ میں سب سے پہلے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں عظیم الشان ۳روزہ جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ آپ ہی کی تحریک پر منعقد ہوا۔ میرٹھ میں جلسہ کا انعقاد کچھ آسان نہ تھا اور بالخصوص ایسے وقت جب کہ اس نام سے عام جلسوں کا رواج پورے ہندوستان میں شاذ ونادر ہی تھا۔ اِدھر جلسہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اُدھر جلسہ کو ناکام بنانے کے منصوبے جنم لے رہے تھے۔

علماءِ دیوبند کے وہ فتاویٰ جن میں میلاد مبارک کو (معاذ اللہ) کنہیا کے جنم اور عیسائیوں کی نقل سے تشبیہہ دی گئی تھی۔ پوسٹروں اور کتابچوں کی صورت میں مفت تقسیم کیے جا رہے تھے۔ مساجد میں عوام کو بھڑکایا جا رہا تھا لیکن:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبادیں گے

---

(۱) شاہ محمد عارف اللہ قادری، ص۱۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

علماءِ اہلسنّت کی دینی کاوشوں اور عوام کے جوشِ عقیدت نے جلسوں کو امید سے زیادہ کامیاب بنایا۔
۱۰، ۱۱، ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ء صبح، دوپہر اور رات کو ہندوستان کے مشاہیر علماء نے مسلمانانِ میرٹھ کو ایک نئی زندگی بخشی۔ ہر جلسہ کا اختتام صلوٰۃ وسلام پر ہوتا تھا۔ اس جلسے کے اثرات نے قرب وجوار کے شہروں، دیہاتوں اور ہر محلّہ کے مسلمانوں میں ایسی تازگی پیدا کی کہ گھر گھر نعت خوانی اور محافل میلاد کا چرچا ہونا شروع ہو گیا۔

یوں تو جلسہ کی کامیابی نے مخالفینِ اہلسنّت کے پورے کیمپ میں ہلچل ڈال دی لیمن محلّہ خیرنگر کے رہنے والے بعض دیوبندیوں نے ''تھانہ بھون'' پہنچ کر جماعت کے حکیم الامت صاحب سے کوئی مؤثر نسخہ تجویز کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ انہوں نے ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ کو ایک وعظ کیا جسے ''النور'' کے نام سے شائع کیا گیا اور دوسرے سال ۳ ربیع الاوّل ۱۳۳۲ھ میں اپنے گاؤں ''تھانہ بھون'' کی جامع مسجد میں وعظ کیا، جس کو ''الظہور'' کے نام سے شائع کیا اور اس کے صفحہ ۲۹ پر لکھا:

> ''انہوں نے (یعنی موجدانِ عید میلاد النبی ﷺ) بیانِ ولادتِ شریف میں یہاں تک بے ادبی کی ہے صبح صادق کے وہ وقت بیان ہوا، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت شریف اسی..................''

غرض پوری نقل بنائی گئی اگر یہی نقل ہے تو خدا خیر کرے۔ ایک عورت کو بھی لا دیں گے اور اس کو کہہ دیں گے چلایا کرے۔

دیکھا آپ نے یہ افتراء کسی عام جاہل کی طرف سے نہیں بلکہ دیوبندی جماعت کے حکیم الامت اور پیرِ طریقت کی طرف سے مجمع عام میں لگایا گیا اور مصداق:

ع چہ لاورست وزدے کہ بکف چراغ دارد

اس دروغ بافی کو خوب صورت رسالہ شائع کیا گیا۔

ع قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا

رسالہ میں حکیم الامت صاحب کی اس جرأت پر جلسہ عید میلاد مبارک کے ایک رکنِ خاص جناب

قاضی مہتمم الدین صاحب صدیقی نے ایک اشتہار بعنوان ''تھانوی دروغ گوئی'' شائع کیا اور اس میں گہوارہ والی بات سچ ثابت کرنے پر پانچ ہزار روپے انعام مقرر کیا۔ اشتہار میں جو اشعار بارگاہِ نبوی ﷺ میں بطورِ استغاثہ پیش کیے گئے، ان سے آپ لطف اندوز ہوں:

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب | خیز کہ شد تھانہ بھون ہم خراب

فتنۂ برپا شد کر دیوبند | تھانہ بھون کر دورا چار چند

حیف کہ ظلمت کدۂ کفر شد | آنکہ گہے مطلعِ انوارِ بد

یا علیے درصف میدان فرست | یا عمرے بر سرِ شیطان فرست (۱)

آپ نے سخت مشکلات کے باوجود مسلک کی تبلیغ بالخصوص اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھا اور اسی بنا پر ضلع میرٹھ کے علاوہ آس پاس کے اضلاع وقصبات ودیہات کے رہنے والے مسجد جامع خیر المساجد کو اہل سنّت کا عظیم مرکز سمجھتے تھے اور دینی امور میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔

۱۹۱۸ء میں آپ نے میرٹھ میں ''مسلم دار الیتامیٰ والمساکین'' کی بنیاد رکھی، جس میں لاوارث ویتیم بچوں کی مفت رہائش، خوراک، پوشاک اور عربی، فارسی، اردو اور انگریزی تعلیم کے ساتھ خیاطت (درزی خانہ) اور نجاری (فرنیچر بنانے) کے دو شعبے بھی قائم فرمائے۔ اس تعلیمی وصنعتی ادارے نے بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کرلیں اور آج تک کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ادارہ کی بنیاد رکھنے میں جن حضرات نے خصوصیت سے دلچسپی لی اور جن کا تعاون ہر مرحلہ پر حاصل رہا، ان میں قابل ذکر یہ افراد ہیں۔

۱) مولانا سید محمد حسین بریلوی

۲) حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی

۳) حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی

---

(۱) شاہ محمد عارف اللہ قادری، ص ۱۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

۴) خواجہ محمد اکبر خان وارثی (مصنف میلادِ اکبر)

۵) حکیم محمد میاں عرشی (فرزند حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل مصنف انوارِ ساطعہ)

۶) حافظ حفیظ الدین صاحب (مہتمم مدرسہ امداد الاسلام)

آپ کو متعدد بار خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ ہمعصر علماء و شائخ سے آپ کی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ میرٹھ کے مشہور بزرگ صوفی جان محمد (المعروف ولی جی) سلسلہ وارثیہ کے مشہورِ زمانہ بزرگ حضرت حاجی سید وارث علی شاہ دیوہ شریف، شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی گیلانی کچھوچھوی، حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی، سلسلہ قادریہ کے بلند پایہ بزرگ حضرت مولانا شاہ بہاؤ الدین (چونڈیرہ شریف) اور حضرت حافظ یار محمد سہارن پوری سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے۔

آپ کا وصال ۲۶ شوال المکرّم ۱۳۶۷ھ/ یکم ستمبر ۱۹۴۸ء کو ۶۳ (تریسٹھ) سال کی عمر میں دو بج کر ۱۵ منٹ پر ہوا۔ نمازِ جنازہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ نے پڑھائی اور قبرستان حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ میں دفن ہوئے۔ (۱)

---

(۱) تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت۔ ص ۱۲۰، مطبوعہ کراچی

حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی

مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی بن مولانا حکیم شاہ محمد حبیب اللہ قادری میرٹھی قادری رضوی (۱۸۷۷ء۔ ۱۹۴۸ء) بن مولانا شاہ محمد عظیم اللہ (م ۱۹۱۲ء) کی ولادت ۱۴ شوال المکرّم ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو جمعہ کے دن میرٹھ میں ہوئی۔

مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ مدرسہ قومیہ عربیہ اور انتہائی کتب میرٹھ کی قدیم درس گاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں پڑھیں۔ ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو آپ کی دستار بندی ہوئی۔ بعدازاں عربی، فارسی اور انگریزی کے امتحانات الہٰ آباد یونیورسٹی سے پاس کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے والد کے حکم پر جامع مسجد خیر المساجد میرٹھ میں خطابت کے فرائض انجام دینے لگے۔ تبلیغی دورے کیے اور اسلام کی دعوت دی۔ فن تقریر مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا اور جلد ہی ایک نامور مقرر کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ آپ شہر کے متعدد اداروں کے سرپرست اور رکن بن گئے۔

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۳۶ء) کے دست حق پرست پر بیعت کر کے تاج خلافت حاصل کیا۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے کے لیے ۱۹۴۰ء میں والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام رضوی اوراد و معمولات کی اجازت پائی۔

مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری نے تحریک پاکستان میں بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔ مسلم لیگ کا پیغام ہر فرد تک پہنچانے کے لیے ۱۹۴۵ء میں میرٹھ میں سنی کانفرنس کا اہتمام کیا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی حمایت میں ایک کانفرنس کی صدارت کی۔ نواب محمد اسماعیل خاں کی زیر قیادت شہری مسلم لیگ پولیٹیکل کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء تا ۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے تاریخی اہمیت کا خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے ۱۸۵۷ء سے تحریک پاکستان تک مسلمانوں کی جدوجہد آزادی پر اظہارِ خیال کیا۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس کی کامیابی کے لئے ہندوستان کے مختلف دور دراز صوبوں

کا دورہ کیا۔

۱۹۴۹ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ جب واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلم لیگ کے سرگرم رکن ہونے کے جرم میں گرفتاری کا حکم ہو چکا ہے۔ اطلاع ملتے ہی دہلی پہنچے اور براستہ بمبئی بحری جہاز سے ۱۹۵۰ء میں پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصہ کراچی اور خوشاب میں رہنے کے بعد مستقل طور پر راولپنڈی میں رہائش پذیر ہو گئے۔

راولپنڈی میں خطابت کا سلسلہ شروع کیا اور ملک بھر میں تبلیغی دورے بھی کرتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں جمعیت علماء پاکستان راولپنڈی کے صدر منتخب ہوئے اور تا زیست اس عہدے پر فائز رہے۔ دار العلوم احسن البرکات قائم کیا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں ماہنامہ ''سالک'' جاری کیا جو بارہ سال دین وملت کی خدمت کرتا رہا۔

۱۹۵۳ اور ۱۹۷۴ کی تحریک ختم نبوت میں جرأت مندانہ کردار ادا کیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کا بھی مقابلہ کیا۔ ۱۹۵۹ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اس وقت کے ڈپٹی کمشنر جی۔ ایم یزدانی ملک کے نامناسب رویے کی بنا پر مرکزی جامع مسجد راولپنڈی کی خطابت سے استعفیٰ دے دیا۔ ملک کے طول وعرض سے خطابت کی پیش کشیں ہوئیں لیکن آپ نے بہ اصرار جامع مسجد واہ فیکٹری میں خطابت میں منظور کی، جو آخر دم تک جاری رہی۔ ۱۹۶۵ء میں مجاہدینِ کشمیر اور متاثرین کے لئے امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

اندرونِ ملک دوروں کے علاوہ مولانا عارف اللہ قادری نے بیرون ملک بھی تبلیغی دورے کیے۔ ۱۹۷۸ء میں بغداد، نجف اشرف، کربلا اور کاظمین سے ہوتے ہوئے برطانیہ پہنچے۔ وہاں آٹھ ماہ قیام کیا۔ پورے ملک میں خطاب کیا اور لاتعداد عیسائیوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

۱۹۷۷ء کے عام انتخابات کے نتیجہ میں ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ'' شروع ہوئی تو مولانا نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ اسی سال جنرل ضیاء الحق کی مارشل لاء حکومت نے آپ کو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا۔

مذہب وملت کی خدمت کرتے ہوئے ۳۰ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء بروز بدھ راولپنڈی میں آپ نے انتقال کیا۔ نمازِ جنازہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی نے پڑھائی۔

حضرت صابر براری نے قطعہ تاریخ وفات کہا:

رخصت ہوئے جہاں سے جادوبیاں مقرر مغموم اس لیے ہیں پیر وجوان کہیے
تھا عالمانِ دیں میں اعلیٰ مقام ان کا تھی منفرد جہاں میں حضرت کی شان کہیے
گزری ہے عمر اُن کی تبلیغ دیں حق میں دینِ مبین کا ان کو روشن جہان کہئے
وہ ہر جگہ ہماری کرتے تھے پیشوائی حضرت کو اہل حق کا اک ترجمان کہیے
صابر اگر ہے فکرِ تاریخِ سالِ رحلت ''مولانا عارف اللہ جنت نشان کہیے''(۱)

(۱) ماخوذ: تحریک پاکستان اور علماء کرام،ص۳۸۳ تا ۳۸۷،تاریخ رفتگاں،ص۱۸۸،۱۸۹

مولانا مفتی محمد ظفر علی نعمانی علیہ الرحمۃ

آپ ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو ہندوستان کے معروف شہر سید پور ضلع بلیا میں پیدا ہوئے۔ اپنے نام کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت کی وجہ سے اپنی نسبت ''نعمانی'' لکھتے تھے۔ طریقت میں رشیدی علیمی تھے بعد میں حضرت صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہارِ شریعت) سے بھی مرید ہوئے اور خلافت پائی۔

بنیادی تعلیم گھر حاصل کرنے کے بعد صوبہ بہار ضلع آرہ بہار کے معروف دینی سنی مدرسہ فیض الغرباء جس کے منتظم اعلیٰ مولانا رحیم بخش صاحب قادری علیہ الرحمۃ جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء میں سے تھے۔ مفتی صاحب مرحوم اس مدرسہ میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کی تکمیل کے لئے دار العلوم اشرفیہ مبارکپور تشریف لائے۔ دار العلوم امجدیہ سے فراغت کے بعد صدر الشریعۃ سے گھوسی جا کر بیعت ہوئے۔ آپ کو حضور مفتی اعظم ہند سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت صدر الشریعۃ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ کراچی جاؤ وہاں جا کر مدرسہ قائم کرو اور دین کی خدمت کرو۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں مفتی ظفر علی نعمانی کراچی تشریف لائے۔ ایک مکان رہائش کے لئے خرید کر اس میں دار العلوم امجدیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا جب یہ جگہ ناکافی ہونے لگی تو آپ نے چند میمن حضرات کے تعاون سے عالمگیر روڈ کراچی میں دار العلوم امجدیہ کو وہاں منتقل کر دیا۔ جو آج اہلسنّت کے دینی مدارس کے خوبصورت عمارت اور کئی سو طلباء کے لئے مرکزی درسگاہ کی حیثیت رکھتا ہے ایک اور ادارہ جامع مسجد اور ''برکات القرآن'' سانگلہ ہل پنجاب میں قائم کیا۔

اس ادارے سے فارغ التحصیل کئی طلباء دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل کر دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اس ادارے امجدیہ سے کئی صاحبان علم ایم این اے، ایم پی اے اور سینیٹرز ہوئے۔

مفتی ظفر علی نعمانی سیاسی طور پر جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے ملکی عام انتخابات میں کھڑے ہوئے اور ممبر منتخب ہوئے۔ سینیٹرز رہے ۱۹۵۶ء کے تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور کئی ماہ جیل میں بھی رہے۔ ۱۹۷۳ء کی تحریک ختم نبوت میں پیش پیش رہے۔ تحریک نفاذِ فقہ حنفی کے لئے کوشاں رہے۔ اسلامی نظریاتی

کونسل کے ممبر کی حیثیت سے کونسل میں خدمات انجام دیں۔ بعدازاں ایک عرصہ تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئر مین رہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ القرآن بنام کنز الایمان آپ نے ہی پاکستان سے پہلی دفعہ شائع کرایا۔ علاوہ ازیں حیاتِ اعلیٰ حضرت/ حصہ اول مولفہ مولانا علامہ ظفر الدین بہاری سب سے پہلے پاکستان میں آپ ہی نے طبع کرائی۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کی معروف کتاب الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبۃ کی اشاعت بھی آپ نے کراچی سے کرائی۔ آپ کی شادی صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ کے صاحب زادے حکیم مولانا شمس الہدیٰ صاحب کی صاحبزادی سے ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ حضرت استاد العلماء علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری خلیفہ حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ نے نکاح پڑھایا۔ اس وقت علامہ ازہری علیہ الرحمۃ پاکستان میں جامع محمدی شریف جھنگ میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اور یوں مفتی ظفر علی نعمانی صدر الشریعۃ کے شاگردی کے بعد آپ کے خلیفہ اور خاندان کے ایک فرد بن گئے۔

ایک طویل عرصہ تک علمی دینی، تدریسی، ملّی خدمات انجام دینے کے بعد بالآخر آپ ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۶ نومبر ۲۰۰۳ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا اسماعیل میمن رضوی مدظلہٗ نے پڑھائی۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے دینی اور تعلیمی خدمات میں سانگلہ ہل پنجاب کی جامع مسجد اور مدرسہ برکات القرآن نے سانگلہ ہل پولیس اسٹیشن اور انٹر کالج سانگلہ ہل کی بنیاد اور ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ بھی آپ کے ممتاز کارناموں میں سے ایک ہے۔ آج اس مدرسہ میں سینکڑوں طالب علم درجہ حفظ و ناظرہ میں قرآن کی تدریس کے لئے داخل ہیں۔ مدرسے کے ممتاز قاری مولانا فضل الرحمٰن اور مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی چھوٹے بھائی مظہر صاحب کی خصوصی توجہ سے یہ مدرسہ پنجاب کے مدارس اہلسنت میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ (۱)

---

(۱) تذکرہ مشائخ امجدیہ کراچی 2004، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی

حافظ مولانا امام الدین کوٹلی فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مناظر اسلام مولانا ابوالیاس حافظ محمد امام الدین قادری رضوی بن عبدالرحمٰن (رحمتہ اللہ علیہ) ۱۸۶۱ء کے لگ بھگ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے آپ کے والد حافظ عبدالرحمٰن نقشبندی (رحمتہ اللہ علیہ) م ۱۲۹۸ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے ان کے زیر سایہ دینی ورحوانی تعلیم حاصل کی نیز اپنے دونوں بڑے بھائیوں رئیس العلماء مولانا ابوعبدالقادر محمد عبداللہ قادری رضوی (۱۲۸۱ھ--۱۳۴۲ھ) اور فقیہ اعظم مولانا ابویوسف محمد شریف (۱۸۶۱ء-۱۹۵۱ء) بھی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ بعدازاں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف (۱۵۰۶ء) چلے گئے، جہاں سے شوال المکرّم ۱۳۳۰ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۱۲ء میں قرآن مجید واحادیث نبوی (ﷺ میں اسناد حاصل کیں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کے ہاتھ پر بیت ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں خلافت واجازت بیعت سے مشرف ہوئے۔

تحصیل علوم کی تکمیل کے بعد حافظ صاحب اپنے آبائی مسکن آ گئے اور کوٹلی لوہاراں کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہو گئے۔ آپ جب وعظ کرتے تو اپنے زورِ بیان اور طرز استدلال سے سارے مجمع پر چھا جاتے تھے۔ آپ مسلک اہل سنت والجماعت کو قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کے دلائل سے ایسے عام فہم انداز سے بیان کرتے کہ سامعین پر حق واضح ہو جاتا تھا۔ گاؤں کی جامع مسجد کے علاوہ برصغیر پاک وہند کے کونے کونے میں آپ نے جلسوں سے خطاب کیا اور اپنی سحر بیانی اور پرجوش طرز خطابت کا لوہا منوایا۔ حافظ صاحب اکثر دیگر علمائے اہلسنت والجماعت کے ہمارہ سیالکوٹ کے مضافات اور ریاست جموں وکشمیر کے مختلف علاقوں میں تبلیغی دوروں پر جاتے اور لوگوں کو حب رسول اکرم ﷺ کا درس دیتے، محافل میلاد کراتے اور مسلک اہل سنت والجماعت کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ مذاہب وعقائد باطلہ کا بھی شدید رد فرمایا کرتے تھے۔

تقاریر اور مناظروں کے علاوہ حافظ صاحب نے تصنیف وتالیف کے ذریعے بھی فرق باطلہ کا رد کیا۔

آپ نے زیادہ تر نزاعی اور فروعی مسائل پر متعدد کتب ورسائل اور مضامین لکھے۔آپ کی کتب اور رسائل اور مضامین لکھے۔آپ کی کتب اور رسائل اردو اور پنجابی زبان میں نظم ونثر کی صورت میں محفوظ ہیں۔چند معروف مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) آنحضرت ﷺ کی بشریت وعبدیت (مطبوعہ سیالکوٹ)
۲) آیات بینات علیٰ عجز منکری الاحتیاط
۳) ابطال تناسخ (مطبوعہ سیالکوٹ)
۴) احتیاط الظہر ۔(مطبوعہ سیالکوٹ)
۵) الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود
۶) تحذیر الناس عن وسوسۃ الناس
۷) تنبیہ الشیعہ
۸) تیغ نعمانیہ
۹) مبین البرہان علیٰ شرب الدخان (مطبوعہ لاہور)
۱۰) نصرۃ الحق (مطبوعہ سیالکوٹ)۱۳۲۸ھ(۱۱
۱۱) وہابیوں کی امامت (مطبوعہ لاہور)
۱۲) ہدایۃ الشیعہ/(دوجلدیں)

ان تصانیف کے علاوہ حافظ صاحب کے اعلیٰ پائے کے تحقیقی مضامین اور فتاویٰ اپنے وقت کے معروف علمی ودینی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے تھے۔ان میں ہفتہ روزہ الفقیہ (امرتسر)اور ماہنامہ ماہ طیبہ (کوٹلی لوہاراں،سیالکوٹ) نمایاں تھے برصغیر پاک وہند کے جید مفتیان کرام اپنے فتاویٰ کی تائید کے لیے اپنے فتاویٰ دیگر علمائے کرام کی طرح حافظ صاحب کی خدمت میں بھی ارسال کرتے اور ان کی تائید اور تصدیق کو بہت اہمیت دیتے۔اسی طرح علمائے کرام اپنی تصانیف پر تقاریظ کے لیے اپنی کتب حافظ صاحب کو ارسال کرتے اور ان کی تقاریظ کو اپنے لیے سند کا درجہ دیتے تھے۔

حافظ صاحب صاحب طرز ادیب اور شعلہ بیان خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے آپ کی متعدد تصانیف منظوم ہیں منظوم کلاس میں آیات قرآنی احادیث نبوی ﷺ اور علمی مضامین کو بہت خوبی سے نبھاتے ہیں حافظ صاحب نے حمدیہ اور نعتیہ شاعری بھی کی ہے

اپنی تمام تر دینی،تبلیغی وعلمی مصروفیات کے حافظ صاحب سماجی اور رفاہی کاموں میں بھی بڑی دلچسپی

لیتے تھے۔سماجی سرگرمیوں کے علاوہ حافظ صاحب نے تحریک پاکستان کے اخری دور میں دیگر علمائے اہلسنّت والجماعت کے ہمراہ متحدہ پنجاب کے تقریباً تمام اضلاع کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے سامنے ہندو اور انگریز کے سامراجی عزائم کو بے نقاب کیا اور ان کے سامنے نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا۔

حافظ صاحب کا وصال ۱۹ر صفر المظفر ۱۳۸۱ھ ایک روایت کے مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۲ر اگست ۱۹۶۱ء کو اپنے اکلوتے صاحبزادے مولانا حافظ محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ (م-۱۹۸۴ء) کے گھر واقع سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی میں ہوا۔ وقت وصال آپ کی عمر تقریباً سو سال تھی شدید بارش کی وجہ سے آپ کے جسد خاکی کو کوٹلی لوہاراں نہ لے جایا جاسکا۔ چنانچہ عیدگاہ شریف، راولپنڈی کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمتہ اللہ علیہ (۱۹۰۹ء۔ ۱۹۷۹ء) نے پڑھائی۔ حافظ صاحب کے وصال پر پاک و ہند کے جید علمائے اہلسنت والجماعت نے تعزیت کا اظہار آپ کے برادر مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی سے کیا۔مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ محدث لائل پوری (۱۹۰۵ء/۱۹۶۲ء) نے اپنے تعزیتی خط میں لکھا کہ مولانا کی وفات کی خبر سے فقیر کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔حضرت موصوف اہلسنّت کے ایک جید عالم تھے۔مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ (۱۹۰۶ء-۱۹۷۸ء) نے اپنے تعزیتی پیغام میں لکھا کہ دنیائے اہلسنّت میں ایک عالم دین متعین کی وفات سے زبردست کمی ہوگئی مولانا سلف صالحین علمائے ربانین کی یادگار تھے حیف کہ داغ مفارقت دے گئے۔

حضرت صدرالافاضل بدرالمماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی دینی وعلمی خدمات پر مشتمل یہ مقالہ مرتب کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی جس میں حضرت موصوف کا سوانحی خاکہ، تعلیمی وروحانی سفر، آپ کی علمی خدمات، صحافتی خدمات، مناظرانہ خدمات، سیاسی وسماجی خدمات، آپ کے چند نامور تلامذہ کا تعارف وخدمات اور آپ کے ہم عصر علماء ومشائخ کرام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ بزرگان دین کا تذکرہ کرنا اوران کی خدمات سے عوام الناس کو روشناس کرانا ایک اہم علمی ودینی خدمت ہے۔ جہاں اللہ کے ولیوں اور بزرگوں کا تذکرہ خیر ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں وبرکتیں نازل ہوتی ہیں اورعوام ان کی خدمات سن کر دین اوراسلام کی طرف راغب ہوتی ہے جو بذات خود ایک نیکی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال (کا سلسلہ) ختم ہوجاتے ہیں لیکن تین چیزوں کا نفع اس کو (مرنے کے بعد بھی) پہنچتا رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ

(۲) ایسا علم جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہوں۔

(۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد انسان کا سلسلہ اعمال ختم ہوجاتا ہے لیکن اگر مرنے والے نے کوئی صدقہ جاریہ کیا ہو مثلاً اس نے کوئی مسجد بنوائی ہو، مدرسہ بنوایا ہو، پانی کی سبیل لگائی یا کوئی کنواں کھدوایا ہو یا کوئی سرائے بنایا ہو تو اس کا ثواب اس کو قیامت تک ملتا رہے گا۔ اسی طرح اگر علم کو عام کیا ہو یعنی اس نے درس وتدریس کی ہو یا کتابیں لکھی ہوں یا کتابیں شائع کرواکر مفت تقسیم کی ہوں، جس سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہوں تو اس کا ثواب بھی اس کو برابر ملتا رہتا ہے۔ یا اس نے اپنے پیچھے ایسی نیک اولاد چھوڑی ہو جو اس کیلئے ختم قرآن کرکے یا صدقہ وخیرات کرکے اس کیلئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرتی

ہوتو ان اعمال کا ثواب مرنے کے بعد بھی ماں باپ کو ملتا رہتا ہے۔

حضرت صدر الافاضل بدرالمماثل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی ذات اس حوالے سے بڑی خوش نصیب ہے کہ آپ کو ہر قسم کے صدقہائے جاریہ کا ثواب تا قیامت ملتا رہے گا چاہے وہ علم کی صورت میں ہو، تلامذہ کی صورت میں ہو، کتابوں کی صورت میں ہو یا مدارس و مساجد کی صورت میں ہو، ان تمام کا ثواب آپ کو تا قیامت ملتا رہے گا اور ان نیکیوں کا شمار آپ کے اعمال میں ہوتا رہے گا۔

حضرت صدر الافاضل تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کی حفاظت وحمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ آپ نے اپنے رسالہ ''السواد الاعظم'' میں جو ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں جامعہ نعیمیہ سے جاری کیا۔ آپ نے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لیے پورے ہندوستان میں اپنے نمائندے بھیجے جنھوں نے گھر گھر جا کر اسلام پھیلایا۔ دوقومی نظریہ کی بھرپور حمایت اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلعی کھولی۔

میں آخر میں ایک مرتبہ پھر ان تمام احباب کا، اساتذہ کا اور معاونین کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس مقالہ کی تکمیل میں میرے ساتھ ہمہ قسم تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سب کی اعانت و رہنمائی کو قبول فرمائے اور بہترین اجر عطا فرمائے اور میرے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین

دعا گو

راحت جہاں

شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی